سیف العطا

نکاحِ سیدہ با غیرِ سید کی شرعی حیثیت

جامع المعقول والمنقول

حاوی الفروع والاصول تاجورِ کشورِ تدریس ملک المدرسین

حضرت علامہ الحاج

الحافظ مولانا عطاء محمد چشتی گولڑوی بندیالوی نور اللہ مرقدہ
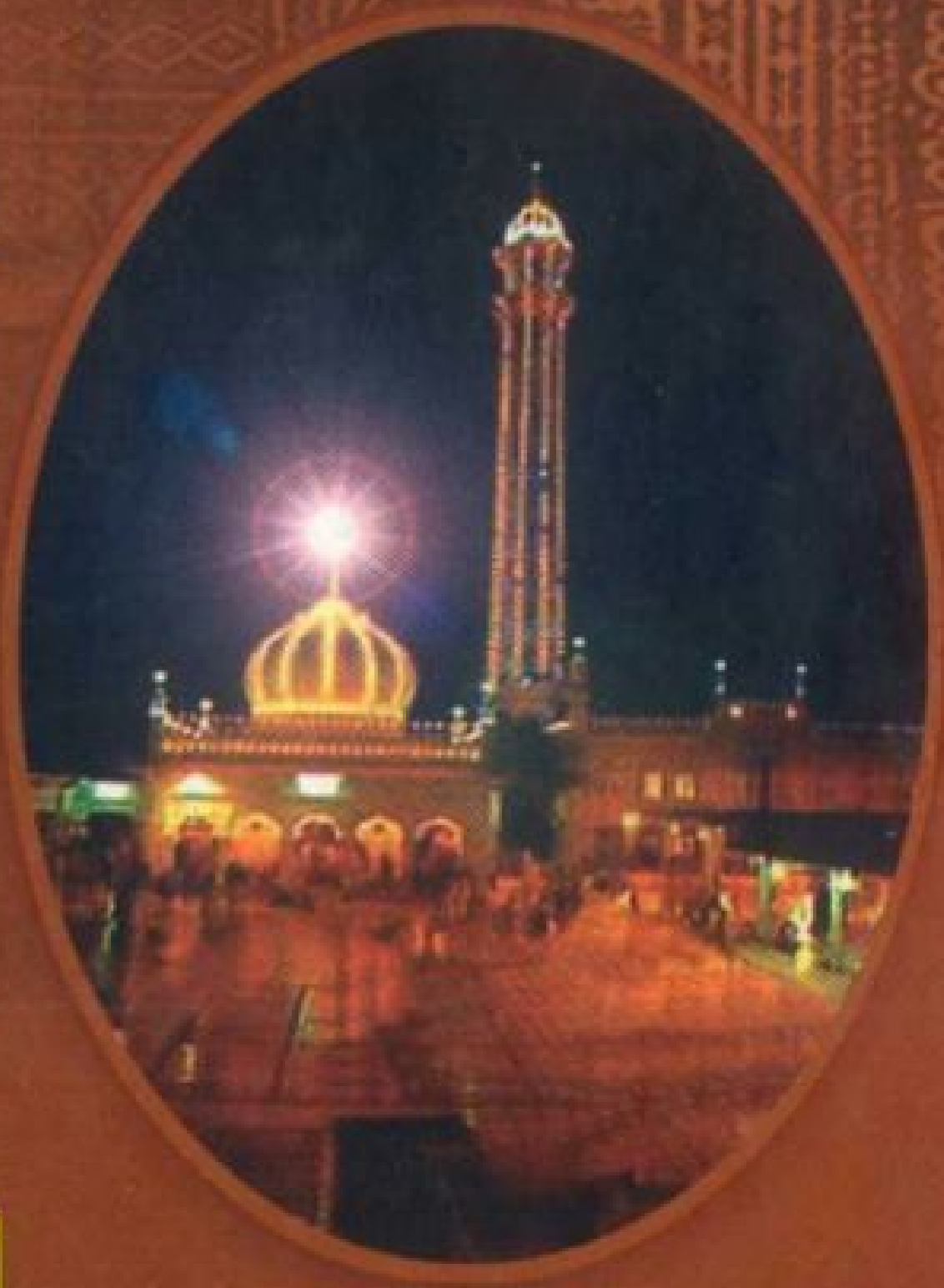
استاذ العلماء اکیڈمی خوشاب

بارِ اوّل ________ مئی ۱۹۹۴ء

مصنّف : اُستاذ العلماء حضرت علّامہ مولانا حافظ عطا محمد بندیالوی
بمقام ڈھوک دھمّن ڈاکخانہ پدھراڑ تحصیل و ضلع خوشاب

تقدیم : حضرت مولانا محمّد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی
شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور

کتابت : محمّد صدیق لاہور

اشاعت : عطا بندیالوی اکیڈمی مدرسہ احیاء العلوم (رجسٹرڈ)
جامع مسجد تاج عمر روڈ سانده لاہور

طباعت زیرِ نگرانی ممبرانِ اکیڈمی

حضرت مولانا علّامہ محمّد اشرف سیالوی شیخ الحدیث دار العلوم
ضیاء قمر الاسلام سیال شریف

حضرت علّامہ صاحبزادہ پیر محمّد سردار احمد مہتمم جامعہ الحبیب
حبیب آباد کھریپڑ شریف (پتوکی)

حضرت مولانا علّامہ علی احمد سندیلی مدرّس جامعہ جماعتیہ لاہور

حضرت علّامہ مولانا محمّد اقبال المصطفوی مہتمم و صدر مدرّس جامعہ
نور القرآن دربار نور شاہ ولی فیصل آباد

حضرت مولانا عبد الرحمٰن حسنی صدر مدرّس جامعہ حسنیہ سلطانیہ
شاہ والا ضلع خوشاب

مولانا حافظ محمّد حسین گولڑوی ناظمِ اعلیٰ (اکیڈمی و مدرسہ احیاء العلوم) لاہور

پریس : گرافک پریس لاہور

فرمانِ خداوندی

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (القرآن)

(ترجمہ)

اور جو شخص میری (اس) نصیحت سے اِعراض کرے گا، تو اُس کے لیے تنگی کا جینا ہو گا اور قیامت کے روز ہم اُس کو اندھا (کر کے قبر سے) اُٹھائیں گے۔

فرمانِ مُصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا

یَا بَنِیْ هَاشِمٍ لَا یَأْتِنِی النَّاسُ بِاَعْمَالِهِمْ وَتَاْتُوْنِیْ بِاَنْسَابِكُمْ

(الحدیث)

(ترجمہ)

اے بنی ہاشم! ایسا نہ ہو (کہ قیامت کے دن) لوگ میرے پاس نیک اعمال کے ساتھ آئیں اور تم میرے پاس صرف نسب لے کر آؤ۔

ایک قابلِ توجہ شعر بحوالہ تفسیر رُوح البیان

وَمَا يَنْفَعُ الْاَصْلُ مِنْ هَاشِمٍ
اِذَا كَانَتِ النَّفْسُ مِنْ بَاهِلَه

تشریح

بنوُ باھلہ عرب میں ایک قبیلے کا نام۔ صاحبِ رُوح البیان لکھتے ہیں: وھی قبیلۃ معروفۃ بالدّناءۃ لانّھم کانوا یأکلون نقی عظام المیتۃ۔ یعنی یہ ایک ایسا قبیلہ تھا، جو مُردار کی ہڈیوں کا گُودا کھایا کرتا تھا۔ اور عرب اِسے بچشمِ حقارت دیکھتے تھے۔ شعرِ مندرجہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بہ اعتبارِ فطرت باھلہ قوم کی گھٹیا عادات و خصائل اور طبیعت کا مالک ہو، تو کسی عالی خانوادے میں ایسے شخص کے پیدا ہو جانے سے اُس کا طبعی گھٹیا پن زائل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ایسے شخص کے لیے کسی عالی خاندان کا فرد ہونا کوئی قابلِ فخر بات ہو سکتی ہے۔ اصل چیز بلندیِ اخلاق اور فطرت کا عالی پن ہے نہ کہ فطرت اور عادات کے گھٹیا پن کے ساتھ محض کسی عالی خانوادے سے منسُوب ہونا۔ (قارئین) صاحبِ رُوح البیان کے علمی مقام کا اِس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ خُود حضرت اعلیٰ گولڑویؒ نے اُنہیں ایک مشہور محقق و مفسّر کے الفاظ سے یاد فرمایا۔ ملاحظہ ہو تصفیہ صفحہ ۶۰ طبع اول مارچ ۱۹۷۹ء۔

حُسنِ ترتیب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارفِ مُصنّف

اُستاذ الکل، ملک المدرسین مولانا علامہ حافظ عطا محمد چشتی گولڑوی متعنا اللہ تعالیٰ بطول حیاتہ

موجودہ دور کے شیخ رئیس، خیرآبادی فضلاء کے علمی جانشین مہرِ عالم تاب حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ کے مریدِ صادق، حضرت خواجہ سید غلام محی الدین گولڑوی بابو جی رحمہ اللہ تعالیٰ کے منظورِ نظر مرید استاذ الاساتذہ مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی وہ یکتائے روزگار مدرس ہیں جنہوں نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک مسندِ تدریس کو زینت بخشی، اور اہلِ سُنّت وجماعت کو لائق اور محنتی مدرسین کی بہت بڑی جماعت فراہم کی حقیقت یہ ہے کہ اہلِ سنّت وجماعت کے مدارس آپ ہی کے فیض یافتہ مدرسین کی بدولت آباد ہیں اور اس معاملے میں پورے ملک میں ان کا کوئی مدِ مقابل نہیں ہے۔ پوری قوم اُن کے احسانات کے بار سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

ولادت ونسب آپ اعوان قوم کے متوسط زمیندار ملک اللہ بخش اعوان (متوفی ۱۹۵۳ء) ابنِ غلام محمد ابنِ محمد چراغ رحمہم اللہ تعالیٰ کے گھر ۱۹۱۶ء میں موضع پدھراڑ ضلع خوشاب میں پیدا ہوئے۔ آپ کے چار بھائی تھے جن میں سے مولانا علی محمد رحمہ اللہ تعالیٰ عالم جوانی میں انتقال کر گئے۔ انہوں نے تمام کتبِ درسیہ آپ سے پڑھیں اور دورۂ حدیث بریلی شریف میں محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے کیا۔

تحصیلِ علم آپ نے موضع وسنال ضلع چکوال میں حافظ الٰہی بخش رحمہ اللہ تعالیٰ سے

تین سال کے عرصے میں قرآنِ پاک حفظ کیا، وہیں مولانا قاضی محمد بشیر رحمہ اللہ تعالیٰ سے فارسی کی ابتدائی کتابیں کریما، نامِ حق پڑھیں، ۱۹۳۳ء میں استاذ العلماء، مرجع الفقہاء حضرت مولانا یار محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۷ء) کی خدمت میں بندیال ضلع خوشاب حاضر ہوئے اور سات سال کے عرصے میں صرف، نحو اور فقہ کی مختلف کتابوں کے علاوہ اصولِ فقہ کی حسامی اور منطق کی قطبی وغیرہ کتابیں پڑھیں، اس عرصے میں استاذِ محترم کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، یہاں تک کہ استاذِ گرامی علیل ہو گئے اور چھ ماہ تک اسباق کا سلسلہ منقطع رہا، اس کے باوجود حسبِ سابق خدمت گزاری کا سلسلہ جاری رہا اور کسی دوسری جگہ جانے کا خیال تک نہ کیا، آخر خود استاذ العلماء کے فرمانے پر علامۂ زماں حضرت مولانا مہر محمد قدس سرہ کی خدمت میں اچھرہ لاہور چلے گئے، لیکن نیاز مندی کا یہ عالم تھا کہ تعطیلات کے موقع پر پہلے استاذِ مکرم کی خدمت میں بندیال حاضری دیتے، پھر والدین کی خدمت میں حاضر ہوتے، اساتذہ کی یہی عقیدت و محبت تھی جس نے آپ کو دُنیائے تدریس کا بدرِ مُنیر بنا دیا، آج جو طلباء میں وہ قابلیت اور رسُوخ فی العلم نہیں ہے تو اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اساتذہ کا وہ ادب اور احترام باقی نہیں رہا جو کسی وقت دینی مدارس کے طلباء کا طرۂ امتیاز ہوا کرتا تھا۔

حضرت ملک المدرّسین دو سال جامعہ فتحیہ، اچھرہ میں رہے اور علامۃ العصر مولانا مہر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے مختصر المعانی، مطوّل، مُلّا حسن، قاضی مبارک، حمد اللہ، شرح عقائد، خیالی اور اُمورِ عامّہ وغیرہ کتابیں پڑھیں، چھ ماہ موضع انھی (گجرات) میں منطق و فلسفہ کی بعض کتابیں پڑھیں، پھر لاہور واپس آکر استاذ الاساتذہ مولانا مُحبّ النبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جامعہ نعمانیہ، لاہور میں شمسِ بازغہ اور شرح عقائد، خیالی پڑھیں۔

حضرت مولانا مُحبّ النبی رحمہ اللہ تعالیٰ جلیل القدر فاضل اور بلند پایہ مدرّس ہونے کے باوجود انتہائی منکسر المزاج اور تکلّف سے بے نیاز شخصیت تھے، جبّہ و کلاہ اور ظاہری آرائش

سے اُنہیں کوئی سروکار نہ تھا، ایک دفعہ راقم نے اُن سے پوچھا کہ "حضرت مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدّظلّہ تعالیٰ نے آپ سے کچھ پڑھا ہے؟" تو فرمانے لگے "اُنہوں نے مجھے کہا تھا کہ میری چند کتابیں رہتی ہیں، مَیں چاہتا ہوں کہ اِس سال پڑھ لی جائیں تاکہ آئندہ پورا سال اِن کے لیے صرف نہ کرنا پڑے" مَیں نے اُنہیں کہا کہ میرے ساتھ تکرار کر لیا کریں، اور اگر کوئی بات سمجھ نہ آئے تو پوچھ لیا کریں"۔ اُن کا جواب سُن کر مجھے حیرت ہوئی کہ عصرِ حاضر کے نامور مدرّس کا استاذ ہونے پر کسی فخر کا اظہار نہیں کیا، بلکہ اِس سادگی سے واقعہ بیان کر دیا جیسے یہ کوئی غیر معمولی بات ہی نہ ہو۔

اِس کے علاوہ حضرت ملک التدریس نے بھیرہ ضلع سرگودھا میں فاضلِ اجل مولانا علاّمہ غلام محمود رحمہ اللہ تعالیٰ سے تصریح، شرح چغمینی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ جن کا تکملہ پر حاشیہ تحفہ سلیمانیہ اور تصنیفِ لطیف نجم الرّحمٰن مصنّف کے تبحرِ علمی پر شاہد ہے۔

۱۹۴۸ء میں حضرت خواجہ سیّد غلام محی الدّین گولڑوی (بابُوجی) رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغداد شریف حاضر ہوئے، اِسی موقع پر جامع امامِ اعظم (بغداد شریف) کے خطیب حضرت علاّمہ مولانا شیخ عبد القادر آفندی رحمہ اللہ تعالیٰ سے حدیث اور فقہ کی سند حاصل کی۔

مقاماتِ تدریس

تحصیلِ علوم سے فارغ ہونے کے بعد ۱۹۴۰ء میں تدریس کا آغاز کیا اور مختلف مدارس میں تشنگانِ علوم کو سیراب کیا۔ دو سال مدرسہ فتحیہ، اچھرہ، لاہور رہے، اِسی زمانے میں حضرت شیخ الحدیث والتفسیر مولانا علاّمہ غلام رسول رضوی مدّظلّہ تعالیٰ شارحِ بخاری نے آپ سے تفسیر بیضاوی اور اقلیدس وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

ایک سال حزب الاحناف، لاہور میں فرائضِ تدریس انجام دیے، اِسی دَور میں شارحِ بخاری حضرت علاّمہ سیّد محمود احمد رضوی مدّظلّہ نے آپ سے بیضاوی شریف، ہدیہ سعیدیہ اور مختصر المعانی وغیرہ کتابیں پڑھیں، ایک سال مدرسہ اسلامیہ، رانیاں، ضلع حصار اور تین سال جامعہ محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف میں پڑھایا، اِن دنوں مفسّرِ قرآن حضرت پیر محمد کرم شاہ مدّظلّہ العالی فاضل عربی کی

تیاری کر رہے تھے، اُنھوں نے اشارات ابنِ سینا کے کچھ اسباق پڑھے، آٹھ سال دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف، ایک سال جامعہ غوثیہ، گولڑہ شریف اور تقریباً تیئس ۲۳ سال جامعہ مظہریہ امدادیہ، بندیال، ضلع خوشاب میں مسندِ تدریس کو زینت بخشی، اِسی دَور میں راقم الحروف نے آپ کے دریائے علم سے اکتساب فیض کیا، آپ نے دو سال وڑچھہ شریف، ضلع خوشاب، تین سال دارالعلوم حامدیہ کراچی، تین سال مکھڈ شریف، تین سال دارالعلوم محمدیہ بھکھی شریف، اِس کے بعد جامعہ مظہریہ امدادیہ، بندیال، ضلع خوشاب میں علم و حکمت کا فیضان جاری رکھا، آج کل صاحب فراش ہیں اور مولانا نذر حسین سلمہ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ ان سے استفادہ بھی کر رہے ہیں اور رجا نفشانی کے ساتھ خدمت کی سعادت بھی حاصل کر رہے ہیں۔

اوصافِ کریمہ

آپ نہایت خُوش اخلاق، ملنسار اور متواضع شخصیت کے مالک ہیں، آفتابِ علم و فضل ہونے کے باوجود عُجب، خود بینی اور ریاکاری سے دُور کا واسطہ بھی نہیں رکھتے، طلباء اور عوام سے نہایت سادگی اور بے تکلفی سے گفتگو فرماتے ہیں، بزمانۂ تدریس طلبہ کو تاکیدی حکم ہوتا تھا کہ "میرے آنے پر کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں، بیٹھے رہا کرو، مبادا کسی وقت تم نہ اُٹھو تو میرے دل میں خیال پیدا ہو کہ یہ میری تعظیم کے لیے کھڑے نہیں ہوئے، تو یہ امر میرے لیے نقصان دہ ہوگا"، اپنے گاؤں ڈھوک دھمّن کسی محفل میں تشریف لے جاتے تو حاضرین ازراہِ احترام سگریٹ بُجھا دیتے، حُقّہ ایک طرف رکھ دیتے، اُنہیں فرماتے کہ "تمہیں حُقّہ اور سگریٹ نہیں پینا چاہیئے، لیکن اگر پیتے ہی ہو تو میرے آنے پر بھی پیتے رہا کرو، ورنہ مجھے آتا دیکھ کر تم خیال کرو گے کہ مولوی صاحب آگئے ہیں اب ہم حُقّہ اور سگریٹ نہیں پی سکیں گے، اِس طرح میرا آنا تمہیں بوجھ محسوس ہوگا۔" مزاج میں حیرت انگیز تحمل ہے، بعض شاگرد بڑی بے تکلفی سے گفتگو کر جاتے ہیں، لیکن کیا مجال کہ پیشانی پر شکن پڑ جائے، اِس کے باوجود دورانِ تدریس رُعب اور دبدبے کا یہ عالم ہوتا کہ اچھے اچھے لائق طلباء دم بخود رہ جاتے

ہوتے۔ حق گوئی اور حق پرستی آپ کا شعار ہے، تقویٰ و پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ ہیں۔ نماز اِس اطمینان اور خضوع و خشوع سے ادا کرتے ہیں کہ اولیاءِ کاملین کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، صبح کی نماز کے بعد دیر تک اوراد و وظائف میں مشغول رہتے ہیں، صبح اور عصر کے بعد روزانہ ڈیڑھ دو میل چلنا آپ کے معمولات میں داخل تھا۔

بیعت اور مُرشدِ گرامی سے عقیدت

زمانۂ طالب علمی میں آفتابِ گولڑہ حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ کے دستِ اقدس پر سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔ سال میں کئی کئی دفعہ گولڑہ شریف حاضر ہوتے۔ عُرس کی طویل نشستوں میں سراپا ادب ہوکر بیٹھتے۔ مرشدِ گرامی کے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ ان کی گہری عقیدت کا اندازہ اِس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ گولڑہ کے آفتابِ عالم تاب کے رحلت فرما جانے کے بعد ان کے فرزندِ ارجمند حضرت پیر سیّد غلام محی الدین گولڑوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اِس کا باعث یہ تھا کہ آپ نے کچھ پیر بھائیوں سے سنا کہ وہ حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کو تو حضرت صاحب کہتے اور سجادہ نشین صاحب کو صاحبزادہ صاحب کہتے۔ یہ بات انہیں بہت ناگوار گزرتی، یہاں تک کہ آپ نے حضرت پیر سیّد غلام محی الدین رحمہ اللہ تعالیٰ (سجادہ نشین صاحب) سے گزارش کی کہ مجھے بھی بیعت کریں، حضرتؒ نے کئی مرتبہ انکار کیا اور فرمایا کیا "بڑے حضرت صاحبؒ کی بیعت ختم ہوگئی ہے"؟ ۱۹۴۸ء میں جب حضرتؒ کے ساتھ بغداد شریف حاضر ہوئے تو پھر بیعت کی درخواست پیش کی، حضرتؒ نے از راہ کرم درخواست قبول کی اور ۳۰ اپریل ۱۹۴۸ء کو حضرت ملک المدرسین اور محمد خان (کھاریاں) کو حضرت سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار شریف کے پاس بیعت کیا۔ (سفرنامہ بغداد، ص ۱۰۱)

غالباً ۱۹۶۲ء کی بات ہے جب راقم، بندیال میں آپ سے کسب فیض کر رہا تھا، فرمایا میرے ساتھ لاہور چلو، لاہور پہنچ کر حضرت مولانا خدا بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مسجد المینار

عثمان گنج میں قیام لیا، دوسرے دن فرمایا "چلو تمہیں اپنے حضرت صاحب کی زیارت کروائیں" مجھے ساتھ لے کر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، راستے ہی میں حضرتؒ کے صاحبزادے شاہ عبدالحق گولڑوی مدظلہ مل گئے جو آپ کے شاگرد بھی تھے، مَیں نے چشمِ حیرت سے دیکھا کہ علم و فضل کا یہ ہمالہ جُھک کر اُن کی دست بوسی کر رہا ہے۔

اسی موقع پر راقم کے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت استاذِ گرامی کی ملاقات اور زیارت کے لیے عثمان گنج حاضر ہوئے، کچھ دیر حاضر رہنے کے بعد واپسی پر انہوں نے کچھ رقم بطورِ نذر پیش کی، جو اصرار کے باوجود آپ نے قبول نہ کی۔ زیادہ اصرار کیا تو میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "میری طرف سے اِسے دے دیں"، اِس واقعہ سے والد ماجد بہت متاثّر ہوئے اور رخصت ہونے کے بعد کہنے لگے یہ "استغنار اور دُنیا سے بے نیازی علمار میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔"

ایک دفعہ آپ کے استاذ بھائی مولانا سیّد منوّر شاہ نے بطورِ خوش طبعی فرمایا کہ آپ ہر سال عرس کے موقع پر گولڑہ شریف جاتے ہیں، یہ تو بتائیں آپ نے ولایت کا کونسا مقام حاصل کیا ہے"، استاذِ گرامی نے فرمایا: "شاہ صاحب! آپ اچھے خاصے عالم ہیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو قانونچہ کھیوالی بھی یاد نہیں ہے، جس میں لکھا ہے کہ ہر علم کے شروع کرنے سے پہلے اس کی غرض و غایت معلوم ہونی چاہیئے، آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ بیعت کا اوّلین مقصد زمرۂ اولیار کے ساتھ عقیدت و تعلق کا ٹکٹ حاصل کرنا ہے، جس طرح ٹکٹ چیکر گاڑی سوار کا ٹکٹ دیکھ کر اُسے کچھ نہیں کہتا، اِسی طرح اِن شاء اللہ العزیز قبر اور میدانِ محشر میں دامنِ اولیار سے وابستگی کا ٹکٹ دیکھ کر عذاب کے فرشتے ہمیں کچھ نہیں کہیں گے۔"

سفرِ بغداد شریف

مارچ ۱۹۴۸ء میں حضرت پیر سیّد غلام محی الدّین گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مریدین کے جمِ غفیر کے ساتھ بغدادِ مقدّس کا سفر کیا، حضرت ملک المدرّسین مدظلہ بھی شریکِ سفر تھے، راستے میں حضرت شاہ عبدالحق صاحب گولڑوی نے

آپ سے فلسفہ کی مشہور کتاب میبذی اور منطق کی سُلّم العلوم پڑھی، حضرت ملک المدرسین، سفرنامۂ بغداد (قلمی) میں لکھتے ہیں۔

"محرّرِ سطور ٹیکہ لگوانے کی وجہ سے راستے میں محموم (مبتلائے بُخار) ہوگیا، طبیعت پر بڑی گرانی اور پریشانی کی فراوانی تھی، لیکن صاحبزادہ بلند اختر شاہ محمد عبدالحق اطال اللہ عمرہٗ کے ساتھ سلّم العلوم اور میبذی کی تکرار رہتی تھی، اس لیے غم غلط ہوتا رہا، اللہ رب العزّت میرے حضرت کی اولاد کو تا قیامِ قیامت سلامت باکرامت رکھے، کیونکہ یہ گوہرِ نایاب اپنے پناہ گزینوں پر اکرام بلیغ فرماتے ہیں[1]"

تصویر کے بغیر سفر

۲۷ رمارچ کو کراچی میں تھے کہ ایک مشکل پیش آگئی، جس کا تذکرہ حضرت ملک المدرسین نے اِن الفاظ میں کیا ہے۔

"آج حضرت قبلۂ عالم مدّظلّہ العالی کا ارشاد ہوا کہ بغیر فوٹو کے عراق شریف کو جانا مشکل ہے، لہٰذا ابھی فوٹو والا آئے گا، یہ بات سُن کر طبیعت پر بڑا بوجھ پڑا، کیونکہ ہم اُس ذاتِ گرامی کے دربارِ دُربار پر حاضر ہورہے ہیں جس کو محی الدّین کا لقب اِس لیے عطا ہوا کہ آپ نے شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والتّحیّۃ سے ہر ایک بدعت کو دُور کرکے از سرِ نو دین کو زندہ کیا، اب اگر ہم ارتکابِ بدعت کرکے اُن کے دربار پر حاضر ہوں تو بظاہر سوءِ ادب ہے[2]"

چونکہ آپ نے ایک شرعی مسئلے کے پیشِ نظر فوٹو نہیں کھنچوائی تھی، اِس لیے پیر صاحب نے

---

[1] عطا محمد چشتی گولڑوی، علّامہ: سفرنامۂ بغداد (قلمی) مملوکہ مولانا علی احمد سندیلوی ص ۶

[2] عطا محمد چشتی گولڑوی، علّامہ: سفرنامۂ بغداد ص ۸

بھی اصرار نہ کیا، بلکہ فرمایا "تصویر نہ بنواؤ آئندہ دیکھا جائے گا"۔ چنانچہ بغیر تصویر کے ۱۰ اپریل کو بغداد شریف پہنچ گئے، سیدنا غوثِ اعظمؓ کے دربار کے خادم نے کہا کہ آپ کے پاسپورٹ پر تصویر نہیں ہے، لہٰذا تصویر بنوائیں"۔ استاذِ گرامی یہ سُن کر پریشان ہو گئے اور اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے یوں دُعا کی۔

"اے اللہ! تو ہی عصیاں سے بچانے والا ہے، اپنے محبوب سُبحانی کے صدقے اِس بلا کو اپنے عاجز بندے کے سر سے ٹال دے"

حق پرستوں کی اگر کی تُو نے دلجوئی نہیں — طعنہ دیں گے بُت کہ مُسلم کا خُدا کوئی نہیں

غوثِ اعظمؓ منِ بے سروساماں مددے — قبلۂ دیں مددے کعبۂ ایماں مددے

اِس پُرخطا کی شرم تمہارے ہی ہاتھ ہے — اِس ننگِ دو جہاں کا وسیلہ تمہی تو ہو

جو دستگیر ہے وُہ تمہارا ہی ہاتھ ہے — جو ڈُوبنے نہ دے وہ سہارا تمہی تو ہو[1]

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلۂ جلیلہ اور مرشدِ گرامی کی نظرِ عنایت سے مشکل آسان ہو گئی اور فوٹو سے مُستثنیٰ قرار دے دیئے گئے۔ بغداد شریف، نجف اشرف، کربلا معلّٰی اور دیگر مزاراتِ مقدّسہ پر حاضری دی اور ۲۰ مئی کو واپس سیال شریف پہنچ گئے، آپ اِن دنوں وہیں مدرّس تھے۔

مُرشدِ گرامی کی شفقت و محبّت

حضرت پیر سیّد غلام محی الدین گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ملک المدرّسین پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ ان کے علمی مقام کے صحیح قدر دان تھے اور ان کی رائے کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، سفرِ بغداد شریف میں ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو حضرت کی موجودگی میں فوٹو کا مسئلہ زیرِ بحث آگیا، حضرت استاذ الاساتذہ نے فرمایا کہ تصویر حرام ہے اگرچہ کسی امرِ مسنون کو ادا کرنے کے لیے ہی بنوائی جائے، کیونکہ فقہا کا قاعدہ ہے کہ اگر سُنّت اور بدعت اس طرح جمع ہو جائیں کہ بدعت

---

[1] عطا محمد چشتی گولڑوی، علامہ: سفرنامہ بغداد ص ۸

سے نیچے بغیر سُنّت ادا نہ کی جا سکے تو سُنّت ترک کر دی جائے' اِس پر مجلس میں حاضر پیر بھائی بہت برہم ہوئے، حضرت ملک المدرّسین فرماتے ہیں کہ

"ہمارے حضرت دام ظلہ نے اُن کو فرمایا یہ شرعی مسئلہ ہے' اس میں رائے کو دخل نہیں ہے[1]"

اسی طرح ایک محفل میں مسئلہ تصویر پر گفتگو ہوئی تو پیر صاحبؒ نے تین تصاویر لا کر دیں' جن میں ایک تصویر حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی کی تھی اور دوسری دو تصویریں دو محترم شخصیات کی تھیں؛ اِس کے ساتھ فرمایا "میرے پاس صرف یہی تصویریں ہیں" حضرت ملک المدرّسین وہ تصویریں لے آئے، اِن کے ساتھ کمرے میں مولانا محمّد حسین شوق (پپلاں) ٹھہرے ہوئے تھے، مل کر غور کیا کہ اِن تصویروں کا کیا کیا جائے؟ طے پایا کہ انہیں پانی میں بھگو دیا جائے، جب حل ہو جائیں تو پانی کسی محفوظ جگہ اُنڈیل دیا جائے، حضرت ملک المدرّسین دوپہر کے وقت آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے' بیدار ہوئے تو پانی کا جگ خالی تھا، دریافت کرنے پر مولانا محمّد حسین شوق نے بتایا کہ "مجھے پیاس لگی تو میں نے وہ پانی پی لیا ہے" یہ تھی احکامِ شریعت کی پاسداری' عزّت اور علماءِ دین کا احترام، سُبحان اللہ! ماشاء اللہ!

حضرت ملک المدرّسین اپنی تحقیق اور احتیاط کی بنا پر افطار کے مروّج وقت سے چار پانچ منٹ کے بعد روزہ افطار کرتے ہیں' ایک دن کسی مُرید نے پیر صاحب سے بطورِ شکایت کہا کہ "حُضُور! آپ نے تو روزہ افطار کر لیا، مگر مولوی صاحب نے افطار نہیں کیا، بلکہ چار پانچ منٹ کے بعد افطار کیا" حضرت بابو جی" خلافِ معمول جلال میں آ گئے اور اُس شخص کو دو طمانچے رسید کرتے ہوئے فرمانے لگے وہ عالمِ دین ہیں' تمہیں اُن پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے"؛ اللہ اللہ! کیا توقیر تھی علم کی اور کیا احترام تھا علماء کا؟ پیر صاحبؒ نے اگر پہلے روزہ افطار کیا تھا تو یقیناً یہی سوچ کر افطار کیا تھا کہ وقت ہو چکا ہے' اس کے باوجود اُنہوں نے گوارا نہ کیا کہ

[1] عطا محمّد چشتی گولڑوی' علّامہ: سفر نامۂ بغداد ص ۱۳۴

ایک متبحر عالمِ دین کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے، حقیقت بھی یہی ہے کہ دین اور تصوّف نے علماءِ دین سے بیزاری، نفرت اور اِن کی توہین کا درس نہیں دیا۔ بلکہ اِن کی تعظیم و تکریم کا سبق دیا ہے۔

حرمین شریفین کی حاضری

۱۹۶۳ء میں آپ نے حرمین شریفین حاضری دی اور حج و زیارت کی سعادت حاصل کی، راقم اُن دنوں بندیال میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، مجھے یاد ہے کہ آپ نے مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سیّد احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں استفتاء ارسال کیا تھا کہ موجودہ حالات میں تصویر کے بغیر حج نہیں کیا جا سکتا، جس پر حج فرض ہو وُہ کیا کرے؟ حج سے واپسی پر ذوق و شوق اور رقّت میں بہت اضافہ ہو گیا، اہلِ بیتِ کرام کے ذکر پر آبدیدہ ہو جاتے، کوئی شخص حاجی صاحب کہہ کر مخاطب کرتا تو اُسے تنبیہ کرتے کہ حج اللہ تعالیٰ کا فرض تھا بحمدہٖ تعالیٰ وہ ادا ہو گیا، اِس کا یہ مطلب نہیں کہ اِسے ٹائیٹل ہی بنا لیا جائے۔

اولاد

اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ فدا محمد عطا فرمایا، جن دنوں آپ گولڑہ شریف میں پڑھاتے تھے وہ صاحبزادہ صغر سنی میں داغِ مفارقت دے گیا، تمام نیازمندوں کی دلی آرزو تھی کہ مولائے کریم جلّ شانہٗ آپ کو اولادِ نرینہ عطا فرمائے، آخر دربارِ ایزدی میں دُعائیں قبول ہوئیں اور یکم رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء کو اللہ تعالیٰ نے صاحبزادہ عطا فرمایا، جن کا نام فدا احسن ہے، اب بحمدہٖ تعالیٰ جوان ہیں اور زیرِ تعلیم ہیں۔

جناب صوفی اصغر علی اصغر (اڈہ مریدوالا، فیصل آباد) نے اِس موقع پر پنجابی اشعار میں ہدیۂ تبریک پیش کیا جو درجِ ذیل ہے ؎

عطا اللہ عطا، محمدی لے سُنیا نیک فرزند عطا ہویا
گولا گولڑے دا کرم چشتیاں دا مہر پاک دا صدقہ فدا ہویا

غوث پاک دی کرم نوازیاں تھیں پُورا اج بڑھاپے دا چا ہویا
قدرت دی ضعیف نوں بخش لاٹھی آخر وقت وِچ فضل خدا ہویا

سُن کے خوشی دا رہیا نہ حد بنّا، سجدے شکر دے پیا گزاردا ہاں
اصغرؔ اپنے اُستاد دے باغ اندر، طلب گار ہیں سدا بہار دا ہاں

شانِ تدریس

آپ اُن معدودے چند اساتذہ میں سے ہیں جنہوں نے فرائضِ تدریس کو عبادت سمجھ کر ادا کیا، آپ نے عمرِ عزیز کے شب و روز محض تدریس میں صرف کر دیئے، وعظ و خطابت اور تصنیف و تالیف کی طرف بہت کم توجہّ فرمائی۔

درجِ ذیل سطور میں آپ کی چند تدریسی خصُوصیات پیش کی جاتی ہیں، اور سچّی بات تو یہ ہے کہ آپ کی شانِ تدریس کو ضبطِ تحریر میں لانا راقم کے بس کی بات نہیں ہے۔

(۱) بیسیوں دفعہ درسی کُتب پڑھانے کے باوجود ہر کتاب با قاعدہ مطالعہ کر کے پڑھاتے۔ پھر یہی نہیں کہ کتاب پر ایک سرسری نظر ڈال لی، بلکہ نظرِ غائر سے ملاحظہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایسا اتّفاق ہوُا کہ گرمیوں کے موسم میں آپ نے ہدایہ اخیرین کا مطالعہ شروع کیا۔ ادھر راقم الحروف نے بھی وہی کتاب دیکھنا شروع کی۔ مطالعہ کرنے کے بعد دیکھا تو پتہ چلا کہ آپ ابھی کتاب ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ہر دفعہ نئے نئے مضامین نئے انداز میں بیان فرماتے

(۲) طلبار سے مطالعہ کی سخت پابندی کرواتے، کسی طالب علم کے متعلّق اگر محسوس کرتے کہ اِس نے پوری طرح مطالعہ نہیں کیا۔ تو اُسے اچھّی خاصی سرزنش فرماتے اِس لیے وہاں غیر محنتی طالب علم کی بہت کم گنجائش ہوتی۔

(۳) مشکل سے مشکل مقام کو اِس خوش اسلوبی سے بیان فرماتے کہ اس مطلب کے مشکل ہونے پر اعتبار نہ آتا۔ اندازِ بیان ایسا پاکیزہ اور سہل ہوتا کہ ہر بات دل و دماغ میں اُترتی ہوئی محسوس ہوتی۔ عبدالغفور نحو کی ایک مشکل ترین کتاب ہے۔ اِس کا ایک مقام پڑھتے وقت راقم حُسنِ بیان سے اس قدر مسحور ہوُا جس کا اثر آج تک دل و دماغ میں محسوس ہوتا ہے۔ بس یُوں سمجھیئے کہ نظریات کو بدیہی کر دکھاتے ہیں۔

(۴) جب تک پڑھنے والے کو شرحِ صدر حاصل نہ ہو جائے اُس وقت تک انہیں اطمینان

نہیں ہوتا۔ بعض اوقات ذہین طلبا، کسی مطلب کی تکرار کو طوالت سمجھنے لگتے ہیں۔ لیکن آپ کے پیشِ نظر ہر قسم کے طلبار ہوتے ہیں۔ اس لیے آپ بالکل اُکتاہٹ محسوس نہیں کرتے، حدیہ کہ ان کی نظر عبارت کے ہر گوشہ پر ہوتی ہے اور اِس بات کو روا نہیں رکھتے کہ کسی پہلو کو نظرانداز کر دیا جائے۔

(۵) طلبار کے سامنے اُن کی تعریف نہیں کرتے، چاہے وہ کتنا ہی لائق وفائق کیوں نہ ہو۔ خاص طور پر جو طالب علم ان کی زیادہ خدمت کرے۔ اس کی بہت کم رعایت کرتے ہیں۔ اِس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ طلبار میں خواہ مخواہ غرور پیدا نہیں ہوتا بلکہ جذبۂ محنت بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ رئیس الاذکیار مولانا محمد اشرف صاحب سیالوی نے جب وزیر آباد جاکر دَورۂ قرآن اور فیصل آباد دَورۂ حدیث پڑھا اور دیگر مدارس کے طلبار کی علمی قابلیت کا جائزہ لیا تو ایک موقع پر بطورِ خوش طبعی فرمایا:

"باہر جاکر پتہ چلا کہ ہم بھی علاّمہ ہیں، ورنہ یہاں (بندیال میں) تو اُستاد صاحب نے ہمیں احساس ہی نہیں ہونے دیا کہ ہمیں بھی کچھ آتا ہے۔"

(۶) تعلیمِ علوم کے ساتھ ساتھ طلبار کی اخلاقی اور عملی اصلاح پر بھی خاص توجہ فرماتے۔ اکثر کمزوریوں کی نشاندہی فرماکر اخلاقِ صالحہ اور اعمالِ حسنہ کی ہدایت فرماتے رہتے۔

ایک دفعہ مولانا حافظ شاہ محمدؔ صاحب خطیبِ مدینہ کالونی، والٹن ایک جگہ تدریس کے لیے جانے لگے تو آپ نے دیگر ہدایات کے علاوہ خاص طور پر فرمایا: "طلبار سے اوقاتِ تدریس کے علاوہ زیادہ اختلاط نہ رکھنا۔ اِس سے بہت سی خرابیوں کے پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ دورِ طالب علمی میں تمام طلبار سے بے تکلفی اور عام اختلاط ہوتا ہے، اِس لیے دَورِ تدریس میں اِس عادت کا چھوڑنا خاصا دُشوار ہوتا ہے۔" مزید فرمایا کہ اگر ہوسکے تو اپنے کپڑے بھی خود دھولیا کریں۔"

(۷) دورانِ تدریس، مناسبتِ مقام سے اختلافی مسائل کی تحقیق بیان فرمانا آپ کی امتیازی

خصوصیت ہے۔ شرح عقائد، خیالی، مسلّم الثّبوت اور بیضاوی وغیرہ میں مسئلہ امتناعِ کذبِ باری تعالیٰ کو شرح و بسط سے بیان فرماتے۔ مخالفین کے شبہات کا رَد اور اہلِ سنّت و جماعت کے دلائل زوردار طریقے سے بیان فرمایا کرتے۔ اِس کے علاوہ مسئلہ نور، علمِ غیب، حاضر و ناظر وغیرہ مسائل کو نہایت مدلّل انداز میں بیان فرماتے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے تلامذہ نہایت راسخ الاعتقاد واقع ہوئے ہیں، اور مسلکِ اہلِ سنّت و جماعت کے پُرجوش مبلّغ اور ترجمان ہیں۔

ایک دفعہ مرزائیوں نے پیشکش کی کہ "آپ ہمارے چند بچّوں کو معقولات پڑھا دیں، ہم آپ کی معقول خدمت کریں گے"، آپ نے فرمایا "مجھے منظور ہے، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ موقع اور مقام کی مناسبت سے عقائد اور مسائل ضرور بیان کروں گا"۔ کہنے لگے معقولات کا عقائد اور مسائل سے کیا تعلّق؟ آپ نے فرمایا "اِس کا تمام مسائل میں دخل ہے"، اِس پر وہ خاموش ہو کر رہ گئے۔

ایک دفعہ فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں اہلِ سنّت و جماعت میں پیدا فرمایا، کہیں گستاخوں کے گروہ میں شامل نہیں فرما دیا۔"

بیان کی اثر انگیزی

جناب ملک فضل الرحمٰن صاحب (بندیال) کٹّر قسم کے دیو بندی تھے۔ دیو بندیوں کی طرف سے بعض اوقات علماءِ اہلِ سُنّت کو مسائلِ اختلافیہ پر مناظرہ کا چیلنج بھی دیا کرتے تھے۔ انہیں جناب ملک الٰہی بخش صاحب کے ذریعے حضرت استاذِ مکرّم کے درس میں شریک ہونے کا اتّفاق ہوا۔ حضرت استاذِ مکرّم کے منصفانہ اور عادلانہ بیانات اور زوردار دلائل نے اُن کے ذہن کا رُخ بدل دیا۔ ملک صاحب زید مجدہ بفضلہٖ تعالیٰ وکرمہٖ غلط عقائد سے تائب ہو گئے۔ ڈاڑھی رکھ لی اور کئی سال تک باقاعدہ درسِ حدیث میں شریک ہوتے رہے۔ ماشاء اللہ اب تو پورے مولوی اور عالم دکھائی دیتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک دیوبندی مولوی نے بندیال میں تقریر کی اور اپنے گستاخانہ خیالات کا اظہار کیا۔ اتفاق دیکھئے کہ اُس کی پوری آواز اُستاذ صاحب قبلہ تک پہنچتی رہی باوجودیکہ آپ تقریریں دلچسپی نہیں لیتے، لیکن اِس موقع پر دینی حمیّت جوش میں آگئی۔ کرائے کا لاؤڈ سپیکر لاکر اہلِ سُنّت کی مسجد میں نصب کیا گیا۔ آپ نے بعد از نمازِ عشاء ساڑھے تین گھنٹے ایسی مدلّل تقریر فرمائی کہ عوام و خواص عش عش کر اُٹھے۔ آپ کے سامنے میز پر کتابوں کا انبار لگا ہُوا تھا۔ آپ تقریر کر رہے تھے اور کتابوں کے حوالہ جات دکھاتے جا رہے تھے۔ اِس کے بعد گمان تھا کہ مخالفین مخالفانہ کاروائی کریں گے مگر کسی کو دم زدن کی مجال نہ ہوئی۔

کچھ عرصہ بعد بندیال کے ایک دیوبندی مولوی نے علماءِ اہلِ سُنّت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ مناظرہ کرنا چاہیں۔ تو ہم تیار ہیں۔ بندیال کے ایک ملک (ملک خان صاحب) نے کہا "ایسی بات مت کرو۔ ورنہ مولانا عطا محمد صاحب کتابیں لے کر آجائیں گے۔ پھر تم سے کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔" اِس پر مولوی صاحب چُپ ہو کر رہ گئے۔

عِلم کی لگن کا فیضان

یہ امر انتہائی حیرت انگیز ہے کہ آپ کے شاگردوں میں علم حاصل کرنے کا شوق جنون کی حدوں تک پہنچ جاتا اور وہ دن رات محنت کر کے کوشش کرتے کہ اُستاذِ گرامی کا ایک ایک جُملہ اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیں، مجھے وہ منظر نہیں بھُولتا جب مولانا علامہ غلام رسُول سعیدی (شارحِ مسلم) صبح کے سات آٹھ بجے کتابوں کا انبار اُٹھائے ہوئے مسجد سے باہر آئے تو ایک طالب علم نے مُسکراتے ہوئے کہا کہ اُستاذ صاحب ڈھوک دشمن (اپنے گھر) چلے گئے، علّامہ صاحب اتنے افسردہ ہوئے کہ اُن کی آنکھوں میں آنسو آگئے، کہنے لگے "ہم لوگ رات بھی مطالعہ کرتے رہے' اور نمازِ فجر کے بعد بھی تیاری کرتے رہے، لیکن اُستاذ صاحب چُپ چاپ چلے گئے۔" آج طلبہ میں اشتیاقِ علم کی یہ فراوانی کہاں؟ یہی وجہ ہے کہ اِنہیں علمی کمال بھی تو حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت اُستاذِ گرامی کی جامع الصّفات شخصیت اِس قدر پُرکشش ہے کہ ایک دفعہ

شریکِ درس ہو کر علم کی چاشنی چکھ لینے کے بعد طالبِ علم کو دوسری جگہ اطمینان حاصل نہیں ہوتا، مولانا علامہ علی احمد سندیلوی، تصریح (علمِ ہیئت کی کتاب) پڑھنا چاہتے تھے، طویل انتظار کے باوجود یہ کتاب شروع نہ ہو سکی، اُنھوں نے سنا کہ حاصلاں والا۔ ضلع گجرات میں مولانا علامہ حکیم سُلطان احمد مدظلہ، افق المبین وغیرہ کتابیں پڑھاتے ہیں، رختِ سفر باندھا اور وہاں پہنچ گئے، وہاں بھی سبق شروع نہ ہوا تو لاہور چلے گئے، اور چند ماہ بعد پھر بندیال پہنچ گئے۔

آپ نہ صرف درسی کتابیں پوری دیانت داری اور انہماک سے پڑھاتے، بلکہ دیگر اوقات میں بھی طلبہ کو لطف و کرم سے نوازتے، ایک دفعہ مولانا علامہ غلام رسول سعیدی (کراچی)، کو شدید کھانسی ہو گئی، کئی دن گزر گئے لیکن افاقہ نہ ہوا، اُستاذِ گرامی نے اُنہیں بڑی تاکید کے ساتھ حکم دیا کہ لاہور جا کر اپنا علاج کرائیں، صرف یہی نہیں بلکہ کرائے اور علاج کے لیے کچھ رقم خود دی اور کچھ حضرت مولانا فضل حق بندیالوی مدظلہ، سے دلوائی، علامہ سعیدی صاحب اس رویے سے بڑے متأثر ہوئے اور کہنے لگے "اتنی تاکید کے ساتھ علاج کروانے کے لیے تو شاید میری والدہ محترمہ نے بھی مجھے نہیں کہا ہوگا۔"

شانِ استغناء

طلبہ پر بے حد شفیق ہونے کے باوجود استغناء بھی درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہے، ایک دفعہ کسی کتاب کے ختم ہونے پر چھ سات بڑے بڑے طلباء نے مل کر درخواست کی کہ خیالی شروع کرا دیں، آپ نے فرمایا: "اب رسالہ قطبیہ شروع ہوگا" طلبہ نے گزارش کی کہ رسالہ قطبیہ صرف دو طالب علموں نے پڑھنا ہے باقی سب پڑھ چکے ہیں، جب کہ خیالی سب نے پڑھنی ہے، اُستاذ صاحب نے فرمایا: "جس نے پڑھنا ہے پڑھے، جو نہیں پڑھنا چاہتا نہ پڑھے۔" راقم کا خیال تھا کہ شاید طلبہ اس ذہنی دھچکے کو برداشت نہیں کر سکیں گے اور مدرسہ چھوڑ کر چلے جائیں گے، لیکن دُوسرے دن حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سب طلبہ کمالِ اشتیاق سے رسالہ قطبیہ ہی پڑھ رہے تھے، اس سے آپ کے ساتھ طلباء کی عقیدت اور وابستگی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، مولانا علامہ پیر محمد چشتی مدظلہ، (پشاور) فرمایا کرتے تھے

کہ اُستاذ صاحب اللہ الصمد کا مظہر ہیں۔

علومِ عقلیہ و نقلیہ کی تدریس

آپ موجودہ دور میں معقولات و منقولات کے یکتائے روزگار مدرس ہیں، ہر سال معقول و منقول کی انتہائی اور ادق کتابوں کا درس دیتے رہے ہیں، اگر آپ کو دنیائے تدریس کا سلطان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، آپ کی مقبولیت اور شہرت کا یہ عالم ہے کہ ملک بھر سے شائقانِ علم آپ کی بارگاہ میں کھنچے چلے آتے ہیں، اور ہر صاحبِ علم آپ کے کمالِ تدریس کا معترف اور مدّاح نظر آتا ہے۔

راقم الحروف غالباً ۱۹۶۱ء میں حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں فیصل آباد حاضر ہوا تو فرمانے لگے "کہاں پڑھتے ہو؟" عرض کیا بندیال۔ فرمایا کیا پڑھتے ہو؟ عرض کیا "شرح جامی، مختصر المعانی اور تکملہ عبد الغفور" مسکراتے ہوئے فرمانے لگے:

"بندۂ خدا منطق و معقول کے گھر میں رہ کر منطق کا کوئی سبق شروع نہیں کیا"۔

راقم کا بندیال میں یہ پہلا سال تھا، میں اس سے پہلے مختصر المعانی مختلف مقامات سے تین چار اساتذہ سے پڑھ چکا تھا، بندیال حاضر ہوا تو اُستاذِ گرامی نے فرمایا "مختصر المعانی میں شامل ہو جاؤ" عرض کیا کہ "مختصر تو میں پڑھ چکا ہوں" فرمایا "تم نے نہیں پڑھی اب پڑھو" اور واقعی چند اسباق پڑھنے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میں نے اس سے پہلے مختصر نہیں پڑھی تھی، یوں معلوم ہوتا تھا کہ علامہ تفتازانی خود مختصر پڑھا رہے ہیں اور کتاب کے ہر گوشے کو بے نقاب کئے جا رہے ہیں۔

آپ کی طبیعت پر علومِ عقلیہ کا ذوق غالب رہا، یہی وجہ ہے کہ آپ کی زیادہ تر شہرت معقولات ہی میں رہی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ معقولات کی طرح منقولات کے پڑھانے میں بھی یکتا ہیں اور جس گہرائی میں جا کر گفتگو کرتے ہیں وہ بھی آپ ہی کا حصّہ ہے، علومِ دینیہ کی تدریس سے آپ کو عشق کی حد تک لگاؤ ہے، سلف صالحین کی طرح نام و نمود سے کوئی علاقہ

نہیں رکھتے، ایک دفعہ راقم نے عرض کیا کہ آپ کوئی کتاب لکھ دیں، اِس سے خلقِ خدا کو فائدہ بھی ہو گا اور یادگار بھی باقی رہے گی" فرمانے لگے افادۂ عوام والی بات تو درست ہے، لیکن یادگار کی کیا حیثیت ہے؟ آخری جملہ کہتے ہوئے اُن کے لہجے کی تلخی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی تھی۔

اساتذہ اور علماءِ اہلِ سُنّت کا احترام

حضرت ملک المدرّسین جب بھی اپنے اساتذہ کا ذکر کرتے ہیں تو اِس میں والہانہ پن کی واضح جھلک دکھائی دیتی ہے، ایک دفعہ فرمانے لگے "آج لوگ ہمارے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ایسے ایسے ہیں، ہم نے جن اساتذہ سے پڑھا ہے اگر اُس وقت اُن کے مقابلے میں ہم جیسا مدرّس ہوتا تو ہم اُس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے۔"

حضرت علاّمہ مولانا محمد اشرف سیالوی مدظلّہ کی شادی کے موقع پر سلانوالی تشریف فرما تھے، دورانِ گفتگو علاّمہ نبہانی قدّس سرّہ کی تالیفِ لطیف جواہر البحار کا ذکر آگیا تو فرمانے لگے:

"عربی میں علاّمہ نبہانی، فارسی میں شیخ عبدالحق محدّث دہلوی اور اردو میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے، ان حضرات نے شانِ رسالت کی عظمت کو خوب خوب بیان کیا، ان کی زندگی کا مشن ہی بارگاہِ رسالت میں گلہائے عقیدت پیش کرنا تھا۔"

ماہنامہ ندائے اہلِ سنّت لاہور سے ایک انٹرویو میں فرمایا:

"بظاہر مجھے اعلیٰ حضرت سے شرفِ تلمذ نہیں مل سکا، تاہم میرے اکثر اساتذہ محدّث بریلوی کا ذکرِ خیر، حجّت کے طور پر کیا کرتے تھے اور خود مجھے کتابیں پڑھنے کا شعور آیا تو اعلیٰ حضرت کی کتابوں نے میرے مطالعہ میں وسعت پیدا کی، آپ کا علم جیسے جیسے پختہ ہوتا جائے گا اعلیٰ حضرت کی کتابیں پڑھتے جائیے آپ ان سے

عقیدت رکھنے پر مجبور ہو جائیں گے، کوئی عنوان ایسا نہیں جس پر امامِ اہلِ سنّت کے قلم نے کوئی پہلو تشنہ چھوڑا ہو، اس لیے میں اپنے اساتذہ کی طرح ہی اعلیٰ حضرتؒ کو بطورِ حجت پیش کرتا ہوں لے۔"

محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں فرمایا:

"حضرت مولانا سردار احمد قرنِ اوّل کے اسلاف کا نمونہ، محبت کا پیکر، اور عشقِ رسولؐ میں اُن کا انگ انگ گندھا ہوا تھا، وہ تمام علومِ عقلی اور نقلی کو عشقِ رسولؐ کے نمونہ میں دیکھتے تھے، انہوں نے اہلِ سُنّت کی بے پناہ فکری اور علمی خدمت کی، اعلیٰ حضرت بریلویؒ کا سچا نمونہ تھے، مجھے ان سے تعلقات پر فخر ہے ۲۔"

سیاست

حضرت ملک المدرّسین ٹھیٹھ مدرّس ہونے کے باوجود سیاست کے ساتھ بھی متعلّق رہے ہیں، وہ دل کی گہرائی سے اسلامی سیاست پر یقین رکھتے ہیں اور اُمّتِ مسلمہ کی بقا اور کامیابی کے لیے نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کو ناگزیر قرار دیتے ہیں، ۱۹۴۶ء میں بھیرہ، ضلع سرگودھا میں تشریف فرما تھے، اُن دنوں تحریکِ پاکستان عروج پر تھی، سرگودھا کے علاقے میں حضرت خواجہ محمّد قمرالدّین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ مُسلم لیگ کے صدر تھے، حضرت پیر محمّد کرم شاہ ازہری کے والدِ ماجد حضرت پیر محمّد شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ مجاہدِ کامل تھے، وہ علاقے کا بھرپور دورہ کرتے تھے جس کا پروگرام باقاعدہ چھپتا تھا، اس سال بھی انہوں نے دورہ کیا اور حضرت ملک المدرّسین کو اپنے ساتھ رکھا، چنانچہ آپ نے جگہ جگہ جا کر پاکستان کا پیغام پہنچایا اور اس شان کے ساتھ کہ طلبہ ساتھ تھے اور ان کے اسباق بھی جاری رہے۔

لے عطا محمّد چشتی گولڑوی، علامہ: ماہنامہ ندائے اہلِ سنّت، لاہور شمارہ فروری ۱۹۹۰ء

۲ے عطا محمّد چشتی گولڑوی، علامہ: ماہنامہ ندائے اہلِ سنّت لاہور، شمارہ فروری ۱۹۹۳ء

آپ کے استاذِ گرامی حضرت مولانا یار محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ اخبار نہیں پڑھتے تھے، انہوں نے حضرت علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی سے پوچھا کہ کانگریس اور یونینسٹ والے کیا چاہتے ہیں اور مسلم لیگ کیا چاہتی ہے؟ آپ نے عرض کیا کہ "مسلم لیگ صرف یہ چاہتی ہے کہ مسلمانوں کا الگ ملک ہو جس میں مسلمان آزادی سے اپنے دین پر عمل کر سکیں" باوجودیکہ بندیال کا طبقۂ امراء خضر حیات ٹوانہ کا حامی تھا لیکن حضرت علامہ مولانا یار محمد بندیالوی مسلم لیگ کی حمایت میں سینہ سپر ہو گئے اور بندیال کے ملک صاحبان کی ہزار منت سماجت کے باوجود مسلم لیگ کی حمایت سے دستبردار نہ ہوئے۔[1]

۱۹۷۶ء سنی کانفرنس ملتان کے موقع پر جمعیت العلماء پاکستان میں شامل ہوئے، ایک عرصہ سے جمعیت کے نائب صدر ہیں اور نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ اور مقامِ مصطفےٰ کے تحفظ سے بڑی گہری وابستگی رکھتے ہیں۔

تلامذہ استاذ الاساتذہ ملک المدرسین حضرت مولٰنا علامہ حافظ عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ کے شاگردوں کی فہرست تو بہت طویل ہے اس لیے اِس مختصر تحریر میں اُن کا احاطہ مشکل ہے بہرحال درجِ ذیل سطور میں معروف تلامذہ کے اسماءِ گرامی پیش کیے جاتے ہیں۔ مولٰنا علامہ علی احمد سندیلوی نے مبسوط فہرست مرتب کی ہے۔ یہاں مختصراً چند تلامذہ کے اسماء درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت استاذ الاساتذہ مولانا علامہ غلام رسول رضوی، شیخ الحدیث والتفسیر (صاحبِ تفہیم البخاری)

۲۔ حضرت علامہ مولانا سید محمود احمد رضوی (صاحبِ فیوض الباری شرح بخاری) امیرِ انجمن حزب الاحناف لاہور

۳۔ حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحق بندیالوی مدظلہ مہتمم جامعہ مظہریہ امدادیہ (بندیال شریف)

۴۔ حضرت پیرِ طریقت مولانا علامہ محمد اشرف قادری مدظلہ (کھریپڑ شریف)، پتوکی

۵۔ حضرت علامہ مولانا اللہ بخش رح واں بھچراں ضلع میانوالی

---

[1] عطا محمد چشتی گولڑوی، علامہ: ندائے اہلِ سنت لاہور، شمارہ فروری ۱۹۹۳ء

۶۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی مدظلہ دارالعلوم ضیاء قمرالاسلام سیال شریف

۷۔ حضرت علامہ مولانا غلام رسول سعیدی، شارحِ مسلم شریف، دارالعلوم نعیمیہ، کراچی

۸۔ حضرت خواجہ حمید الدین سیالوی مدظلہ سجادہ نشینِ آستانۂ عالیہ سیال شریف

۹۔ حضرت پیر سید شاہ عبدالحق گولڑوی مدظلہ زیب آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف

۱۰۔ حضرت علامہ مولانا چراغ دین مدظلہ، بگی ڈل، تحصیل جڑانوالہ

۱۱۔ حضرت علامہ مولانا علی محمد رحمہ اللہ (برادرِ خورد استاذ الاساتذہ)

۱۲۔ حضرت علامہ مولانا پیر محمد چشتی، مہتمم دارالعلوم معینیہ غوثیہ پشاور

۱۳۔ حضرت علامہ مولانا محمد فضلِ حق بندیالوی مدظلہ (بندیال شریف)

۱۴۔ حضرت علامہ مولانا فضلِ سبحان قادری مہتمم دارالعلوم قادریہ بغدادہ مردان

۱۵۔ حضرت علامہ مولانا مقصود احمد قادری خطیب حضرت داتا گنج بخش لاہور

۱۶۔ حضرت پیرِ طریقت سید غلام حبیب شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ وڑچھہ شریف ضلع خوشاب

۱۷۔ حضرت علامہ مولانا غلام محمد چشتی صدر مدرس دارالعلوم خیرالمعاد ملتان

۱۸۔ حضرت علامہ مولانا نورِ سلطان قادری مہتمم جامعہ انوارِ باہو بھکر

۱۹۔ حضرت علامہ صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

۲۰۔ علامہ مولانا محمد زبیر نقشبندی مہتمم رکن الاسلام حیدرآباد

۲۱۔ حضرت علامہ مولانا جمال الدین شاہ کاظمی مہتمم قمرالعلوم فریدیہ کراچی

۲۲۔ مولانا علامہ صاحبزادہ محمد سردار احمد مہتمم جامعہ الحبیب، حبیب آباد پتوکی

۲۳۔ مولانا علامہ صاحبزادہ محمد مظہر الحق بندیالوی ناظم دارالعلوم جامعہ مظہریہ امدادیہ بندیال

۲۴۔ مولانا علامہ صاحبزادہ محمد ظفر الحق بندیالوی لیکچرار گورنمنٹ کالج جوہر آباد

۲۵۔ مولانا علامہ قاضی محمد مظفر اقبال رضوی ابنِ مولانا مفتی غلام جان ہزاروی، سابق مدرس جامعہ نعمانیہ لاہور

۲۶۔ مجاہدِ کبیر مولانا علامہ محمد نذیر نقشبندی آزاد کشمیر

۲۷۔ مولانا علامہ محمد رشید نقشبندی مدرّس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

۲۸۔ مولانا علامہ گل احمد عتیقی شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ فاروق آباد

۲۹۔ مولانا علامہ عطا محمد متین شادیہ ضلع میانوالی

۳۰۔ مولانا علامہ محمد اسماعیل حسنی مہتمم جامعہ حسنیہ شاہ والا ضلع خوشاب

۳۱۔ مولانا علامہ عبدالرحمٰن حسنی مدرّس جامعہ حسنیہ شاہ والا ضلع خوشاب

۳۲۔ مولانا علامہ فتح محمد باروزئی سبی بلوچستان

۳۳۔ مولانا علامہ محمد نذیر مدرّس مدرسہ غوثیہ ہدایت القرآن ممتاز آباد ملتان

۳۴۔ مولانا علامہ مفتی محمد یار، مہتمم جامعہ حنفیہ غوثیہ ضیاء العلوم کھچی والا فورٹ عباس

۳۵۔ مولانا علامہ غلام محمد نقشبندی مدرّس جامعہ نعیمیہ لاہور

۳۶۔ مولانا علامہ محمد اجمل رحمہ اللہ تعالیٰ سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

۳۷۔ مولانا علامہ محمد نواز الحسنی لیکچرار اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

۳۸۔ مولانا علامہ عبدالرشید قمر لیکچرار گورنمنٹ کالج فیصل آباد

۳۹۔ مولانا قاری محمد بشیر نسیم مدرّس درس وڈّے میاں لاہور

۴۰۔ مولانا حافظ محمد حسین پدھراڑوی گولڑوی ناظم اعلیٰ احیاء العلوم خطیب جامع مسجد تاج لاہور

۴۱۔ مولانا علامہ حافظ عبدالغفور پدھراڑوی خطیب جامع مسجد حنفیہ چوہان روڈ لاہور

۴۲۔ مولانا علامہ مفتی محمد شفیع الہاشمی، ساکن ڈنڈی شریف میانوالی، حال مقیم لندن مہتمم قادریہ مرکز جامع مسجد نیلسن۔ نیز چیئرمین عالمی شرعی بورڈ۔ یُوکے

۴۳۔ مولانا علامہ محمد عبداللہ باروی منظفر گڑھ

۴۴۔ مولانا علامہ حافظ مفتی محمد یونس چکوالوی مدرّس خدام الصوفیہ گجرات (ساکن موضع لوہارہ مضافاتِ چکوال)

۴۵۔ مولانا علامہ شیخ احمد سیالوی چینیوٹ

۴۶۔ مولانا علامہ محمد یوسف شاہ مدرس شمس العلوم کراچی

۴۷۔ مولانا علامہ محمد اشرف نقشبندی مہتمم جامعہ عثمانیہ داروغہ والا لاہور

۴۸۔ مولانا علامہ عطا محمد قادری حاصل پور

۴۹۔ مولانا علامہ محمد رفیق چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ مؤلف فیضِ عطا شرح کریما گوجرخان

۵۰۔ مولانا علامہ غلام نبی نقشبندی مہتمم دارالعلوم عطائیہ رضویہ نقشبندیہ گگھڑ

۵۱۔ مولانا علامہ محمد یعقوب ہزاروی مدرس جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی

۵۲۔ مولانا علامہ محمد عبدالرشید قریشی مدرس جامعہ رضویہ ضیاء العلوم راولپنڈی

۵۳۔ مولانا علامہ محمد اقبال مصطفوی خطیب جامع مسجد نور شاہ ولی فیصل آباد

۵۴۔ مولانا علامہ عطا محمد کنڈی خطیب خوشاب

۵۵۔ مولانا علامہ محمود حسین شائق خطیب منگلا

۵۶۔ مولانا علامہ کمال الدین آزاد کشمیر

۵۷۔ مولانا شاہ نواز مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور

۵۸۔ مولانا علامہ علی احمد سندیلی مدرس جامعہ جامعہ عتیقیہ لاہور

۵۹ مولانا علامہ محمد اسلم جھنگ

۶۰۔ مولانا علامہ قاری جان محمد کراچی

۶۱۔ مولانا علامہ سعید احمد اوکاڑہ چھاؤنی

۶۲۔ مولانا علامہ محمد حنیف خطیب جامع مسجد بغدادی قائد آباد

۶۳۔ مولانا علامہ شاہ محمد خطیب مدینہ کالونی والٹن لاہور

۶۴۔ مولانا محمد رشید پدھراڑوی مدرس جامعہ غوثیہ سرگودھا

۶۵۔ مولانا علامہ میاں اکبر علی بالا ضلع میانوالی

۶۶۔ مولانا علامہ حبیب امجد مدرّس جامعہ امینیہ رضویہ فیصل آباد

۶۷۔ مولانا علامہ محمد اکرم جھنگوی کراچی

۶۸۔ مولانا علامہ امام الدین خطیب جامع مسجد شیخانوالی فاروق آباد

۶۹۔ مولانا علامہ مفتی نواب الدین رحمہ اللہ تعالیٰ مدرّس جامعہ رضویہ فیصل آباد

۷۰۔ مولانا علامہ محمد صابر الامینی خطیب کامونکی

۷۱۔ مولانا علامہ محمد شہباز خان رحمہ اللہ تعالیٰ شاہوالہ خوشاب

۷۲۔ مولانا منظور احمد خطیب حافظ آباد

۷۳۔ مولانا علامہ صاحبزادہ معظم سلطان دربارِ عالیہ سلطان باہو جھنگ

۷۴۔ مولانا علامہ عبدالواحد شادیہ ضلع میانوالی

۷۵۔ مولانا نذر حسین (آج کل خدمت کے ساتھ استفادہ بھی کر رہے ہیں)

۷۶۔ مولانا علامہ سید سکندر شاہ مدرّس جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف

۷۷۔ مولانا علامہ مفتی محمد رفیق حسنی مہتمم جامعہ اسلامیہ گلزارِ حبیب کراچی

۷۸۔ مولانا علامہ شاہ حسین گردیزی مہتمم دارالعلوم مہریہ گلشنِ اقبال کراچی

۷۹۔ مولانا علامہ عبدالمالک مہتمم جامعہ اکبریہ میانوالی

۸۰۔ مولانا محمد مرتضیٰ جامعہ عثمانیہ فاروق آباد

۸۱۔ راقم الحروف محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی وغیرھم

علامہ شبیر احمد ہاشمی نے حضرت ملک المدرسین سے انٹرویو کرتے ہوئے سوال کیا کہ "آپ کے تلامذہ کی تعداد اِس وقت تقریباً کتنی ہوگی؟" تو آپ نے فرمایا: "مَیں تقریباً پچاس سال سے تدریس کر رہا ہوں، یوں تو بھیڑ کی بھیڑ ہے، مگر مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ مَیں نے پچاس سال میں پچاس مدرّسین ضرور تیار کئے ہیں، جن میں مولانا اللہ بخش مرحوم (واں بھچراں) شیخ الحدیث مولانا غلام رسول، علامہ غلام رسول سعیدی، مولانا محمد اشرف سیالوی، مولانا محمد رشید کشمیری،

مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری وغیرہ شامل ہیں[۱]۔"

تصانیف

چونکہ حضرت ملک المدرسین نے اپنی تمام توجہ اور توانائی علوم دینیہ کی تدریس پر صرف کی ہے۔ اِس لیے تصنیف کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکے، تاہم درجِ ذیل تصانیف آپ کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہیں۔

۱۔ رؤیتِ ہلال کی شرعی تحقیق (دوسو صفحات سے زائد)

۲۔ قوالی کی شرعی حیثیت

۳۔ عقیدۂ اہلِ سُنّت، سُنّی کے جنازہ میں شیعہ شریک نہیں ہو سکتے۔

۴۔ اسلام میں عورت کی حکمرانی

۵۔ مغربی جمہوری پارلیمانی نظام اور اسلام (مقالہ)

۶۔ دیت المرأۃ، عورت کی دیت مرد سے نصف ہے۔

۷۔ کونسا حکمران اسلامی نظام نافذ کر سکتا ہے؟

۸۔ امامتِ کبرٰی اور اِس کی شرائط

۹۔ درسِ نظامی کی ضرورت اور اہمیت (مقالہ)

۱۰۔ صرفِ عطائی، فارسی منظوم

۱۱۔ سَیفُ العطا علی اعناقِ مَنْ طَغٰی وَ اَعْرَضَ عَنْ دِیْنِ المصطفٰی (زیرِ نظر کتاب نکاحِ سیّد یا غیر سیّد کے سلسلے میں حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ کے مشہور فتوٰی کی تشریح، اور شریعت میں اِس نکاح کے حکم کا بیان۔ یقیناً آپ کی یہ کتاب ایک لافانی، مدلّل، حق گوئی اور غیر متزلزل حقائق و شواہد پر مبنی ایک علمی شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ جس میں آپ نے اپنے پیر و مرشد پر لگائے جانے والے الزامات کا دندان شکن جواب دیا ہے)

۱۲۔ سفرنامۂ بغداد

---

[۱] عطا محمد چشتی گولڑوی، علامہ: ماہنامہ ندائے اہلِ سُنّت (فروری ۱۹۹۰ء) ص ۷

اربابِ علم کے تأثرات

اِس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت محدّثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے راقم کو فرمایا :

"بندۂ خدا! منطق و معقول کے گھر میں رہ کر منطق کا کوئی سبق شروع نہیں کیا۔"

ایک دفعہ مولانا علامہ شاہ محمد عارف اللہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ داں بھچراں ایک جلسہ میں تشریف لائے اور دورانِ گفتگو فرمایا :

"بندیال میں علم پڑھایا نہیں جاتا، بلکہ پلایا جاتا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ملک المدرّسین کی نگاہِ عنایت طلباء کے علمی اشتیاق کو آشنائے جنوں کر دیتی ہے۔

حضرت علامہ غلام مہر علی گولڑوی مدظلّہ (چشتیاں شریف) فرماتے ہیں :

"العلّامۃ الجلیل النبیل، رئیس المناطقۃ، رأس الفلاسفۃ بدر الاساتذۃ، صدر الجھابذۃ العلّامۃ الحافظ عطا محمد البندیالوی[1]"

حکیم الامّت حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ میو ہسپتال میں زیرِ علاج تھے، ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو راقم مولانا قاضی عبدالنبی کوکب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ عیادت کے لیے حاضر ہوا اور کچھ رسائل بھی پیش کیے، بعد ازاں قاضی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ حاضر ہوئے تو ان کے درمیان درجِ ذیل گفتگو ہوئی۔

آج شام جب دوبارہ حاضرِ خدمت ہوا تو فرمانے لگے "مولانا عبدالحکیم ماشاء اللہ فاضل آدمی معلوم ہوتے ہیں، رسائل خوب لکھے ہیں، میں نے ایک نظر ان پر ڈالی ہے"۔

---

[1] غلام مہر علی، علامہ : الیواقیت المہریہ (مکتبۂ مہریہ چشتیاں شریف) ص ۱۰۰

عرض کیا گیا : یہ مولانا عبدالحکیم حضرت مولانا علاّمہ عطا محمد بندیالوی صاحب کے تلامذہ میں سے ہیں' فرمایا : اچھا' یہی باعث ہے' میں نے ان کے اکثر شاگرد قابل ہی دیکھے ہیں۔

اس کے بعد دیر تک حضرت علاّمہ بندیالوی کا تذکرہ فرماتے رہے، ان کے کمال کے علاوہ ان کی خوش خلقی اور حسنِ تواضع کی بھی تعریف فرمائی۔

اس سلسلے میں واں بھچراں کے ایک جلسے کا حال سنایا اِس جلسے میں تقریر کے لیے میں بھی مدعو تھا' سٹیج پر عظیم اور جید علمار موجود تھے اور علاّمہ بندیالوی بھی تشریف فرما تھے' جب یہ بات شروع ہوئی کہ جلسے کی صدارت کون کرے؟ تو علاّمہ بندیالوی بولے "مفتی صاحب کے ہوتے ہوئے اور کون صدر ہو سکتا ہے" بہرحال مجھے تقریر کے لیے بہ اصرار کرسی پر بٹھایا اور خود دیگر علماء سمیت کرسیاں چھوڑ کر نیچے بیٹھ گئے' مجھے اِس صورتِ حال کو قبول کرنے پر مجبور کردیا گیا اور میں دل ہی دل میں اِس متواضعانہ اخلاق پر متعجب اور اپنے پہ نادم ہوتا رہا،

اِس کے بعد مفتی صاحب نے زور دے کر ارشاد فرمایا "دیکھو بھائی! میری ایک بات لکھ لو' جہاں کمال ہوگا وہاں تواضع ہوگی اور جہاں کمال نہیں ہوگا وہاں تکبّر ہوگا۔[1]"

مولانا قاضی عبدالنبی کوکب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

"اُستاذ العلماء، ملک المدرّسین حضرت علاّمہ عطا محمد صاحب اس وقت ہمارے حلقۂ علمائے اہلِ سنّت میں متقدّمین اساتذۂ معقول و منقول کی وراثتِ علیہ کے وارث و امین ہیں ...... حضرت علاّمہ نے اس دَور میں جس

---

[1] عبدالنبی کوکب، علاّمہ : حیاتِ سالک (رضا اکیڈمی، لاہور) ص ۲۹ - ۱۲۶

محنت اور ذوق سے تدریس کا کام کیا ہے اس کی مثال بمشکل ملتی ہے ان کی نسبتِ تلمذ نہایت فیض بخش ہے، اور ان کے اکثر تلامذہ چوٹی کے فضلاء اور بہترین مدرّس ثابت ہوئے ہیں ..... راقم الحروف دو تین بار حضرت علاّمہ بندیالوی کی ملاقات سے مشرّف ہو چکا ہے، غایت لطف و شفقت فرماتے ہیں[1]

مولانا علاّمہ شبیّر احمد ہاشمی رقمطراز ہیں :

"مولانا بندیالوی طلباء کے لیے مرجعِ خاص ہیں، جہاں ہوں طلباء کی فوجِ ظفر موج اِن کے گرد و پیش ہوتی ہے، تقریباً پچاس سال سے تدریس فرما رہے ہیں، مگر طلباء میں روزِ اوّل سے ایک محبوب اُستاد کا درجہ رکھتے ہیں[2]

حضرت صاحبزادہ سیّد نصیر الدّین نصیؔر گیلانی (گولڑہ شریف) لکھتے ہیں :

"مولانا متبحّر عالمِ دین، علمائے سلف کی یادگار اور علمِ منطق میں خصوصی شہرت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ استاذ العلماء کے لقب سے بھی یاد کیے جاتے ہیں، موصوف کی علمیّت کا اندازہ اِس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مشہور مفسّرِ قرآن علاّمہ جسٹس پیر محمد کرم شاہ بھیروی الازہری اور مولانا سیّد محمود احمد رضوی جیسے متعدد علمائے وقت آپ کے زمرۂ تلامذہ میں شامل ہیں۔

اِس غیر معمولی تبحّرِ علمی کے باوصف مولانا بندیالوی نہایت سادہ لباس زیبِ تن کرتے ہیں، ظاہر بین نگاہیں اُن کی سادگی دیکھ کر یہ محسوس نہیں کر سکتیں کہ کوئی عام آدمی یا علاّمۂ دوراں یا استاذ المناطقہ جا رہا ہے ..... عمِ محترم سیّد شاہ عبد الحق صاحب مدظلّہ نے بھی حضرت مولانا سے چند کتابیں پڑھیں،

---

[1] عبد النبی کوکب، علاّمہ : فٹ نوٹ ص ۲۸ - ۱۲۷

[2] شبیّر احمد ہاشمی، علاّمہ : ماہنامہ ندائے اہلِ سنّت، لاہور شمارہ فروری ۱۹۹۰ء ص ۶

اِس کے علاوہ علمی رشتے کے اعتبار سے مولانا بندیالوی راقم الحروف کے چچا اُستاد بھی ہیں[1]"

مولانا شاہ حسین گردیزی (کراچی) لکھتے ہیں :

"اِس وقت پاکستان بھر میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تدریس میں آپ کا کوئی مثیل و نظیر نہیں ہے۔ خیر آباد کی جانشینی کا ادعاء آپ ہی کو زیب دیتا ہے، لاریب علم کے اِس دورِ انحطاط میں آپ کا وجودِ مسعود خیر آباد کا روشن چراغ ہے، گزشتہ مدرّسین کی وسعتِ علم کی نشانی اور عظمتِ کردار کی علامت ہیں، اِس دَور میں جس طرح آپ نے نئی نسل کو انتقالِ علم کیا اس میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں۔"

اِس وقت ستّر برس کی عمر ہے مگر صحت جوانوں کی سی ہے، چہرہ پر زینتِ علم کی گُل کاریاں موجود ہیں، ویسے بھی خداوندِ جمیل نے آپ کو صورتِ جمیل عطا فرمائی ہے، کُرتا تہبند، عمامہ یا ٹوپی زیبِ تن فرماتے ہیں اور سیاہ خضاب استعمال کرتے ہیں، خوش خلق، خوش مزاج اور خندہ رُو ہیں، تاہم کبھی کبھی غصّہ و غضب کی شعلہ نوائیوں میں چنگاریاں بھی اُڑاتے ہیں، درشتی و نرمی کا امتزاج رکھتے ہیں[2]"

ساداتِ کرام کی ذمّہ داریاں

امام علامّہ ابنِ حجر مکّی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الصواعق المحرقہ میں اہلِ بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل و مناقب احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں شرح و بسط سے بیان کئے ہیں، علامّہ یُوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے الشّرف المؤبّد لآلِ محمّد میں اِس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے

[1] نصیر الدین نصیر، علامّہ سیّد : نام و نسب (گیلانی پبلشرز، گولڑہ شریف) ص ۶۵-۳۶۴

[2] شاہ حسین گردیزی، مولانا : تجلیاتِ مہر انور (مکتبۂ مہریہ، گولڑہ شریف) ص ۴۳-۵۰

راقم نے اِس کتاب کا ترجمہ برکاتِ آلِ رسُول کے نام سے کیا ہے جو مارکیٹ میں دستیاب ہے، اِس کے علاوہ کئی حضرات نے اِس موضوع پر مُستقل کتابیں لکھی ہیں، جنہیں پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

علامہ ابنِ حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چند اُمور وہ ہیں جن کی رعایت ہر شخص کے لیے ضروری ہے، خاص طور پر اہلِ بیت کے لیے تو بہت ہی ضروری ہے۔

۱۔ علومِ شرعیہ کا حاصل کرنا، کیونکہ علم کے بغیر محض نسب کا کوئی فائدہ نہیں ہے، علومِ شرعیہ اُن کے آداب، علماء اور متعلمین کے آداب حاصل کرنے کی تاکید کے دلائل ائمہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

۲۔ علومِ دینیہ حاصل کیے بغیر آباء و اجداد پر فخر نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ بے شک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔ امام ابنِ جریر وغیرہ راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے حسب ونسب کے بارے میں نہیں بلکہ صرف تمہارے اعمال کے بارے میں پُوچھے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔

۳۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم (بشمولِ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ قادری) کا احترام کرنا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ کے مطابق تمام اُمتوں سے افضل ہیں، اور بہ اتفاقِ محدثین صحیح حدیث: خَیۡرُ الۡقُرُوۡنِ قَرۡنِیۡ کے مطابق وہ اس اُمت کے افضل ترین افراد ہیں۔

اس کتاب (الصواعق المحرقہ) کے پہلے مقدمہ میں ہم وہ احادیث بیان کر چکے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ صحابۂ کرام اصحابِ فضل و کمال ہیں، ان کی محبت واجب ہے، ان کے کمال کا عقیدہ رکھنا اور انہیں نقائص اور جہالتوں سے منزہ ماننا ضروری ہے،

تم پر لازم ہے کہ اس امت کے سوادِ اعظم، اہلِ سنّت و جماعت ہی کے ساتھ رہو، تم اہلِ بدعت و ہوا اور گمراہوں کے ساتھ ہرگز نہ رہنا، ورنہ تمہیں نسب کچھ فائدہ نہ دے گا اور ہو سکتا ہے کہ تم سے اسلام ہی سلب کر لیا جائے اور تم ابوجہل اور ابولہب کے زُمرے میں شامل ہو جاؤ۔

۴۔ امامِ عالی مقام امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اِس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُن کا درجہ بہت ہی بلند ہے، اِس عظیم شہادت کا تذکرہ کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع میں کوشش کرے۔ روافض کی بدعتوں رونے پیٹنے، نوحہ زنی، اور غم و حزن میں نہ ڈوب جائے، کیونکہ یہ مومنوں کے اخلاق میں سے نہیں ہے، ورنہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کا دن ان اُمور کے زیادہ لائق ہوتا، اِسی طرح اہلِ بیتِ کرام کے خلاف تعصب رکھنے والے ناصبیوں کی طرح اِس موقع پر خوشی اور مسرّت، اور زیب و زینت کا اظہار بھی ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔

۵۔ ہر شخص کو (نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے) اِس نسب شریف کے لیے غیرت اور حفاظت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے تاکہ کوئی شخص ناجائز طور پہ آپ کی طرف اپنی نسبی نسبت نہ کر سکے[1] (ملخصاً)

ساداتِ کرام کا عظیم ترین شرف یہ ہے کہ انہیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد ہونے کی سعادت حاصل ہے، اِس شرف کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ علومِ دینیہ تقویٰ و طہارت، اعمالِ صالحہ اور احوالِ باطنہ میں سب لوگوں سے آگے ہوتے، جب کہ آج حالت یہ ہے کہ اِس طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے اور ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ وہ سادات ہیں چاہے جو کچھ بھی کرتے رہیں اور باقی

---

[1] احمد ابنِ حجر مکی، امام: الصواعق المحرقہ (مکتبۃ القاہرۃ، مصر) ص ۸۵-۱۸۱

لوگ اُمّتی ہیں، حالانکہ ساداتِ کرام سمیت تمام مسلمان نبیِ اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے اُمّتی ہیں۔

دوسری بات بعض علماء نے ان کے ذہنوں میں یہ راسخ کر رکھی ہے کہ سیّد زادی کا نکاح کسی بھی غیر سیّد مرد کے ساتھ یہاں تک کہ کسی قریشی، ہاشمی مرد کے ساتھ بھی جائز نہیں اگرچہ لڑکی بھی راضی ہو اور اُس کے قریبی رشتہ دار بھی راضی ہوں، اگر ایسا نکاح ہو گیا تو میاں بیوی کی مباشرت زنا قرار پائے گی، انا للہ و انا الیہ راجعون۔ غور فرمائیں آج تک لاکھوں کروڑوں سیّد زادیوں کے نکاح اُن کے قریبی رشتہ داروں کی اجازت اور رضا سے غیر سیّد مردوں سے ہو چکے ہیں اور وہ ازدواجی زندگی بسر کر چکی ہیں اور کر رہی ہیں، یہ علماء ایمان کو حاضر کر کے اور خاندانِ نبوّت کی عظمت کو پیشِ نظر رکھ کر بتائیں کہ کیا آپ کا یہ شدید ترین فتوای جسے دہراتے ہوئے بھی قلم کانپ کانپ جاتا ہے اُن سیّد زادیوں کی تعظیم ہے یا توہین؟

حضرت اعلیٰ سیّدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے پرپوتے اور حضرت بابوجیؒ کے پوتے، فاضلِ جلیل، بقولِ حافظ مظہر الدینؒ "رومیؒ و جامیؒ کی صدائے بازگشت"، صاحبزادہ نصیر الدین نصیر گیلانی نے اپنی تصنیف نام و نسب (شائع شدہ ۱۹۸۹ء) میں اس مسئلے پر بڑے معقول اور مدلل انداز میں روشنی ڈالی ہے، تفصیل تو اس کتاب ہی میں دیکھی جا سکتی ہے، سطورِ ذیل میں اس کے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

> "مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں اگر دیکھا جائے، تو غیر کفو میں سیّدہ کے نکاح کر لینے کی صورت بھی وہی بنتی ہے، جو غیر سیّدہ کے لیے ہے، مثلاً یہ کہ اگر کوئی سیّد خاندان کی لڑکی اپنے ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر، غیر کفو میں شادی کر لیتی ہے تو اس کا نکاح منعقد نہ ہو گا، اور اگر سیّدہ بالغہ غیر کفو میں شادی کرنے پر رضامند نہیں، مگر ولی اس کی مرضی کے بغیر غیر کفو میں

شادی کر دیتا ہے تو از روئے شریعتِ محمدی ایسا نکاح بھی درست نہ ہوگا، کیونکہ لڑکی عاقلہ بالغہ ہے، اسے خود بھی اپنی زندگی کے بارے میں سوچنے کی کھلی اجازت ہے ..... اور اگر سیّدہ اور اس کا ولی غیر کفو میں شادی ہو جانے پر رضامند ہیں تو وہ نکاح درست اور نسب ثابت ہوگا۔ بہرحال یہ جو بعض سادات سمجھتے ہیں کہ اُن کی کسی عزیزہ یا بیٹی کا نکاح غیر کفو میں ہو ہی نہیں سکتا، یا از رُوئے قرآن وحدیث ناجائز ہے تو یہ محض اُن کی خوش فہمی ہے، ہمیں کوئی ایسی نصِ قطعی نہیں ملتی، جس سے سادات کے اِس عقیدہ کو درست ثابت کیا جا سکے[1]"

"اِس سلسلے میں مانعین، فتاوٰی مہریہ (ص ۱۳۵ - ۱۳۲) سے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ کا ایک فتوٰی پیش کرتے ہیں جس کا زیرِ بحث مسئلہ سے تعلق ہی نہیں ہے کیونکہ گفتگو تو اِس صورت میں ہے کہ اگر رشتہ داروں کی رضا اور اجازت سے سیّدزادی کا نکاح غیر سیّد سے کر دیا گیا تو یہ نکاح صحیح اور لازم ہوگا یا نہیں؟ جب کہ فتاوٰی مہریہ میں جس سوال کا جواب ہے اُس میں تصریح ہے کہ ایک شخص نے سیّدہ سے ایسی حالت میں نکاح کیا کہ اُس کے کسی قریب یا بعید ولی سے رضا اور اجازت طلب نہیں کی گئی، اِس سے بڑا مغلطہ مبحث کیا ہو سکتا ہے؟ کہ ایک صورت کا حکم دوسری صورت پر چسپاں کر دیا جائے۔"

صاحبزادہ صاحب استفتاء کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر یہ سوال کیا جاتا کہ ایک سیّدہ اپنی اور اپنے ولیوں کی رضامندی سے کسی غیر کفو میں نکاح کرے ــــ تو آیا ایسا نکاح شرعِ محمدی کی رُو سے جائز ہوگا؟ اگر اِس کے جواب میں حضرت قبلۂ عالم قدس سرہٗ یہ جواب فرماتے کہ سیّدہ اور اُس کے اولیاء کی رضامندی کے باوصف بھی سیّدہ کا نکاح غیر کفو

---

[1] نصیر الدین نصیر گیلانی، علامہ: نام ونسب ص ۸۵ - ۸۴

میں نہیں ہوسکتا تو پھر بات صاف تھی، مگر آپ نے ایسے نکاح کو ناجائز قرار دیا جس میں منکوحہ کے قریب اور بعید کے ولی بالکل رضامند نہیں، اور اغوا کی ایسی صورت میں تو کسی بھی عورت کا نکاح چاہے وہ اعلیٰ خاندان کی ہو یا ادنیٰ کی، از رُوئے شرع شریف منعقد نہیں ہوگا، صورتِ مذکورہ صرف سادات ہی کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ قیامت تک آنے والی ہر عورت کے لیے ہے، بشرطیکہ وہ مومنہ ہو[1]"

کچھ عرصہ تو اس کتاب کی طرف کسی کی توجہ نہ گئی، مگر جونہی اِس کے مندرجات سے آگاہی ہوئی، تو ایک خاص فکر رکھنے والے علماء میں ہیجان پیدا ہوگیا، صاحبزادہ صاحب کے خلاف محاذ بنالیا گیا، اُن کی کتاب کی تقسیم بند کرادی گئی اور کئی طرح سے اُن پر دباؤ ڈالا گیا کہ اپنی اِس تحقیق سے رجوع کریں، لیکن صاحبزادہ صاحب نے یہ موقف محض سُنی سنائی، واعظانہ باتوں یا جذباتی تخیلات کی بناء پر نہیں، بلکہ پُورے عالمانہ اور دیانتدارانہ غور و خوض اور تحقیق کے بعد اختیار کیا تھا، اِس لیے وہ اپنے موقف پر بدستور قائم ہیں اور اُن کی پیشکش ہے کہ "اگر کسی عالمِ دین کو میرے موقف سے اختلاف ہو تو براہِ راست گفت گو کر کے مجھے قائل کرے۔"

حقیقت یہ ہے کہ عہدِ حاضر میں صاحبزادہ نصیرؔ صاحب گولڑوی کی استقامت نے قرونِ اُولیٰ کے متدین اور متصلّب علماءِ کرام کی یاد تازہ کردی، اِس عالمگیر قسم کی مخالفت، متعصّبانہ برتاؤ، سوشل بائیکاٹ، اپنوں اور بیگانوں کے طعن و تشنیع اور طرح طرح کی دل آزاریوں اور پھر ایک مُہیب دباؤ کو صرف شریعت کی بالادستی ثابت کرنے کے لیے اِس خندہ پیشانی کے ساتھ قبول اور برداشت کرنا بالخصوص شاہانہ ماحول میں پروان چڑھنے والے ایک صاحبزادہ کے لیے ناممکن سی بات لگتی ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

---

[1] نصیر الدین نصیر گیلانی، علامہ: نام و نسب ۹۰-۸۹

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کسی بھی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے کتاب و سُنّت اور فقہائے اُمّت کی تحقیقات کی طرف رجُوع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ محض زورِ بیان و قوّتِ قلم یا جذباتی گفتگو سے تو علمی اور دینی تحقیق کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا، پھر مسائلِ دینیہ میں تو افہام و تفہیم کی ضرورت ہوتی ہے، کسی پر خواہ مخواہ اپنا موقف ٹھونسنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی اور نہ کوئی شخص کسی شرعی مسئلہ کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لینے کا شرعاً مجاز ہے؛ جو شخص حق کے واضح ہو جانے پر بھی ہتھیار نہیں ڈالتا تو پھر وہ براہِ راست شریعت سے ٹکرلے رہا ہے اور شریعت سے ٹکرّ لینے کا انجام کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ۔

اِسی دوران فقیہ العصر استاذ الاساتذہ ملک المدرّسین حضرت علاّمہ مولانا حافظ عطا محمّد چشتی گولڑوی مدّظلہ العالی کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کی گئی اور آپ کو فتاوٰی مہریہ کا حوالہ دیا گیا، جس کا اِس سے پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ اُستاذ العلماء نے فرمایا: "مَیں نے ابھی اِس پر غور نہیں کیا"۔ اِس کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ اُن کے سامنے فتاوٰی مہریہ پیش کیا جاتا اور اُن کی رائے معلوم کی جاتی، لیکن بجائے اِس کے گولڑہ شریف کے عرس کے موقع پر لاکھوں کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے ایک واعظ نے استاذ الاساتذہ پر تندو تیز تنقید کی، ٹھوس دلائل کے بجائے محض سینے اور گلے کے زور پر اپنے موقف کی حقّانیت ثابت کرنے کی کوشش کی ۔ میری طرح نہ جانے کتنے لوگ سوچ رہے ہوں گے کہ اِس طرزِ عمل کا کیا جواز تھا؟ جس کے ساتھ اختلاف تھا، وہ کوئی غیر تو نہ تھا۔ کون نہیں جانتا کہ استاذ العلماء مدّظلہ العالی مرشدِ کامل حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی قدّس سرّہٗ کے مخلص ترین مرید، حضرت خواجہ پیر سیّد غلام محی الدّین گولڑوی (بابُوجی) کے با اعتماد مُرید اور وہ محسنِ اہلِ سُنّت ہیں، جنہوں نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک علومِ دینیہ کی مسندِ تدریس کو زینت بخشی اور سیکڑوں مدرّسین تیار کیے ۔ حضرت شیخ القرآن علاّمہ عبد الغفور ہزاروی جن کا احترام کرتے تھے اور بھرے اجتماع میں اِن کی تدریسی قابلیت اور خدمات کا اعتراف کیا کرتے تھے ۔ کیا پوری قوم کے اِس محسن کے ساتھ

یہی رویہ روا رکھنا چاہیئے تھا؟ کیا دین، طریقت اور تصوّف کی یہی تعلیم ہے؟ کیا مشائخِ کرام کا یہی طریقہ تھا؟ یا ہونا چاہیئے؟ کیا دلوں کی تسخیر کے سلسلے میں مشائخِ خانقاہ، اخلاقِ عالیہ کا یہی انداز ورثے میں چھوڑ کر گئے ہیں؟ یا پھر دَورِ حاضر کے راہنماؤں نے اپنے جلیل القدر اسلاف کی تعلیمات اور اُن کے حق پسندانہ چلن کو خیر باد کہہ دیا ہے اور اُس کی جگہ کوئی نیا طریقۂ تسخیر ایجاد کر لیا ہے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا — دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

تُرا کے میسّر شود ایں مقام — کہ با دوستانت خلافست وجنگ

ترجمۂ اشعار! مَیں نے سُنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں نے کبھی اپنے دشمنوں کا دل بھی تنگ اور آزردہ نہیں کیا۔ اے مخاطب! بھلا تجھے یہ مقامِ ولایت کیسے مل سکتا ہے کہ تُو نے دوستوں اور اپنوں کے ساتھ مخالفت کا محاذ کھول رکھا ہے۔

اِسی پر اکتفاء نہیں کیا گیا، بلکہ اِس موضوع پر کئی رسائل لکھوا کر شائع کیے جا چکے ہیں، اِس کے باوجود اطمینان ہے کہ حاصل نہیں ہو رہا۔ کاش کہ یہ حضرات اِس مسئلہ کو پبلک کے سامنے لانے سے پہلے پیر صاحب گولڑہ شریف کی موجودگی میں مل بیٹھ کر تبادلۂ خیال کر لیتے اور کسی متفقہ فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کرتے، اب ایک آخری صورت یہ ہے کہ اِس مسئلہ کو وفاقی شرعی عدالت کے سامنے پیش کر دیا جائے اور فریقین اپنے اپنے دلائل پیش کریں اور فیصلہ حاصل کر لیں، اِس طرح عوام میں پائے جانے والے اِس غیر معمولی اضطراب کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا، انشاء اللہ العزیز۔

یہ وہ پس منظر ہے، جس کی بناء پر حضرت اُستاذ العلماء مدّظلّہ العالی کو اِس مسئلہ پر قلم اُٹھانا پڑا اور اُنہوں نے غیر جانب دارانہ طور پر تحقیق کا حق ادا کر دکھایا۔ اگر اِس مسئلہ کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کیا جائے تو قارئین کو اِس مسئلہ میں کوئی اُلجھن نہیں رہے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

خلاصہ بحث

تفصیل تو آپ استاذِ گرامی کی اِس تقریباً تین سو صفحات پر محیط کتاب میں بچشمِ خود ملاحظہ فرمائیں گے یہاں درجِ ذیل سطور میں اِس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

لُغت میں کفاءۃ کا معنیٰ برابری ہے، جب کہ فقہی طور پر مرد کا درجِ ذیل اُمور میں عورت کے برابر ہونا مُراد ہے۔

۱۔ اِسلام

۲۔ آزادی

۳۔ تقوٰی

۴۔ نسب

۵۔ مال

۶۔ پیشہ

عورت اور اُس کے رشتہ داروں کے لیے یہ بات باعثِ عار ہے کہ وہ اِن اُمور میں کم تر مرد کی بیوی بنے۔

لزومِ نکاح کے لیے مرد کا نسبی طور پر عورت کے لیے کفو (برابر) اور ہمسر ہونا شرط ہے یا نہیں؟ امام مالک، امام سُفیان ثوریؒ اور احناف کے ائمہ میں امام ابو الحسن کرخیؒ اور امام ابو بکر جصاصؒ کے نزدیک شرط نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کفو ہونے کا اعتبار کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب آپس میں کفو ہیں، دوسرے قریشی اُن کے کفو نہیں حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بنو ہاشم اگرچہ تمام قریش سے افضل ہیں، تاہم قریش کے تمام قبائل و بطون آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک دیگر اُمور کے علاوہ نسب میں بھی مرد کو عورت کا کفو ہونا چاہیئے، لیکن یہ عورت اور رشتہ داروں کا حق ہے، وہی اگر اپنے حق کو ساقط کر دیں تو کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

گولڑہ شریف کے عرس پر یہ اعلان کیا گیا کہ سیدزادی کا کفو صرف سید ہی ہو سکتا ہے۔ اُن کے نزدیک قریشی، ہاشمی بھی سیدہ کا کفو نہیں ہے، جب تک کہ وُہ سید نہ ہو اور یہ کہ ایسا نکاح سیدہ کے ساتھ حرام ہے اگرچہ سیدہ بھی راضی ہو اور اُس کے رشتہ دار بھی رضامند ہوں۔ یہ فتوای نہ صرف ائمۂ احناف کے خلاف ہے، بلکہ امام مالک اور امام شافعی کے بھی خلاف ہے۔ اِس متشددانہ فتوای کا نتیجہ ہے کہ بعض امیر کبیر سادات اپنی بیٹیوں کا نکاح اپنے رشتہ داروں میں اس لیے نہیں کرتے کہ وہ غریب ہیں اور غیر سادات میں اِس لیے نہیں کرتے کہ اُدھر حرام کا فتوای موجُود ہے، نتیجہ یہ کہ اِن صاحبزادیوں کو مجبُوراً تجرّد کی زندگی گزارنا پڑتی ہے، اس کا وبال کس کے سر ہوگا؟

آخر میں پورے خلوص اور دردِ دل کے ساتھ علمائے کرام حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ اپنی تمام علمی، فکری اور رمالی توانائیاں صرف اِسی مسئلہ پر صرف نہ کر دیں۔ دُنیا اکیسویں عیسوی صدی میں داخل ہو رہی ہے، ہر قوم اِس سوچ بچار میں مصروف ہے کہ ہمیں اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کر کے کس طرح پُروقار انداز سے نئی صدی میں داخل ہونا چاہیئے۔ اہلِ سُنّت و جماعت کو ملکی، ملی اور بین الاقوامی سطح پر اَن گنت مسائل درپیش ہیں۔ کچھ اُن کی بھی فکر کیجئے، ورنہ

ع ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

۹ر رجب ۱۴۱۴ھ
۲۳ر دسمبر ۱۹۹۳ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی
لاہور

سببِ تالیف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لاھلہٖ والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ اھلھماط

امّا بعد جمیع اہلِ اسلام پر عموماً اور علماءِ اہلِ سُنّت پر خصوصاً واضح ہو کہ ۱۹۹۲ء گولڑہ شریف میں تقریبِ عُرسِ حضرت غوثِ اعظم رحمہ اللہ پر ایک نام نہاد مُفتی، واعظ اور .... نے برسرِ منبر یہ دعوٰی کیا کہ غیر سیّد ہاشمی ہو یا قریشی، سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہیں ہے، اس لیے اِن دو کے درمیان نکاح جائز اور منعقد ہی نہیں ہوتا؛ خواہ یہ نکاح سیّدہ کے ولیِ اقرب کی اجازت و رضامندی سے ہو یا بغیر رضامندی ولی۔ لہٰذا سیّدہ کے غیر سیّد سے نکاح کی صورت میں تعلّقاتِ زوجیت زنا کے زُمرہ میں داخل ہوں گے۔ (العیاذ باللہ)

قارئین! یہ نظریہ شریعتِ محمّدیہ کے ساتھ تو ایک بھونڈا مذاق ہے ہی، لیکن ستم بالائے ستم یہ کہ اِس من گھڑت نظریہ کو مفتیِ مذکور نے مجدّدِ ملّت حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدّس سرّہٗ العزیز سے منسوب کر دیا۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ اِس واعظ کو اتنے بڑے بہتان و اتّہام کی جسارت کیسے ہوئی؟ اِس شرمناک گستاخی کے بعد حضور علیہ الرّحمہ کی ذاتِ والا سے عقیدت اور نسبتِ نیازمندی کا دعوٰی کُھلی منافقت ہے۔ ان حالات کے بعد ضروری ہو گیا کہ اِس اہم مسئلہ کی صحیح شرعی حیثیت واضح کی جائے اور سرکار گولڑوی کے دامنِ اطہر

سے اتّہام کے اِس ناپاک داغ کو دھویا جائے۔

چنانچہ آئندہ صفحات میں یہ فقیر عطا محمد چشتی گولڑوی عفی عنہٗ انشاءاللہ العزیز شارع علیہ السّلام کے قول و فعل، تعاملِ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور آئمۂ کرام کے ارشادات کی روشنی میں قوی دلائل اور مُستند حوالوں سے ثابت کرے گا کہ کفو کے بارے میں مفتیٔ مذکور کا نظریہ اُس کا اختراعی مذہب ہے اور حضور گولڑوی قدس سرہ العزیز پر صریح بہتان اور الزام ہے۔

کفو کا لُغوی اور اصطلاحی معنیٰ

قارئین! بحث کے چند اجزا ہیں۔ جزءِ اوّل میں کفو کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ بیان کیا جائے گا، اور یہ کہ کفاءت عورتِ منکوحہ کا حق ہے یا کہ عورت کے اولیاء کا اور نیز یہ کہ کفاءت صرف نکاح کنندہ مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورتِ منکوحہ کی کفو ہو یا کہ عورت کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ مرد کی کفو ہو۔ شامیؒ میں ہے: قال القهستاني: الكفاءة لُغةً المساواة و شرعاً مساواة الرّجل للمرأة في الامور الآتية۔[1]

خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ کفو کا لُغوی معنیٰ مساوات اور برابری ہے اور شرعی معنیٰ یہ ہے کہ مرد عورت کے برابر ہو۔ آنے والے اُمور میں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ مرد کے لیے ضروری ہے کہ شرافت میں عورت کے برابر ہو یا زیادہ اور عورت سے شرافت میں کم نہ ہو۔ مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک عورت شرافت میں مرد کے برابر بھی ہو سکتی ہے اور کم بھی۔ البتہ شرافت میں عورت، مرد سے زیادہ نہیں ہو سکتی؛ اسلئے کہ اگر عورت شرافت میں مرد سے زیادہ ہے۔ تو پھر مرد شرافت میں عورت سے کم ہوگا اور اس صورت میں مرد عورت کے برابر نہ ہوا؛ حالانکہ کفو کی شرعی تعریف میں بیان ہوا کہ شرافت میں مرد عورت کے برابر ہو۔

---

[1] شامی جلد دوم ص ۴۳۶

کفو کی شرعی تعریف میں اُمورِ آتیہ سے کیا مراد ہے

اب یہ جاننا ضروری ہے کہ کفو کی شرعی تعریف میں جو اُمورِ آتیہ کا ذکر ہے، اِن اُمور سے کیا مراد ہے۔ چنانچہ اس سے چھ اُمور مراد لئے گئے ہیں۔ اوّل نسب، دوم حُرّیّت، سوم اسلام، چہارم دیانت یعنی تقویٰ، پنجم مال اور ششم حرفت۔ تو کفو کی شرعی تعریف کا خلاصہ یہ ہوا کہ مرد عورت کے نسب میں برابر ہو اور حُرّیّت، اسلام، تقویٰ، مال اور حرفت میں برابر ہو کم نہ ہو۔

کفو عورت کا حق ہے یا اُس کے اولیاء کا

اب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کفو عورت کا حق ہے یا عورت کے اولیاء کا۔ تنویر الابصار میں ہے کہ کفاءت عورت کا حق نہیں؛ بلکہ عورت کے ولی کا حق ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:
والکفاءۃ ھی حق الولیّ لا حقّھا۔ یعنی کفاءت ولی کا حق ہے نہ کہ عورت کا اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ اگر عورت نے غیر کفو میں نکاح کیا تو اِس میں عورت کے اولیاء کی بے عزّتی ہے، لہٰذا اولیاء کو فسخ کا حق حاصل ہے، تاکہ اپنی بے عزّتی کی تلافی کر سکیں۔ بخلاف عورت کے، چونکہ عورت نے اپنی رضامندی سے نکاح غیر کفو میں کیا ہے اِس سے معلوم ہوا کہ عورت اِس کو اپنی بے عزّتی نہیں سمجھتی؛ ورنہ ایسا نہ کرتی۔ ثابت ہوا کہ کفو اولیاء کا حق ہے اور حق رکھنے والا اپنے حق کو ساقط کر سکتا ہے۔ لہٰذا اگر عورت کے اولیاء اپنا حق ساقط کر کے عورت کو غیر کفو میں نکاح کی اجازت دے دیں تو یہ نکاح لازم ہو گا اور قاضی اِس نکاح کو فسخ نہیں کر سکتا۔

کیا کفو کا اعتبار صرف مرد کی طرف سے ہوتا ہے یا عورت کی طرف سے بھی؟

واضح ہو کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفو کا اعتبار صرف مرد کی طرف سے ہے، عورت کی طرف سے نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے: الکفاءۃ معتبرۃ من جانبہٖ لا تعتبر من جانبھا۔ دُرِّ مختار میں ہے۔ ای الرّجل لانّ الشّریفۃ تأبیٰ ان تکون فراشاً للدّنیّ و لذا تعتبر من جانبھا لانّ الزّوج مستفرشٌ فلا یغیظہٗ دناءۃ الفراش۔ شامی میں ہے: ای یعتبر ان یکون الرّجل مکافیھا لھا فی الاوصاف الآتیۃ بان لا یکون دونھا فیھا ولا تعتبر فی جانبھا بان تکون مکافئۃ لہٗ فیھا بل یجوز ان تکون دونہ فیھا۔ خلاصہ عبارت یہ ہے کہ اُن چھ اُمور کا ذکر ہو چکا جو کفو میں معتبر ہیں۔ اُن چھ میں تماثل اور مساوات مرد کی طرف سے معتبر ہے نہ کہ عورت کی طرف سے جس کا مطلب یہ ہے کہ مرد کے لیے ضروری ہے کہ اِن چھ اُمور میں عورت سے کم نہ ہو۔ مثلاً مرد نسب کے لحاظ سے عورت سے کم نہ ہو۔ اِس لیے کہ اگر وہ کم ہوا تو عورت شریفہ ہوگی اور مرد گھٹیا اور شریفہ کا کم مرتبہ مرد کی منکوحہ ہونا شرم کی بات ہے۔ بخلاف عورت کے کہ وہ اِن اُمور میں مرد سے کم ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر عورت نسب میں مرد سے کم ہے تو نکاح جائز ہے، کیونکہ اِس صورت میں مرد شریف، اور عورت گھٹیا ہوگی اور مردِ شریف گھٹیا فرش پہ سو سکتا ہے۔ یہ جو ذکر کیا گیا کہ کفو کا اعتبار صرف مرد کی طرف سے ہے اور عورت کی طرف سے کفو اور تماثل کا اعتبار نہیں ہے یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔

کفو کے بارے میں امامِ اعظم اور صاحبین کا مذہب

خلاصہ یہ کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ مرد مثلاً نسب کے لحاظ سے

عورت سے کم نہ ہو، جبکہ عورت نسب کے لحاظ سے مرد سے کم ہوسکتی ہے۔ اب صاحبینؒ کا مذہب ملاحظہ ہو۔ دُرِّ مختار میں ہے: فی الظّھیریّۃ و غیرھا و ھٰذا عندہ وعندھما معتبر فی جانبھا ایضاً۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ کفو صرف مرد کی جانب سے ہے، عورت کی جانب سے کفو کا کوئی اعتبار نہیں۔ یعنی مرد مثلاً نسب کے لحاظ سے عورت سے کم نہیں ہوسکتا۔ البتّہ عورت نسب کے لحاظ سے کم ہوسکتی ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے اور صاحبین کے نزدیک جیسے مرد کی جانب سے کفو کا اعتبار ہے اُسی طرح عورت کی جانب سے بھی کفو کا اعتبار ہے۔ یعنی جیسا مرد نسب کے لحاظ سے عورت سے کم نہیں ہوسکتا اِسی طرح عورت بھی بہ لحاظِ نسب مرد سے کم نہیں ہو سکتی اور اگر مرد نسب کے لحاظ سے عورت سے کم ہے تو جیسا یہ نکاح غیر کفو میں ہوگا اُسی طرح اگر عورت نسب کے لحاظ سے مرد سے کم ہے تو یہ نکاح بھی غیر کفو میں ہوگا۔ مثلاً اگر مرد سیّد ہے اور عورت غیر سیّدہ تو امام ابو یوسف اور امام محمد رحمھما اللّٰہ تعالٰی کے نزدیک اِن میں نکاح غیر کفو میں ہے؛ اِس لیے اِس نکاح کا بھی وہی حکم ہوگا جو حکم غیر کفو میں نکاح کا ہے۔ بحر الرّائق اور اِس کے حاشیہ میں ہے: و من الغریب ما فی الظّھیریّۃ و الکفاءۃ فی النّساء للرّجال غیر معتبرۃ عند ابی حنیفۃ خلافاً لھما و ذکرہ فی المحیط وعزاہ الی الجامع الصغیر قال فی النّھر و فی البدائع بعد ان ذکر اعتبارھا فی جانب الرّجال خاصۃ و من مشا ئخنا من قال انّھا معتبرۃ فی جانب النّساء عندھما ایضاً۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ کتاب ظہیریّہ میں ایک غریب مسئلہ ذکر کیا گیا ہے، وہ یہ کہ کفو عورتوں کی جانب سے مُعتبر نہیں ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے اور اس مسئلہ میں صاحبینؒ نے ابو حنیفہؒ سے اختلاف کیا ہے، اُن کے نزدیک کفو عورتوں کی جانب سے بھی مُعتبر ہے؛ یعنی جیسا مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ نسب میں عورت کی مثل ہو،

اِسی طرح عورت کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ نسب میں مرد کی مثل ہو اور اِس مسئلہ کو صاحبِ محیط نے محیط میں ذکر کیا اور اِس کو جامعِ صغیر کی طرف منسوب کیا اور کتاب نہر والے نے کہا کہ صاحبِ بدائع نے پہلے تو یہ ذکر کیا کہ کفو کا اعتبار صرف مُردوں کی جانب سے ہے نہ کہ عورتوں کی جانب سے؛ اِس کے بعد صاحبِ بدائع نے کہا کہ ہمارے مشائخ نے کہا کہ صاحبینؒ کے نزدیک عورت کی طرف سے بھی کفو کا اعتبار ہے۔ یعنی صاحبینؒ کے نزدیک جیسے مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ مثلاً نسب کے لحاظ سے عورت سے کم نہ ہو؛ اگر مرد نسب کے لحاظ سے کم ہوا تو یہ مرد عورت کی کفو نہیں ہے اور اُس مرد کا نکاح مذکورہ عورت کے ساتھ غیر کفو میں ہے۔ اِسی طرح عورت کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ نسب کے لحاظ سے مرد سے کمتر نہ ہو؛ اگر ایسا ہے تو یہ عورت بھی مرد کی کفو نہیں ہے اور اُس کا نکاح غیر کفو میں ہے۔ اِس بدحواس مُفتی کا دعوٰی یہ ہے کہ غیر کفو میں نکاح جائز ہی نہیں ہے، خواہ ولی راضی ہو یا نہ ہو۔ اِس لیے تعلقاتِ زوجیت زنا ہے اور نیز مفتی کا دعوٰی یہ ہے کہ سیدہ فاطمیہ کی کفو غیر سیّد نہیں ہے خواہ غیر سیّد ہاشمی ہی کیوں نہ ہو۔

واعظِ مذکور سے چند چُبھتے سوالات

اِس واعظ و مفتیٔ ناداں سے یہ تلخ سوال ہے کہ بہت سے سیّد مَردوں کے نکاح میں غیر سیّدہ بلکہ غیر ہاشمیہ، غیر قریشیہ اور غیر عربیہ عورتیں ہیں؛ تو صاحبینؒ کے نزدیک یہ نکاح غیر کفو میں ہیں اور ناجائز ہیں؛ خواہ ولی کی رضامندی سے ہوئے یا بغیر رضامندی کے۔ تو غور کیجئے کہ مفتی کے موقف کو درست تسلیم کرنے سے کس قدر سنگین نتائج لازم آئیں گے؛ جن کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ مفتی سے یہ سوال اُس کے اِس غلط دعوٰی کی بنا پر ہو گا کہ غیر کفو میں نکاح ولی کی رضامندی سے بھی جائز نہیں۔ بندہ پر یہ اعتراض نہیں ہو گا اِس لیے کہ اہلِ حق کا مذہب یہ ہے کہ ولی کی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح جائز اور لازم ہے۔ چونکہ صاحبینؒ

کے مذہب کے مطابق یہ نکاح جائز ہے لہٰذا کوئی قباحت لازم نہیں آئے گی؛ کیونکہ حسن رجالِ سادات کے نکاح غیر سیّدہ کے ساتھ اُوپر مذکور ہوئے وہ اولیاء کی پیشگی اجازت سے ہیں۔ نیز مفتی کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ سیّدہ کی کفو غیر سیّد ہاشمی بھی نہیں ہے۔ احناف کا مذہب تو یہ ہے کہ تمام قریش ایک دوسرے کی کفو ہیں؛ اگرچہ ان میں تفاضل ہے۔ ہاشمی قریش، غیر ہاشمی قریش سے افضل ہیں؛ لیکن یہ تفاضل کفو میں مُخل اور مانع نہیں ہے۔ مُفتی مذکور کو غلط فہمی اِسی وجہ سے ہوئی کہ اُس کے نزدیک سیّد غیر سیّد سے افضل اور بزرگ ہے۔ لہٰذا غیر سیّد مرد سیّدہ کی کفو نہیں، خواہ وہ ہاشمی ہی کیوں نہ ہو۔ چونکہ مُفتی کو مستند کُتبِ مذہب سے واقفیت نہیں اور نہ اُس نے مذہبی نصاب کسی ماہر اُستاد سے پڑھا ہے اور نہ ہی وہ کتبِ فقہ کی سند کا حامل ہے، اِس لیے بے سند مُفتی ہے اِسے دین اور مسائلِ دین کی کیا خبر۔ کیونکہ بغیر سند و اسنادِ دین حاصل کرنا ایسا ہی ہے، جیسے بغیر سیڑھی کے مکان کی چھت پر چڑھنا یا بغیر اسلحہ کے دُشمن سے لڑنا۔

حضرت گولڑویؒ کے فتوٰی کی غلط تعبیر

قبل ازیں صاحبینؒ کے مذہب کے مطابق مُفتی سے جو سوال کیا گیا اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ فتاوٰی مہریہ میں یہ سوال کیا گیا تھا کہ ایک شخص محمدّ خان نے سیّدہ فاطمیہ کے ساتھ نکاح کیا۔ کیا یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز؟ تو اعلیٰ حضرت گولڑوی قدس سرّہ العزیز نے جواب دیا کہ یہ نکاح ناجائز ہے اِس لیے کہ محمدّ خان سیّدہ کی کفو نہیں اور عدمِ کفو کی دلیل یہ ہے کہ عجمی مرد عربی عورت کی کفو نہیں اور غیر کفو میں بغیر اجازتِ ولی نکاح ناجائز ہے۔ سوال میں یہ مذکور ہے کہ محمدّ خان کا سیّدہ کے ساتھ نکاح بغیر رضامندیٔ اولیاء ہوا۔ خلاصہ یہ کہ فتاوٰی مہریہ میں سوال عجمی مرد کا سیّدہ کے ساتھ جوازِ نکاح اور عدمِ جواز کا ہے، جبکہ یہ نکاح بغیر رضامندیٔ اولیاء کے ہے۔ جواب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ محمدّ خان عجمی ہے اور عجمی عربیہ کی کفو نہیں اور غیر کفو میں نکاح بغیر رضامندیٔ اولیاء جائز نہیں۔ فتاوٰی مہریہ

میں مذکور جواب سے کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا۔ جواب بالکل درست ہے؛ لیکن اِس سے یہ مطلب اخذ کرنا کہ غیر سیّد خواہ ہاشمی ہو، سیّدہ کی کفو نہیں تو یہ مفتی کی خالص جہالت اور اعلیٰ حضرتؒ پر بہتان ہے۔ جواب سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عجمی مرد عربیہ عورت کی کفو نہیں۔ نیز اِس جواب کا یہ مطلب لینا بھی پرلے درجے کی حماقت ہے کہ غیر کفو میں نکاح ناجائز ہے، خواہ ولیِّ اقرب بھی راضی ہو۔ جواب سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ غیر کفو میں نکاح بغیر رضامندیٔ ولیِّ اقرب ناجائز ہے۔

مُفتی سے دوسرا سوال یہ ہے کہ اُس کے دعویٰ کے مطابق غیر سیّد ہاشمی ہونے کے باوجود سیّدہ کی کفو نہیں اور اِن کے درمیان نکاح ناجائز ہے، خواہ نکاح اولیاء کی رضامندی سے ہوا ہو یا بغیر رضامندی کے۔ مگر صاحبینؒ کے نزدیک چونکہ کفو عورت کی طرف سے بھی مُعتبر ہے تو لازم آئے گا کہ غیر سیّدہ سیّد مرد کی بھی کفو نہیں اور اگر غیر سیّدہ کا نکاح سیّد مرد سے ہوگیا تو یہ نکاح غیر کفو میں ہوگا اور مُفتی مذکور کے نزدیک غیر کفو میں نکاح ناجائز ہے اور بمنزلہ زنا کے ہے، خواہ نکاح اولیاء کی رضامندی سے ہو یا بغیر رضامندی کے۔ تو صاحبینؒ کے مذہب کے مطابق جن سیّد مَردوں کے نکاح غیر سیّد عورتوں کے ساتھ ہیں مُفتی کے دعویٰ کے مطابق یہ غیر کفو میں ہونے کے سبب ناجائز اور باطل ٹھہرے۔ بندہ پر یہ اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ تمام قریش ایک دوسرے کی کفو ہیں اور غیر کفو میں نکاح بہ اجازت و رضامندیٔ اولیاء جائز و نافذ ہے، تو سیّد مَردوں کے جن غیر سیّد عورتوں کے ساتھ نکاح ہیں تو یہ عورتیں اگر قرشیہ ہیں تو بندہ کے نزدیک سیّد مَردوں کی کفو ہیں اور اگر وہ عورتیں قرشیہ نہیں ہیں تو بے شک صاحبینؒ کے مطابق سیّد مَردوں کی کفو نہیں ہیں، لیکن نکاح چونکہ برضاءِ اولیاء ہوا ہے اِس لیے جائز ہے۔ مُفتی یہ جواب نہیں دے سکتا جیسا کہ پہلے اِس کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ اگر مُفتی یہ جواب دے کہ میں امام ابو حنیفہؒ کا مذہب لیتا ہوں اور اُن کے نزدیک کفو صرف مرد کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ عورت کی طرف سے تو یہ جواب درست نہیں؛ اِس لیے کہ

صاحبین بھی احناف کے امام ہیں اور اُن کا قول بھی ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔ لہٰذا احتیاط اِسی میں ہے کہ عمل میں صاحبین کا خلاف نہ ہو، لہٰذا سیّد مرد کا نکاح غیر سیّدہ کے ساتھ خلافِ احتیاط ہے۔

مُفتی کا دعوٰی ائمہؒ اربعہ میں سے کسی کے بھی موافق نہیں

اب بحث کی جزءِ دوم ملاحظہ ہو: کفو کے مسئلہ میں یہاں ائمہؒ اربعہ کا موقف بیان کیا جارہا ہے اور انشاء اللہ اِس جُزء کے اختتام پر یہ ثابت کیا جائے گا کہ بزعمِ خود مُفتی کا دعوٰی ائمہؒ اربعہ میں سے کسی کے بھی موافق نہیں ہے۔ پہلے امام مالک اور چند ائمہؒ احناف کا کفو کے متعلّق موقف بیان کیا جاتا ہے۔ فتح القدیر میں ہے: و فی اعتبار الکفائۃ خلاف مالکؒ والثّوریؒ والکرخیؒ من مشائخنا لما روی عنه صلّی اللّٰہ علیه وآله وسلّم۔ النّاس سواسیة کأسنان المشط لا فضل لعربی علی عجمی انّما الفضل بالتّقوٰی۔ دُرِّ مُختار اور شامی میں ہے: وتعتبر الکفائۃ للزوم النکاح نسباً خلاف لما لك فی اعتبار الکفائۃ خلاف مالك والثّوری والکرخی من مشائخنا کذا فی فتح القدیر فکان الاولٰی ذکر الکرخی و فی حاشیة الدّرر ان الامام ابا الحسن الکرخی والامام ابابکر الجصّاص وهما من کبار علماء العراق و من تبعهما من علماءِ العراق لم یعتبروا الکفائۃ فی النکاح ولو لم یثبت عندهم هٰذه الرّوایة عن ابی حنیفةؒ لما اختاروها۔ مبسوطِ امام سرخسی میں ہے: ان الکفائۃ فی النکاح معتبرۃ من حیث النّسب الا علٰی قول سفیان الثّوری رحمه اللّٰہ تعالٰی فانهٗ کان یقول لا معتبر فی الکفاءۃ من حیث النّسب وحجّتهٗ فی ذٰلك قوله صلّی اللّٰہ علیه وآله وسلّم

ان النّاس سواسیة کأسنان المشط لا فضل لعربی علیٰ عجمی انّما الفضل بالتقوٰی و ھٰذا الحدیث یؤیّدہٗ قولہ تعالیٰ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ فھٰذہ الآثار تدل علی المساواۃ وان التفاضل بالعمل ومن ابطاء بہٖ عملہ لا یسرع بہ نسبہ و یحکی عن الکرخی رحمہ اللہ تعالیٰ انہ کان یقول الاصحّ عندی ان لا تعتبر الکفائۃ فی النکاح اصلاً۔ خلاصہ اِس طویل عربی عبارت کا یہ ہے کہ حضرت امام مالک اور امام سفیان ثوری اور امام ابوالحسن کرخی اور امام ابوبکر جصّاص کے نزدیک نکاح میں نسب کے لحاظ سے کفو کا اعتبار ہی نہیں۔ ان چار ائمّہ سے امام کرخی اور ابوبکر جصّاص رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں حنفی ہیں اور احناف کے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔

وہ ائمّہ جن کے نزدیک نکاح میں نسب کے لحاظ سے کفو غیر مُعتبر ہے۔

اِن چار اماموں کے نزدیک چونکہ نکاح میں نسب کے لحاظ سے کفو کا اعتبار نہیں اور ہر مرد مسلمان خواہ وہ کسی بھی نسب کا ہو، سیّد ہو یا غیر سیّد ہر مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ خواہ وہ عورت سیّدہ ہو یا غیر سیّدہ۔ اِسی طرح ہر مُسلمان عورت خواہ سیّدہ ہو یا غیر سیّدہ ہر مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ خواہ مرد سیّد ہو یا غیر سیّد۔ خلاصہ یہ کہ اِن چار ائمّہ کے نزدیک ایک عجمی موچی اور جولاہا بھی سیّدہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے اور یہ نکاح جائز ہے۔ اِن چار ائمّہ کی دلیلِ اوّل یہ حدیث شریف ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تمام لوگ باہم نسب کے لحاظ سے اِس طرح برابر ہیں جیسا کنگھی کے دندانے باہم برابر ہوتے ہیں، کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں۔ ہر عربی خواہ کسی نسب کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔ ہر عجمی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ اِسی طرح ہر عجمی مرد اور عورت ہر عربی کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں۔ تو ظاہر ہوا کہ اِن چار اماموں

کے نزدیک ایک عجمی مسلمان موچی عربی سیّدہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے اور یہ نکاح صحیح ہے۔ جس کو قاضی بھی فسخ نہیں کر سکتا۔ اِن ائمّہ کی دلیلِ دوم قرآنِ کریم کی یہ آیت ہے۔

قولہ تعالیٰ: اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ ط یعنی تم میں سے اللہ کے نزدیک بڑی عزّت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متّقی اور پرہیز گار ہے۔ یعنی فضیلت کا مدار تقویٰ پر ہے، نہ کہ نسب پر۔ علاّمہ شامیؒ نے کہا کہ امام ابوالحسن کرخی اور امام ابوبکر جصّاص رحمہا اللہ تعالیٰ نے جو نکاح میں کفو کا اعتبار نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے کہ نکاح میں کفو کا اعتبار نہیں، کیونکہ اگر امام ابوحنیفہؒ کا یہ مذہب نہ ہوتا تو یہ دونوں امام اِس مذہب کو اختیار نہ کرتے۔

اب اِن چار اماموں رحمہم اللہ تعالیٰ کی دلیلِ سوم ملاحظہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے:

من ابطأ بہٖ عملہ لم یسرع بہٖ نسبہ۔ یعنی جس آدمی کو اُس کے بُرے عمل نے پیچھے دھکیل دیا، شرافتِ نسبی اُس کو دوڑا نہیں سکتی۔ اِن تینوں دلیلوں سے ثابت ہوا کہ نکاح کے معاملہ میں سب مسلمان برابر ہیں۔ نسبی اُونچ نیچ کا اعتبار نہیں، فضیلت تقویٰ سے ہے، نہ کہ نسب سے۔ قارئین! یہاں تک کفو کے لحاظ سے امام مالک، امام ثوری، امام ابوالحسن کرخی اور امام ابوبکر جصّاص رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ذکر کیا گیا کہ اِن چار ائمّہ کے نزدیک نکاح میں کفوِ نسبی کا اعتبار نہیں اور ہر مرد خواہ سیّد ہو یا غیر سیّد ہر عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے خواہ وہ عورت سیّدہ ہو یا غیر سیّدہ اور یہ نکاح درست اور جائز ہے۔ مگر مُفتیِ مذکور کا تو یہ دعویٰ ہے کہ غیر سیّد ہاشمی بھی سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہیں اور اِن کے درمیان نکاح کالعدم ہے اور اگر ان کے درمیان نکاح ہوا تو یہ صُحبتِ زنا ہے۔

مُفتی کا اختراعی مذہب

قارئین! ثابت ہوا کہ مندرجہ بالا ائمّہ کے مطابق یہ نکاح درست اور جائز ہے

اور مُفتی کا اختراعی مذہب اِن ائمّہ کے مذہب کے خلاف ہے۔ اب کفو کے متعلق مذہبِ دوم ملاحظہ ہو۔ جو جمہور مشائخ حنفیہ کا ہے۔ اِن میں امام ابوالحسن کرخی، امام ابوبکر جصاص رحمہما اللہ تعالیٰ داخل نہیں ہیں۔ اِن جمہور احناف کے نزدیک نکاح میں کفو کا اعتبار ہے۔ اِنہوں نے امام مالک اور امام سفیان ثوری کے دلائل کا پہلے جواب دیا اور اِس کے بعد اپنے دلائل دیئے۔ ملاحظہ ہو۔ فتح القدیر میں امام مالک کے دلائل ذکر کرنے کے بعد یہ جواب دیا۔ قلنا ما رویناہ یوجب حمل ما رووہ علیٰ حال الآخرۃ۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ جمہور احناف نے جو دلائل ذکر کئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک نے جو دلائل ذکر کئے ہیں کہ فضیلت اچھے اعمال اور تقوای سے ہے تو یہ فضیلت آخرت اور قیامت میں ہے اور نکاح میں جو کفو کا اعتبار نسبی ہے یہ دنیوی حکم ہے۔ لہٰذا دنیوی حکم کو اُخروی حکم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کتاب مبسوطِ سرخسی میں بھی امام مالک کے دلائل کا یہی جواب دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ والمراد من الآثار التی رواھا فی احکام الآخرۃ و بہ نقول ان التفاضل فی الآخرۃ بالتقوای۔ خلاصہ عبارت یہ ہے کہ جو احادیث امام مالک نے روایت کی ہیں۔ وہ احکامِ آخرت اور قیامت کے متعلق ہیں اور ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آخرت میں تفاضل تقوای کے ساتھ ہے اور نکاح میں کفوِ نسبی کا اعتبار احکامِ دُنیوی سے ہے اور دنیوی احکام کو احکامِ اُخروی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

جمہور احناف کے دلائل

قارئین! اب جمہور احناف کے دلائل ملاحظہ ہوں کہ نکاح میں کفوِ نسبی کا اعتبار ہے۔

شامی میں ہے و ذھب جمہور مشائخنا الیٰ انّھا معتبرۃ فیہ۔ مبسوطِ امام سرخسی میں اِس پر چند دلائل ذکر کئے گئے۔ دلیلِ اوّل: و حجّتنا فی ذالک قولہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم۔ قریش بعضھم اکفاء لبعض بطن ببطن والعرب بعضھم

اکفاء لبعض قبیلة بقبیلة والموالی بعضھم اکفاء لبعض رجل برجل۔ خلاصہ عبارت یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ قریش ایک دوسرے کی کفو ہیں۔ ایک بطن، دوسرے بطن کی کفو ہے اور جو عرب قریش نہیں ہیں وہ بھی ایک دوسرے کی کفو ہیں۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کی کفو ہے اور موالی یعنی عجمی بھی ایک دوسرے کی کفو ہیں۔ ایک مرد دوسرے مرد کی کفو ہے۔ اب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ قوم قریش کا ہر فرد دوسرے کی کفو ہے اور ہر مرد قریشی ہر عورت قرشیہ کی کفو ہے اور ان کے درمیان نکاح جائز ہے اور صحیح ہے۔ اب ساداتِ فاطمیہ اور غیر سیّد ہاشمی یہ سب قریش ہیں للذا ہر مرد غیر سیّد قریشی ساداتِ فاطمیہ کی کفو ہے اور اِن کے درمیان نکاح جائز ہے۔ اگر عورت سیّدہ، عاقلہ، بالغہ ہے تو یہ نکاح لازم ہے سیّدہ کا ولی بھی اُس کو فسخ نہیں کرواسکتا۔ اور یہی حنفی مذہب ہے اور حدیثِ مذکورہ بالا جمہور احناف کی دلیل ہے اور تقریباً تمام حنفی مذہب کی کتابوں میں حدیثِ مذکورہ بالا سے استدلال کیا گیا ہے۔ اب چند مُستند حنفی مذہب کی کتابوں کے حوالے ملاحظہ ہوں۔ ہدایہ اور اِس کے متن میں ہے اور ہر دو مُستند ہیں: ثم الکفائة تعتبر فی النّسب لانه یقع به التّفاخر فقریش بعضھم اکفاء لبعض والاصل فیه قوله علیه الصّلوٰة والسّلام: قریش بعضھم اکفاء لبعض بطن ببطن والعرب بعضھم اکفاء لبعض قبیله بقبیلة والموالی بعضھم اکفاء لبعض رجل برجل ولا یعتبر التّفاضل فیھا بین قریشٍ لما روینا۔

ہدایہ اور اِس کے متن کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ کفو کا اعتبار بہت سی چیزوں میں ہے۔ اُن میں سے ایک نسب ہے۔ اس لیے کہ نسب پر آدمی فخر کرتا ہے پس قریش باہم کفو ہیں اور ہر قریشی مرد قرشیہ عورت کی کفو ہے اور اِن کے درمیان نکاح جائز اور لازم ہے اگر عورت عاقلہ بالغہ ہے۔ اِس مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

کا فرمان ہے کہ قریش اِن کا بعض دوسرے بعض کی کفو ہے۔ ہر بطن دوسرے بطن کی کفو ہے اور عرب جو کہ قریش نہیں، یہ بھی ایک دوسرے کی کفو ہیں۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کی کفو ہے اور عجمی بھی بعض دوسرے بعض کی کفوٴ ہے۔ ہر مرد دوسرے مرد کی کفوٴ ہے اور قریش کے بعض بطن اگرچہ دوسرے بطن سے متفاضل ہیں۔ لیکن اِس تفاضل کا کفو کے معاملہ میں اعتبار نہیں۔ باوجود تفاضل کے ہر مرد قریشی ہر عورت قرشیہ کی کفوٴ ہے۔ اگرچہ مرد قریشی ساداتِ فاطمیہ سے نہ ہو اور عورت سیّدہ فاطمیہ ہو۔ اس لیے کہ کفو کے معاملہ میں تفاضل کا اعتبار نہیں اور اِس کی دلیل وہ حدیث ہے جو ہم نے یعنی صاحبِ ہدایہ نے روایت کی ہے کہ قریش ایک دوسرے کی کفو ہیں؛ یعنی کفو کے لحاظ سے قریش میں تعمیم ہے اور حدیث شریف کا منطوق یہی تعمیم ہے۔

تفاضل کا اعتبار خلافِ تعمیم اور خلافِ حدیث ہے

قارئین! حدیث سے ثابت ہوا کہ تمام قریش بلا تخصیص ایک دوسرے کی کفوٴ ہیں اور یہی جمہور احناف کا مذہب ہے۔ اِس قصّہ گو واعظ اور جعلی مُفتی کا یہ دعویٰ کہ غیر سیّد ہاشمی مرد، سیّدہ فاطمیہ کی کفوٴ نہیں اور اِس غیر سیّد ہاشمی مرد کا نکاح سیدہ کے ساتھ ناجائز ہے اور صُحبت زنا ہے۔ ایک تو حدیث شریف مذکورہ بالا سے بغاوت ہے اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ مُفتی نے قریش میں تفاضل کا اعتبار کیا ہے، جو کہ خلافِ حدیث ہے۔ دوم مذہبِ حنفی سے انحراف کیا جو کھُلی بے دینی ہے۔ سوم یہ نام نہاد جاہل مُفتی اپنا یہ دعویٰ اعلیٰ حضرت گولڑوی قدّس سرّہ العزیز کی طرف منسوب کرتا ہے جو کہ اعلیٰ حضرتؒ پر محض بہتان ہے۔ چہارم۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جس چیز کو حلال کیا ہے، مُفتی نے اُسے حرام قرار دیا ہے، جس میں کفر کا خطرہ ہے۔ مُفتی کا یہ دعویٰ قادیانی مذہب تو ہوسکتا ہے لیکن کسی مسلمان کا مذہب نہیں ہوسکتا۔ دُرِّ مُختار اور اِس کے متن تنویر الابصار میں ہے: فقریش

بعضهم اکفاء بعض وبقیّۃ العرب بعضهم اکفاء بعض۔ اگرچہ دُرِّمختار اور اس کے متن نے مذکورہ عربی عبارت کو صراحۃً حدیث شریف قرار نہیں دیا جیسا کہ مبسوط اور ہدایہ میں اس کو صریح حدیث قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ دُرِّمختار کی عربی عبارتِ مذکورہ بالا حدیث شریف کا اقتباس ہے۔ شامی میں ہے:

فقریش بعضهم اکفاء بعض اشار بہٖ الیٰ انہٗ لا تفاضل فیما بینهم من الہاشمی والنّوفلی والتّیمی والعدوی وغیرهم۔ یعنی متن میں مطلق قریش کو ایک دوسرے کی کفو قرار دیا گیا اور کوئی تخصیص نہیں کی گئی تو معلوم ہوا کہ اگرچہ قبائلِ قریش کے درمیان تفاضل ہے کہ بنی ہاشم دوسرے قریش سے افضل ہیں، لیکن کفو میں اِس تفاضل کا اعتبار نہیں۔ اور غیر ہاشمی قریش ہاشمیوں کی کفو ہیں۔ خواہ وہ ہاشمی ساداتِ فاطمیہ سے ہوں یا نہ۔ غور فرمایئے کہ ساداتِ فاطمیہ قریشی بھی ہیں اور ہاشمی بھی، اور ان میں تفاضل ہے تو جو مُفتی غیر سیّد ہاشمی کو سادات کی کفو نہیں مانتے جس طرح اِس بے سند مُفتی کا دعوٰی ہے اور جو مُفتی قریش میں تفاضل کا اعتبار کرتے ہیں یہ اُن کی جہالت ہے؛ کیونکہ یہ حدیثِ مبارکہ اور فقہِ حنفی کے خلاف ہے اور اِس پر اِن کے پاس کوئی ضعیف سے ضعیف دلیل بھی موجود نہیں ہے۔ کنز الدّقائق میں ہے: فقریش اکفاء العرب اکفاءٌ۔ یعنی مطلق قریش ایک دوسرے کی کفوٌ ہیں اور اسی طرح عرب بلا تخصیص ایک دوسرے کی کفوٌ ہیں۔ بحر الرّائق نے مذکورہ بالا قول کی شرح میں فرمایا: ولهذا استدلّ المشائخ علیٰ انہ لا یعتبر التّفاضل فیما بین قریش وهو المراد بقولہٖ فقریش اکفاء۔ یعنی حدیث شریف اور متونِ فقہِ حنفی میں مطلق قریش کو ایک دوسرے کی کفو قرار دیا گیا ہے اور تخصیص نہیں کی گئی، تو اِس سے مشائخِ حنفیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگرچہ بعض قریش مثلاً ہاشمی دوسرے قریش سے جو غیر ہاشمی ہیں افضل ہیں، لیکن کفو میں اِس تفاضل کا اعتبار نہیں اور اِس

تفاضل کے باوجود سب قریش ایک دوسرے کی کفو ہیں۔ توسادات فاطمیہ اور ان کے سوا جو ہاشمی ہیں چونکہ سب قریش ہیں۔ لہٰذا غیر سیّد ہاشمی سیّدہ فاطمیہ کی کفو ہے بلکہ جو مرد ہاشمی نہیں اور قریش ہے یہ بھی سیّدہ فاطمیہ کی کفو ہے اور ان کے درمیان نکاح جائز ہے۔

نام نہاد مفتیوں کے دعاوی

قارئین! یہ پندرھویں صدی کی بدعت ہے کہ دین سے بے خبر نام نہاد مفتیوں نے یہ دعوٰی کیا ہے کہ قریش تو کیا غیر سیّد ہاشمی بھی سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہیں ہے اور ان میں نکاح ناجائز ہے۔ یہ نادان یہ نہیں سوچتے کہ کتنے اکابرین قریش نے جو فاطمی نہیں ہیں، سیّدات فاطمیہ سے نکاح کیا ہے۔ اس طرح تو اُن پر بھی تہمتِ زنا لگے گی اور یہ اس حدیث شریف کا مصداق ہوں گے: لعن آخر الامّۃ اوّلھا۔ حدیث شریف سے تو یہ ثابت ہے کہ فضیلت والے لوگ چند قسم ہیں۔ سب لوگوں سے افضل عرب، عرب سے افضل قریش، اور قریش سے افضل بنو ہاشم اور بنو ہاشم سے افضل آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔ اور اب ان نادانوں نے بنو ہاشم کی تین قسم بنا دیں۔ ہاشمی غیر سیّد، ہاشمی سادات فاطمیہ اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ شرح وقایہ اور اس کے متن میں ہے:

تعتبر الکفاءۃ فی النکاح نسبًا، فقریش بعضھم کفوٌ لبعضٍ والعرب بعضھم کفوٌ لبعض ای العرب الذین لم یکونوا من قریش بعضھم اکفاء لبعض اعلم ان کل من ھو من اولاد نضر بن کنانہ قریش و اما اولاد من ھو فوق النضر فلا۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ نکاح میں کفوِ نسبی کا اعتبار ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر قریشی دوسرے قریشی کی کفو ہے۔ سیّد اور غیر سیّد، ہاشمی اور غیر ہاشمی کی کوئی تخصیص نہیں اور جو عرب قریش نہیں وہ قریش کی تو کفو نہیں، لیکن باہم ایک دوسرے کی کفو ہیں اور قریش وہ ہیں جو نضر بن کنانہ کی اولاد

سے ہیں اور جو نضر سے اُوپر کی اولاد سے ہیں، وہ قریش نہیں اور نضر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارہویں جد ہیں۔ عمدۃ الرّعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: فقریش اشاربہ الٰی انّہ لا تفاضل فیما بینھم من الھاشمی، والنوفلی والتیمی والعدوی وغیرھم۔ یعنی متن میں مطلق قریش کا ذکر ہے اور کوئی تخصیص نہیں تو اِس سے معلوم ہوا کہ قریش متعدد بطون اور قبائل ہیں اور اِن سے بعض قبائل دوسرے بعض سے افضل ہیں، لیکن کفو میں اِس تفاضل کا اعتبار نہیں۔ قریش کے بطون یہ ہیں۔ ہاشمی، نوفلی، تیمی اور عدوی۔ اور اِن کے سوا تو ہر بطن دوسرے بطن کی کفو ہے تو صاف ظاہر ہے کہ غیر سیّد ہاشمی یا محض قریشی ساداتِ فاطمیہ کی کفو ہے۔ کتاب درر الاحکام شرح غرر الاحکام میں ہے: الکفاءۃ تعتبر فی النّکاح نسبًا فقریش اکفاء ای بعضھم کفوء لبعض۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ نکاح میں نسب کے لحاظ سے کفوء کا اعتبار ہے تو قریش کا ہر فرد دوسرے فرد کی کفو ہے۔ تو ثابت ہوا کہ ساداتِ فاطمیہ چونکہ قریش ہیں، لہٰذا ہر غیر سیّد قریشی ساداتِ فاطمیہ کی کفو ہے اور ان کے درمیان نکاح جائز ہے اور اِس نکاح کو غیر کفو میں نکاح کہنا جہالت ہے۔

قارئین! سطورِ بالا میں بندہ نے حدیث شریف قولی، کتاب مبسوط، ہدایہ اور اُس کے متن، شرح وقایہ اور اُس کے متن، کتاب فتح القدیر، کنز الدّقائق، بحر الرّائق، دُرر شرح غُرر، عمدۃ الرّعایہ حاشیہ شرح وقایہ، دُرِّ مختار، تنویر الابصار اور شامی۔ اِن ۱۳ تیرہ حنفی مذہب کی مستند کتابوں سے ثابت کیا ہے کہ تمام قریش بلا تخصیص ایک دوسرے کی کفو ہیں اور اگرچہ بعض دوسرے بعض سے افضل ہیں، لیکن یہ تفاضل مانع کفو نہیں ہے اور اِس تفاضل کے باوجود ہر قریشی دوسرے قریشی کی کفوء ہے اور ساداتِ فاطمیہ بھی چونکہ قریش ہیں، لہٰذا تفاضل کے باوجود ہر غیر سیّد قریشی اِن کی کفو ہے اور یہ دعوٰی صریح جہالت ہے کہ غیر سیّد اگرچہ ہاشمی ہو، سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہیں اور ان میں نکاح

ناجائز ہے۔ یہاں تک دلیلِ اوّل ختم ہوئی جو حدیثِ قولی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: قریش بعضھم اکفاء لبعضٍ، اور یہ دلیل امام سرخسی نے مبسوط میں ذکر کی۔ اب دلیلِ دوم ملاحظہ ہو جو حدیثِ فعلی ہے اور امام سرخسی نے مبسوط میں ذکر کی ہے: الکفائۃ فی خمسۃ اشیاء احدھا نسب و ھو علیٰ ما قال قریش اکفاء بعضھا لبعض فانّھم فیما بینھم یتفاضلون و افضلھم بنو ھاشم ومع التّفاضلِ ھم اکفاء الاترٰی ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تزوّج عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا وکانت تیمیۃ و تزوّج حفصۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا وھی عدویۃ و زوّج ابنتیہ من عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکان عبشمیاً فعرفنا ان بعضھم اکفاء لبعض۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ کفو پانچ چیزوں میں ہے۔ اُن میں سے ایک نسب ہے اور نسب کے لحاظ سے قریش ایک دوسرے کی کفو ہیں اور اِس کا یہ مطلب نہیں کہ سب قریش فضیلت میں برابر ہیں۔ بلکہ بعض قریش بعض دوسرے قریش سے افضل ہیں اور سب قریش سے افضل بنو ہاشم ہیں اور باوجود اِس تفاضل کے قریش ایک دوسرے کی کفو ہیں۔ صاحبِ مبسوط نے اِس کی چند مثالیں دی ہیں کہ تفاضل کے باوجود قریش ایک دوسرے کی کفو ہیں۔

قبائلِ قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں

مثالِ اوّل۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔ حالانکہ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم دو وجہ سے حضرت صدّیقہ سے افضل ہیں۔ ایک تو آپ اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کے رسُول ہیں اور حضرت صدّیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ رتبہ حاصل نہیں۔ دوسرا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہاشمی ہیں اور حضرت عائشہ صدّیقہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا غیر ہاشمیہ، تیمیہ ہیں اور ہاشمی غیر ہاشمی قریش سے افضل ہیں۔ اِس لحاظ سے بھی حضورؐ حضرت عائشہ صدّیقہؓ سے افضل ہوئے تو لازم آیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت عائشہؓ کی کفو نہیں۔ کیونکہ کفو کے معنیٰ مثل اور مساوات ہیں اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم بلحاظِ مرتبہ حضرت عائشہ صدّیقہؓ کے برابر نہ ہوئے اِس لیے کفو نہ ہوئے۔ تو صاحبِؒ مبسوط نے اِس سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ تفاضل کا کفو میں اعتبار نہیں۔ مساوات اور مثل سے رُتبہ کے لحاظ سے مساوات مراد نہیں؛ بلکہ نسب میں مساوات ہے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نسبِ قریش میں حضرت عائشہ صدّیقہؓ کے بالکل مساوی اور برابر ہیں۔ یعنی دونوں نضر بن کنانہ کی اولاد ہونے میں برابر ہیں۔ تو اگرچہ حضورؐ کو دو وجہ سے حضرت صدّیقہؓ پر تفاضل ہے؛ لیکن کفوِ نسبی میں تفاضل کا اعتبار نہیں۔ مثالِ دوم: آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کیا، حالانکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مذکورہ بالا دو وجوہات کی بنا پر حضرت حفصہؓ سے افضل ہیں۔ اِس طرح آپؐ حضرت حفصہؓ کی کفو، مثل اور مساوی نہ ہوئے، تو اِس سوال کے جواب کی طرف بھی صاحبِؒ مبسوط نے اشارہ کیا کہ کفو سے مراد رُتبہ اور فضیلت میں مثل و مساوات نہیں، بلکہ نسب میں مثل اور مساوات مراد ہے اور رُتبہ میں تفاضل کفو میں معتبر نہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت حفصہؓ اگرچہ رتبہ میں برابر نہیں؛ لیکن نسبِ قریش میں مثل اور مساوی ہیں۔ مثالِ سوم۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی صاحبزادی حضرت عثمانؓ کو نکاح کر دی، حالانکہ حضرت عثمانؓ صاحبزادی صاحبہؓ کی کفو اور مثل نہیں ہیں۔ اِس لیے کہ صاحبزادی صاحبہؓ بنو ہاشم سے اور حضرت عثمانؓ عبشمی یعنی عبدِ شمس کی اولاد سے ہیں اور غیر ہاشمی ہیں اور بنو ہاشم غیر بنی ہاشم سے افضل ہیں، پس حضرت عثمانؓ صاحبزادی صاحبہؓ کی کفو اور مثل نہ ہوئے تو صاحبِؒ مبسوط نے اِس سوال کے جواب کی طرف بھی اشارہ کیا کہ تفاضل کو کفاءت میں دخل نہیں؛ بلکہ

کفاءت میں نسب اور قریش میں برابری معتبر ہے اور حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نسب او رقریش اور نضر بن کنانہ کی اولاد ہونے میں صاحبزادی صاحبہؓ کے برابر ہیں۔ اگرچہ رُتبہ میں برابر نہیں ہیں، لیکن رُتبہ اور فضیلت میں برابری کفاءت میں معتبر نہیں ہے۔ چونکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا خود اپنا نکاح کرنا اور اپنی صاحبزادی کا نکاح کر دینا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فعل ہے۔ دلیلِ اوّل میں حدیثِ قولی اور دلیلِ دوم میں حدیثِ فعلی کا ذکر ہوا۔ اِس طرح حدیثِ قولی اور حدیثِ فعلی ہر دو سے ثابت ہوا کہ قریش کا ہر فرد دوسرے فرد کی کفو، مثل اور مساوی ہے۔ نسب اور قریشی ہونے میں اور اگر فردِ قریش کو دوسرے فرد پر بہ اعتبار رُتبہ کے تفاضل ہو تو اِس کا کفوءَ میں اعتبار نہیں اور یہ تفاضل کفوءَ کے منافی نہیں۔ اب اِس جعلی مُفتیٔ اعظم اور اِس کے ہم مشرب مُفتیوں کی غلط فہمی کا سبب بیان کیا جاتا ہے کہ اُنھوں نے جو یہ دعوٰی کیا کہ غیر سیّد ہاشمی بھی سیّدہ فاطمیہ کی کفوءَ نہیں تو اُنہیں یہ غلطی اِس طرح لگی کہ اُن کے نزدیک اہلِ بیتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو غیر اہلِ بیت پر تفاضل اور فضیلت حاصل ہے۔ اگرچہ وہ غیر اہلِ بیت ہاشمی ہو۔ تو غیر اہلِ بیت ہاشمی رُتبہ میں اہلِ بیتِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے برابر نہ ہوا۔ اِس لیے اہلِ بیت کا کفوءَ نہ ہوا۔ کیونکہ کفو کا معنٰی برابری ہے اور یہ امر اِن مُفتیوں کی دین سے ناواقفیّت پر مبنی ہے اور اِس کی دو وجوہات ہیں۔ اوّل یہ کہ جب فقہاءِ احناف نے تصریح کر دی ہے کہ تفاضل کے باوجود ایک قریشی دوسرے کی کفو ہے جیسے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم باوجود بڑی فضیلت کے عائشہ صدّیقہ اور حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی کفو ہیں اور تفاضل کفو کے منافی نہیں اور تفاضل کفو میں مُعتبر نہیں اگر اہلِ بیت اور اولادِ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا باوجودِ تفاضل دوسرے ہاشمی اور قریشی اہلِ بیت اور سادات کی کفوءَ ہوں تو کوئی شرعی قباحت نہیں۔ کیونکہ تفاضل کفو کے منافی اور کفو میں مُعتبر نہیں۔ دوم یہ کہ اگر اِن مفتیوں کا یہ دعوٰی تسلیم کیا جائے کہ اہلِ بیت کو غیرِ اہلِ بیت ہاشمی پر تفاضل ہے۔

اس لیے غیر اہلِ بیت، اہلِ بیت کی کفو نہیں اور اِن میں نکاح جائز نہیں تو لازم آئے گا کہ آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما کی کفو نہ ہوں اور اِسی طرح حضرت عثمانِ غنی رض آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کی صاحبزادی کی کفو نہ ہوں اور یہ نکاح غیر کفوء میں ہو اِس میں تو بڑی قباحت ہے۔ یہاں تک حدیثِ قولی اور حدیثِ فعلی سے ثابت کیا گیا کہ غیر سیّد ہاشمی، سیّدہ فاطمیہ کی کفو ہے اور اِن کے درمیان نکاح جائز ہے اور نام نہاد مُفتیوں کا فتوای جہالت پر مبنی ہے۔

تعاملِ صحابہ رض، تابعین رض اور تبع تابعین رض

قارئین! اُن مبارک ادوار میں ساداتِ فاطمیہ کے نکاح غیر سیّد قریش کے ساتھ ہوئے شامی میں ہے: لا تفاضل فیما بینھم من الھاشمی، والنوفلی والتیمی والعدوی وغیرھم ولھٰذا ذوج علی رض وھو ھاشمی ام کلثوم بنت فاطمۃ من عمر رض وھو عدوی۔ علّامہ شامیؒ نے پہلے دعوای کیا کہ ہر قریشی دوسرے قریشی کی کفو ہے، اگرچہ بعض قریشی مثلاً بنو ہاشم دوسرے قریش سے افضل ہیں، لیکن اِس تفاضل کا کفو میں اعتبار نہیں؛ اِس کے بعد علّامہ شامیؒ نے اِس پر دلیل دی کہ حضرت علی کرم اللّٰہ وجہہٗ نے جو ہاشمی ہیں، اپنی صاحبزادی اُمِّ کلثوم جو حضرت فاطمہ زہرا رض کے بطن سے تھیں حضرت عمر رض کو نکاح کر دیں؛ حالانکہ حضرت علی رض ہاشمی اور حضرت عمر رض عدوی ہیں اور ہاشمی عدوی سے افضل ہیں؛ تو معلوم ہوا کہ قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں۔ اِس طرح حضرت عمر رض، حضرت علی رض اور اُن کی صاحبزادی کی کفو ثابت ہوئے اور حضرت امِّ کلثوم مستند سیّدہ فاطمیہ ہیں، حضرت عمر رض اُن کی کفو ثابت ہوئے؛ حالانکہ حضرت عمر رض ہاشمی بھی نہیں، صرف قریش ہیں تو سیّدہ فاطمیہ کی کفو غیر سیّد قریشی ثابت ہوا اور اُن کے درمیان نکاح جائز ہوا حالانکہ مفتی کا دعوای یہ ہے کہ سیّدہ فاطمیہ کی کفو غیر سیّد ہاشمی بھی

نہیں اور اُن کے درمیان نکاح ناجائز ہے اور صحبت زنا ہے تو مفتی کے نزدیک حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غیر کفو میں ہوا۔ اِس لیے ناجائز اور کالعدم ہے اور زنا ہوتا رہا۔ نعوذ باللہ من ھٰذہ الخرافات والھذلیات۔

مُفتی کے مُنہ پر ایک زوردار تھپّڑ (طمانچہ)

قارئین! غور فرمائیں کہ یہ نام نہاد مُفتی اہلِ بیتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم، حضرت عمر فارُوق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر زنا کی تہمت لگاتا ہے لہٰذا اُسے اپنے نسب کی صحت پر بھی غور کرنا چاہیئے۔ چونکہ یہ بدبخت پاکدامانوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اِس لیے بندہ بطورِ تعزیر اِن کو نام نہاد مفتی، جاہل اور دین سے بیگانہ کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ لہٰذا مجھ پر یہ الزام نامناسب ہے کہ مَیں اِن مُفتیوں کو تلخ الفاظ سے کیوں یاد کرتا ہوں۔ اِسی پر ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو۔ بحرالرّائق میں ہے، وزوّج علی رضی اللہ تعالیٰ عنہُ بنت اُمّ کلثوم من عمر رضی اللہ عنہ وکان عدویا لا ھاشمیا۔ خلاصہ یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نکاح کر دی۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عدوی تھے، ہاشمی نہیں تھے اور ہاشمی، عدوی سے افضل ہیں تو معلوم ہوا کہ حضرت علی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک سیّدہ فاطمیہ کی غیر سیّد قریشی بھی کفو ہے۔ تو غیر سید ہاشمی بطریقِ اولیٰ سیّدہ کی کفو ہو گا۔ شامی اور بحر الرّائق ہر دو کی عبارتِ مذکورہ بالا اِس فاتر العقل مُفتی کے مُنہ پر زوردار تھپّڑ ہے۔ ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو۔ عمدۃ الرّعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے، لا تفاضل فیما بینھم من الھاشمی، والنوفلی، والتیمی والعدوی وغیرھم ولھٰذا زوّج علی بن ابی طالب، وھو ھاشمی ابنتہ امّ کلثوم بنت فاطمۃ من عمر بن الخطاب وھو عدوی لانّہ من قریش، خلاصہ عبارت یہ ہے کہ قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں، ہر فردِ قریش دوسرے فرد کا کفو ہے،

اگرچہ ایک فرد دوسرے سے افضل ہے اور قریش کے بُطُون یہ ہیں، ہاشمی، نوفلی، تیمی، اور عدوی۔ اور باوجود اِس کے کہ ہاشمی دوسرے بطونِ قریش سے افضل ہیں لیکن ہر ایک دوسرے کی کفو ہے۔ یعنی ہاشمی، غیر ہاشمی قریشی کی کفو اور غیر ہاشمی قریشی ہاشمی کی کفو ہے اور محشیّ شرح وقایہ نے اِس پر یہ دلیل دی کہ حضرت علی رضی جو کہ ہاشمی ہیں اور دوسرے بطونِ قریش سے افضل ہیں، اُنھوں نے اپنی صاحبزادی اُمِّ کلثوم رضی جو کہ حضرت فاطمۃ الزّہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطنِ مقدّس سے تھیں، حضرت عمر فارُوق رضی کو نکاح کردیں، حالانکہ فارُوقِ اعظم رضی عدوی قریشی تھے۔ تو معلوم ہوا کہ قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں۔ قارئین! غور فرمایئے کہ حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں چار فضیلتیں ہیں:
ایک یہ کہ وہ حضرت علی رضی کی صاحبزادی ہیں، دوم وہ حضرتِ زہرا رضی کی صاحبزادی ہیں۔ سوم یہ کہ وہ حضرت علی رضی اور حضرت زہرا رضی کی بلا واسطہ اور بالذّات صاحبزادی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ چہارم یہ کہ حضرت اُمِّ کلثوم رضی یقینی اور بلاشکّ و شبہہ حضرت علی رضی اور فاطمہ زہرا کی صاحبزادی ہیں اور اِن کے سیّدہ فاطمیہ ہونے میں کوئی شکّ و شبہہ نہیں۔ بخلاف آج کل پندرہویں صدی کی سیّدہ فاطمیہ کے کہ یہ حضرت علی رضی اور حضرت فاطمۃ الزّہرا رضی کی بلا واسطہ اور بالذّات صاحبزادی نہیں اور اِس کے سیّدہ فاطمیہ ہونے میں ایسا یقین نہیں ہے جیساکہ حضرت اُمِّ کلثوم رضی کے سیّدہ فاطمیہ ہونے میں یقین ہے۔ تو حضرت اُمِّ کلثوم جو کہ سیّدہ فاطمیہ ہیں کی کفو حضرت عمر رضی ہیں، حالانکہ وہ ہاشمی نہیں، بلکہ صرف عدوی قریش ہیں تو آجکل کی سیّدہ فاطمیہ کی مرد ہاشمی اور صرف قریشی بطریقِ اولیٰ کفو ہوگا اور اِن کے درمیان نکاح جائز اور لازم ہوگا تو مُفتیِ بدحواس اور اِس کے ہمنوا مفتیوں کا یہ دعوٰی بالکل لغو ہوا کہ آجکل کی سیّدہ فاطمیہ کا غیر سیّد ہاشمی اور قریش کفو نہیں ہے اور اِن کے درمیان نکاح ناجائز اور صُحبت زنا ہے۔ اِن ظالم اور .... مُفتیوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ اِن کے اِس احمقانہ فتوئ زنا کا ناپاک وار کن کن ذوات مقدّسہ پر پڑے گا۔ اگر پاکستان میں

نظامِ مصطفےٰ جاری ہو تو اِن جاہل مُفتیوں پر حدِ قذف لگائی جائے۔

امام مالکؒ کے نزدیک کفو کا سرے سے اعتبار ہی نہیں

چونکہ امام مالکؒ کے نزدیک کفو کا سرے سے اعتبار ہی نہیں اور ہر مرد، خواہ سیّد ہو یا غیر سیّد، ہر عورت کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے، خواہ وہ عورت سیّدہ فاطمیہ ہو یا غیر سیّدہ۔ تو امام مالکؒ کے نزدیک غیر سیّد مرد، خواہ کسی قوم سے تعلّق رکھتا ہو سیّدہ فاطمیہ سے نکاح کرسکتا ہے۔ اِس لیے مُفتی کا دعوٰی اور فتوٰی امام مالکؒ کے مذہب کے بھی خلاف ہے۔ بلکہ حنفی مذہب کے بھی خلاف ہے۔ اِس لیے کہ دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ احناف کے نزدیک تمام قریش ایک دوسرے کی کفوٴ ہیں اور قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں اور اِس کی دلیل حضرت اُمِّ کلثومؓ بنتِ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کا حضرت عُمرؓ کے ساتھ نکاح ہے اور حضرت عُمرؓ صرف قریش ہیں تو حنفی مذہب میں بھی غیر سیّد قریشی سیّدہ فاطمیہ کی کفوٴ ہے اور اِن کے درمیان نکاح جائز ہے مُفتی نادان اِس کا منکر ہے اور اِسے زنا گردانتا ہے۔ اِس طرح مُفتی کا یہ فتوٰی امام مالکؒ اور فقہِ حنفی ہر دو کے خلاف ٹھہرا۔

کُفو کے متعلّق امام شافعیؒ کا مذہب

اب کُفو کے متعلّق امام شافعیؒ کا مذہب بیان کیا جاتا ہے۔ فتح القدیر ابن ہمامؒ اور عنایہ میں ہے، ففی الحدیث دلیل علیٰ انّہ لا یعتبر التفاضل بین انساب قریش فھو حجۃ علیَ الشّافعی فی ان الھاشمی و المطّلبی اکفاء دون غیرھم بالنّسبۃ الیھم وزوّج النّبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بنتیہ من عثمان وھو اموی : خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے: قریش

بعضهم اکفاء بعض قابل البعض بالبعض من غیر اعتبار الفضیلة بین قبائلهم ۔ یعنی حدیث شریف میں ہے (ثابت ہے) کہ ہر قریشی دوسرے قریشی کا کفو ہے اور قریش کے قبائل میں فضیلت کا اعتبار نہیں اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی دو بیٹیاں حضرت عثمانِ غنی رضؓ کو نکاح کر دیں، حالانکہ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہاشمی اور حضرت عثمان رضؓ اموی ہیں اور بنو ہاشم کو بنو اُمیّہ پر فضیلت ہے ۔ تو یہاں فضیلت کا اعتبار نہیں ہے۔ کُتبِ فقہ میں اِن اُمور پر سیر حاصل بحث ملاحظہ کی جا سکتی ہے اور یہ حدیث شریف امام شافعی رحؒ پر حُجّت ہے کہ امام شافعی رحؒ کا کفو کے متعلّق یہ مذہب ہے کہ قریش سے ہاشمی اور مطّلبی باہم کفو ہیں اور اِن دو قبیلوں کے سوا جو قریش ہیں وہ اِن دو قبیلوں کی کفو نہیں ہیں تو امام شافعی رحؒ نے بھی قریش کے قبائل میں تفاضل کا اعتبار کیا تو حدیث شریف امام شافعی رحؒ کے خلاف حُجّت ہے ۔ بہر حال یہاں کفو میں حضرت امام شافعی رحؒ کا مذہب بیان کیا جا رہا تھا تو فتح القدیر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ کفو کے متعلّق امام شافعی رحؒ کا مذہب یہ ہے کہ ہاشمی اور مطّلبی کا ہر فرد دوسرے فرد کا کفو ہے اور ان کے درمیان نکاح جائز ہے اور امام شافعی رحؒ بنو ہاشم اور مطّلبی میں تفاضل کا اعتبار نہیں کرتے ۔ اِس طرح اِس فقہ نا آشنا مُفتی کا فتوای اور دعوای مذہبِ شافعی کے بھی خلاف ہے ۔ اِس لیے کہ مفتی کا یہ دعوای اور فتوای کہ غیر سیّد ہاشمی بھی سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہیں ۔ یہ نہ امام مالک رحؒ کا مذہب ہے اور نہ ابو حنیفہ رحؒ اور امام شافعی رحؒ کا، بلکہ کسی مسلمان کا مذہب نہیں ۔ ہاں اگر قادیانیوں کا مذہب ہو تو اِس سے مسلمانوں کو سرو کار نہیں ۔ مفتی کا یہ فتوای بلا شبہ بدعتِ سیئہ ہے کہ اُس نے بنی ہاشم میں تفاضل کا اعتبار کیا ہے کہ چونکہ ساداتِ فاطمیہ بنو ہاشم ہونے کے باوجود دوسرے قریش بشمول بنی ہاشم سے افضل ہیں ۔ لہٰذا غیر سیّد ہاشمی بھی ساداتِ فاطمیہ کی کفو نہیں ہے ۔

کفو کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب

اب بندہ ائمۂ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبلؒ کا کفو کے متعلق مذہب ذکر کرتا ہے۔ مُغنی ابنِ قُدامہ، جو فقہِ حنبلی کی مستند کتاب ہے اور ابنِ قدامہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شاگرد ہے اور خود حضرت غوثِ اعظمؓ بھی حنبلی مذہب کے پیروکار ہیں تو مُغنی ابنِ قُدامہ میں جو مذکور ہے، حضرت غوثِ اعظمؓ کا بھی وہی مذہب ہے۔

اب مُغنی ابنِ قُدامہ کی عبارت ملاحظہ ہو۔ والرّوایۃ الثّانیۃ عن احمد ان العرب بعضھم لبعض اکفاء لان النّبی صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم زوّج بنتیہ عثمان و زوّج ابا العاص بن ربیع زینب و ھما من بنی عبد شمس و زوّج علیؓ عمرؓ ابنتہ امّ کلثومؓ، و تزوّج عبد اللہ بن عمرو فاطمۃ بنت الحسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنھم و تزوّج المصعب بن الزبیر اختھا سکینۃ و تزوّجھا ایضاً عبد اللہ بن عثمان بن حکیم بن حزام۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ کفو کے متعلق امام احمدؒ سے دو روایات ہیں۔ روایتِ اوّل کا ترجمہ یہ ہے کہ جو عرب غیر قریش ہیں، وہ قریش کی کفو نہیں، جیسا کہ احناف کا مذہب ہے اور جو قریش بنی ہاشم نہیں، وہ بنی ہاشم کی کفو نہیں اور یہ بعض شافعیوں کا مذہب ہے اور جو امام شافعیؒ کا مذہب ہے اُس کی تفصیل قبل ازیں گزر چکی ہے۔ امام احمدؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ تمام عرب ایک دوسرے کی کفو ہیں، خواہ بنی ہاشم ہوں یا نہ اور جو عرب بنی ہاشم نہیں، خواہ قریش ہیں یا غیر قریش عرب، سب ایک دوسرے کی کفو ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ غیر سید ہاشمی، قریش اور عرب، یہ سب ساداتِ فاطمیہ کی کفو ہیں اور اِن کے درمیان نکاح جائز ہے اور اِس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے اپنی دو صاحبزادیاں حضرت عثمانِ غنیؓ کو نکاح

کر دیں اور تیسری صاحبزادی حضرت زینبؓ ابوالعاص کو نکاح کر دی جبکہ حضرت عثمانؓ اور ابوالعاص دونوں ہاشمی نہ تھے، بلکہ یہ ہر دو عبدِ شمس کی اولاد سے تھے، لیکن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت عثمانؓ اور ابوالعاص عرب ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ عرب ایک دوسرے کی کفو ہیں۔ نیز یہ کہ حضرت عثمانؓ اور ابوالعاص آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی کفو ہیں۔ تو غیر سیّد ہاشمی قریشی بطریقِ اولیٰ سیّدہ فاطمیہ کی کفو ہوں گے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ الکریم نے اپنی صاحبزادی حضرت اُمِّ کلثوم بنتِ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عمرؓ کو نکاح کر دی اور حضرت اُمِّ کلثومؓ بلاواسطہ ساداتِ فاطمیہ سے تھیں اور سیّدہ تھیں، جبکہ حضرت عمر فاروقؓ نہ تو سیّد اور ساداتِ فاطمیہ سے تھے اور نہ ہاشمی تھے۔ البتّہ قریش اور عرب تھے۔ تو اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ جو کہ غیر سیّد قریش اور عرب ہیں، حضرت اُمِّ کلثوم بنتِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کفو ہیں، اور حضرت علیؓ، امیر عمرؓ کو اپنی اور اپنی صاحبزادی کی کفو جانتے تھے۔ اِسی لیے اُنہوں نے اپنی صاحبزادی کا نکاح کفو میں کیا تھا۔ اور یہ نکاح اُن کے نزدیک درست تھا۔ تو مُفتی کا یہ دعوایٔ لغوِ محض ثابت ہُوا کہ سیّدہ فاطمیہ کی غیر سیّد کفو نہیں خواہ قریش سے ہو اور اِن کے درمیان اصلاً نکاح جائز نہیں اور صحبت زنا ہے۔ (نعوذ باللہ) خواہ نکاح ولی کی رضا سے ہو یا نہ۔ قارئین! غور کریں کہ سیّدہ اُمِّ کلثومؓ کا نکاح حضرت عمرؓ کے ساتھ ولیِ اقرب کی اجازت سے ہوا اور ولیِ اقرب حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں۔ اہلِ سُنّت کا یہی مذہب ہے کہ یہ نکاح حضرت علیؓ کی رضا مندی سے ہوا البتّہ رافضیوں کا مذہب یہ ہے کہ یہ نکاح جبراً اور بلا اجازتِ ولیِ اقرب زبردستی کیا گیا۔ غور کیجئے کہ مُفتی نے حضرت عمرؓ اور سیّدہ اُمِّ کلثومؓ پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور حضرت علیؓ کو اِس زنا کا ذمّہ دار قرار دیا ہے۔ کوئی صحیح النّسب انسان اہلِ بیتِ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر اور اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر اِس قسم کی قبیح تہمت نہیں لگا سکتا۔ میرے

نزدیک ایسا تہمت لگانے والا مسلمان نہیں رہتا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں کے غیر ہاشمیوں سے نکاح

دلیل سوم۔ حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دو صاحبزادیاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ اوّل کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ کے ساتھ ہوا، جو غیر سید اموی تھے اور حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اوّل مُصعب بن زبیر کے ساتھ ہوا اور مُصعب کی وفات کے بعد حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا کا نکاحِ ثانی حکیم بن حزام کے پوتے عبداللہ بن عثمان سے ہوا اور یہ دونوں غیر سید قریشی تھے؛ جبکہ حضرت فاطمہ اور حضرت سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما صرف ایک واسطہ سے حضرت فاطمۃ الزہرا بنتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اولاد ہیں اور وہ واسطہ صرف حضرت امام حسین بن علی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ تو معلوم ہوا کہ غیر سیّد قریشی سیدہ فاطمیہ کی کفو ہے اور ان کے درمیان نکاح جائز ہے۔ جب غیر سیّد قریشی اُس سیّدہ کی کفو ہے جو کہ بلا واسطہ یا صرف ایک واسطہ سے بلاشک وشبہ یقینی طور پر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد ہے تو غیر سیّد قریشی موجودہ دَور کی سیّدہ کا بطریقِ اولیٰ کفو ہوگا اور ان کے درمیان نکاح جائز ہوگا کیونکہ آج کی سیّدہ فاطمیہ سینکڑوں واسطوں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہے اور اُس کا اہلِ بیتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہونا اتنا قوی اور یقینی نہیں ہے، جتنا حضرت سیّدہ اُمِّ کلثوم بنتِ علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیّدہ فاطمہ بنتِ امام حسین اور حضرت سکینہ بنتِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اہلِ بیتِ رسول علیہ السلام سے ہونا قوی، یقینی اور اقرب ہے۔ تو جب یقینی اور اقرب سیّدہ فاطمیہ کی کفو غیر سیّد قریشی ہو سکتا ہے اور ان کے درمیان نکاح جائز ہے تو آج کل کی سیّدہ فاطمیہ غیر قوی اور ابعد کی کفو آجکل کا غیر سیّد قریشی بطریقِ اولیٰ ہوگا۔

کفو کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اجمالی ذکر

قبل ازیں بندہ نے کفو کے متعلق ائمہ اربعہ کا مذہب تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اب دوبارہ کفو کے متعلق اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ نہایت اہم ہے اس لیے قارئین اسے تکرار محض تصور نہ کریں۔ مبسوط امام سرخسیؒ نے امام ابوحنیفہؓ کا کفو کے متعلق یہ مذہب بیان کیا ہے وحجتنا فی ذٰلك قوله صلّی اللّٰه علیه وآله وسلّم قریش بعضهم اکفاء لبعض فانهم فیما بینهم یتفاضلون افضلهم بنوهاشم ومع التفاضل هم اکفاء۔ اور ہدایہ شریف میں امام اعظمؒ کا کفو کے متعلق مذہب اس طرح مذکور ہے: ولنا قوله صلّی اللّٰه علیه وآله وسلّم قریش بعضهم اکفاء لبعض ولا یعتبر التفاضل فیما بین قریش ولما رویناه من قوله علیه السّلام قریش بعضهم اکفاء لبعض قابل البعض من غیر اعتبار الفضیلة بین قبائلهم الایری ان النّبی صلّی اللّٰه علیه وآله وسلّم زوّج ابنته رقیّة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها من عثمانؓ وکان من بنی عبد شمس۔

خلاصۂ ہر دو عبارات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ قریش کا ہر فرد بلا تخصیص دوسرے قریش کی کفو ہے، اگرچہ قریش کا فردِ اوّل دوسرے فردِ قریش سے افضل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کفو میں قریش کے درمیان تفاضل اور فضیلت کا اعتبار نہیں ہے۔ مثلاً بنوہاشم، دوسرے قریش غیر ہاشمی سے افضل ہیں اور باوجود اس تفاضل کے تمام قریش بشمولِ بنی ہاشم ایک دوسرے کی کفو ہیں یعنی ہر غیر ہاشمی، قریشی ہاشمی کی کفو ہے اور ان میں نکاح جائز ہے تو اولادِ فاطمہ زھرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ بنی ہاشم سے ہیں، ہر قریشی ان کی کفو ہے اور ان میں امام اعظمؒ کے مذہب کے مطابق نکاح جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اپنے مذہب

پر کہ سب قریش بلا تخصیص ایک دوسرے کی کفو ہیں اور اولادِ فاطمہؓ بھی چونکہ قریش ہیں لہٰذا ہر قریشی ساداتِ فاطمیہ کی کفو ہے اور اِن کے درمیان نکاح جائز ہے۔ امام صاحبؒ نے اپنے اِس مذہب پر دو دلیلیں قائم کی ہیں۔ دلیلِ اوّل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ مبارک (حدیثِ قولی) ہے کہ قریش بعضھم اکفاء بعض یعنی ہر مرد قریشی قرشیہ عورت کی کفو ہے۔ حاشیۂ ہدایہ میں ہے کہ حدیث شریف میں جو بعض قریش کو بعض دوسرے قریش کی کفو قرار دیا گیا ہے تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ مطلق بعض قریش دوسرے بعض مطلق کی کفو ہے اور رفضیلت کا اعتبار نہیں، تو اِس سے ثابت ہوا کہ قریش میں بہ اعتبار کفو کے تفاضل کا اعتبار نہیں ہے اور یہ عدمِ اعتبارِ تفاضل قریش میں حدیث شریف سے ثابت ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اولادِ فاطمہ زہراؓ یعنی ساداتِ فاطمیہ چونکہ قریش ہیں لہٰذا ہر دوسرا قریشی اُن کی کفو ہے اور ساداتِ فاطمیہ کے تفاضل کا کفو میں اعتبار نہیں ہے اور اِن میں نکاح جائز ہے اور یہ امر حدیث شریف سے ثابت ہے۔ اب آجکل کے بعض نام نہاد مُفتی جو یہ کہتے ہیں کہ غیر سیّد قریشی خواہ ہاشمی ہو سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہیں، کیونکہ سیدہ کو غیر سیّد قریشی پر فضیلت ہے تو اِن جاہل مفتیوں نے قریش میں کفو کے بارے میں تفاضل کا اعتبار کیا ہے؛ جو کہ حدیث شریف اور مذہبِ احناف سے صریح جہالت یا بغاوت ہے۔

ایک چیلنج۔ (مفتیِ مذکور حضرت گولڑویؒ کی کسی تصنیف سے اپنا موقف ثابت کر دے)

قارئین! بڑا المیہ یہ ہے کہ یہ نام نہاد جاہل مُفتی اپنے اِس باطل نظریہ کو اعلیٰ حضرت گولڑوی قدّس سرّہ العزیز کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ جو کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرّحمہ پہ صریح بہتان ہے۔ یہ فقیر اِن جاہل مفتیوں کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ حضرت اعلیٰ گولڑویؒ کی کسی تصنیف سے یہ ثابت کر دیں کہ آپ نے فرمایا ہو کہ سیّدہ فاطمیہ کی غیر سیّد ہاشمی اور

قریشی کفو نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت گولڑوی قدس سرہ العزیز نے تو صرف یہ فرمایا کہ عجمی عربیہ کی کفو نہیں اور عجمی سے مراد غیر عربی النسل ہے اور یہ جاہل مفتی عجمی سے مراد ہاشمی اور قریشی اور عربیہ سے مراد سیدہ فاطمیہ لیتے ہیں؛ حالانکہ عجمی، عربیہ، ہاشمی اور قریشی کی ضد ہے۔ پھر دوسرا المیہ یہ ہے کہ یہ جاہل مفتی جنہوں نے اعلیٰ حضرت گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے، یہ مفتیانِ مفتری اپنے کو تو حضرت اعلیٰ قدس سرہ العزیز کے بڑے عقیدت مند خیال کرتے ہیں اور جن لوگوں نے اِس بہتان سے اعلیٰ حضرتؒ کو بری قرار دیا ہے، اُنہیں حضور گولڑویؒ کا گستاخ تصور کرتے ہیں۔

ع شرم اُن کو مگر نہیں آتی

یہاں تک تو کفو کے متعلق امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر بحوالہ مبسوط اور ہدایہ حدیثِ قولی کا ذکر کیا گیا۔ اب کفو کے متعلق امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر دلیلِ دوم ملاحظہ ہو اور یہ حدیثِ فعلی ہے، جس کو حاشیۂ ہدایہ اور مبسوط میں بایں الفاظ ذکر کیا گیا ہے: الایری ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زوّج ابنته رقیّة من عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما وکان من بنی عبد شمس۔ مبسوط امام سرخسی میں ہے: الاتری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زوّج ابنتیه من عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما وکان عبشمیًا فعرفنا ان بعضھم اکفاء لبعض۔

اِن ہر دو عبارات میں صاحبِ ہدایہ اور صاحبِ مبسوط نے اِس پر حدیثِ فعلی سے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر استدلال کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا کفو کے متعلق مذہب یہ ہے کہ ہر قریشی دوسرے قریشی کا کفو ہے اور قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں۔ حدیثِ فعلی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کو نکاح کر دی، حالانکہ حضرت عثمانؓ ہاشمی نہ تھے، بلکہ عبدِ شمس کی اولاد سے عبشمی تھے اور بنی ہاشم، دوسرے غیر ہاشمی قریش سے افضل ہیں، تو اِس

سے معلوم ہوا کہ ہر قریشی دوسرے قریشی کی کفو ہے اور ان میں تفاضل کا اعتبار نہیں۔
یہاں تک کفو کے متعلق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب بحوالہ مبسوط اور ہدایہ ذکر کیا گیا کہ امام ابوحنیفہؒ نکاح میں کفو کے قائل ہیں کہ قریش کا ہر فرد، دوسرے فرد کی کفو ہے اور قریش میں کفو کے متعلق تفاضل کا اعتبار نہیں۔ مُفتی کج فکر کا کفو کے متعلق نظریہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے بالکل خلاف ہے۔ اس طرح مُفتی مذکور صرف خود ہی نہیں ڈوبا، بلکہ حضرت اعلیٰ گولڑویؒ پر بھی افتراء باندھتا ہے کہ اعلیٰ حضرتؒ کا نظریہ بھی امامِ اعظمؒ اور احناف کے خلاف ہے۔ اس مُفتی کا نظریہ یہ ہے کہ غیر سیّدہ خواہ ہاشمی یا غیر ہاشمی قریش ہی ہو سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہیں ہے اور ان کے درمیان نکاح جائز نہیں، خواہ ولیِ اقرب نکاح پر راضی ہو یا نہ۔ اگر نکاح ہوا تو چونکہ یہ نکاح درست نہیں، لہٰذا تعلقِ زوجیت زنا ہوگا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) بندہ نے جو حدیثِ فعلی حنفی مذہب پر دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت عثمانؓ کو نکاح کر دی۔ اِس دلیلِ فعلی سے صاحبِ مبسوط اور صاحبِ ہدایہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ ہر قریشی دوسرے قریشی کی کفو ہے اور قریش میں کفو کے لحاظ سے تفاضل کا اعتبار نہیں ہے۔ اس حدیثِ فعلی کا مُفتی بہانہ تراش اور اس قماش کے دوسرے بے شعور مُلّاں یہ جواب دیتے ہیں کہ اگرچہ حضرت عثمانؓ، حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کفو نہیں تھے، اِس کے باوجود حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیر کفو میں نکاح کر کے دے سکتے تھے۔ اِن کا یہ جواب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افترا اور بہتان ہے اِس لیے کہ کسی مستند کتاب میں اِس خاصہ کا ذکر نہیں ملتا، بلکہ تمام فقہاءِ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اِس نکاح کو اِس امر پر بطورِ دلیل ذکر کر رہے ہیں کہ اِس نکاح سے یہ

ثابت ہوا کہ ہر قریشی دوسرے قریشی کی کفو ہے اور قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں ہے؛ جیسا کہ صاحبِ مبسوط اور صاحبِ ہدایہ نے اِس نکاح سے ثابت کیا ہے۔ قارئین! غور فرمائیے کہ فقہاءِ احناف حدیثِ قولی اور فعلی سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ حضرت عثمانِ غنی رضؓ، حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کفو ہیں اور یہ نکاح کفو میں ہوا ہے، جبکہ پندرہویں صدی کا ایک بے شعور مُلّا یہ رٹ لگا رہا ہے کہ یہ نکاح غیر کفو میں ہے اور خاصۂ رسول ہے۔ مزید برآں، خاصہ محض ایک مُلّا کے کہنے اور احتمال سے ثابت نہیں ہوتا؛ بلکہ خاصہ اور خصوصیّت کے لیے کتاب وسُنّت سے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر مفتیٔ مذکور کی علمی بساط اتنی ہے تو کتاب یا سُنّت سے ثابت کرے کہ غیر کفو میں نکاح کر دینا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا خاصہ ہے اور اِس حرام کو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم حلال قرار دے سکتے ہیں۔ علّامہ ابنِ حجر نے کسی اور مقام پر جب کسی امر کو آنحضرتؐ کا خاصہ قرار دیا، تو علّامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مشکوٰۃ میں ابنِ حجر کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ خاصہ صرف ابنِ حجر کے قول سے ثابت نہیں ہوتا؛ بلکہ اِس کے لیے کتاب وسنّت سے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور ابنِ حجر نے اِس خاصہ پر کوئی دلیل نہیں دی۔ تو غور کریں کہ جب ابنِ حجر کے محض قول سے خاصہ ثابت نہیں ہوتا، تو اِس دَور کے نام نہاد مفتی کے قول سے خاصہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔ مُفتیٔ ایمان فروش کا یہ کہنا کہ حضرت عثمانِ غنی رضؓ کا نکاح غیر کفو میں ہوا ہے اور یہ نکاح حرام تھا؛ لیکن خاصہ کی وجہ سے حلال ہوا۔ تو یہ مُفتی کا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کی شریعتِ مطہرہ پر محض افتراء اور بہتان ہے۔

قارئین! کفو کے متعلّق حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب پھر نقل کیا جاتا ہے۔ حضرت امام شافعی رحؒ بھی نکاح میں کفو کے قائل ہیں لیکن اُن کا مذہب احناف کے مذہب سے کچھ مختلف ہے۔ فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے: ففی الحدیث دلیل علیٰ انہٗ لا یعتبر التفاضل فی انساب قریش فھو حجۃ علی الشافعی فی ان الھاشمی

و المطّلبی اکفاء دون غیرھم بالنّسبۃ الیھم قالوا و زوّج النّبی صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم بنتیہ من عثمان و ھو اموی، و زوّج اُمّ کلثوم من عمر و ھو عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و علیٰ محمد فی اعتبارہ الزّیادۃ بالخلافۃ حتی لا یکا فیٔ اھل بیت الخلافۃ غیرھم من القرشیّین ھٰذا ان قصد بذٰلک عدم المکافاۃ لا ان قصد بہ تسکین الفتنۃ و فی الجامع لقاضی خان قالوا الحسیب یکون کفوًا للنّسیب فالعالم العجمی کفؤ للجاھل العربی والعلویّۃ لان شرف العلم فوق شرف النّسب۔ مذکورہ بالا عبارت میں ابنِ ہمامؒ نے مذہبِ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کو ثابت کیا ہے اور کفو کے متعلق حضرت امام شافعیؒ کا مذہب نقل کر کے اُس کو حدیث شریف سے رد کیا ہے اور حضرت امام محمد بن حسنؒ سے ایک روایت ہے جو کہ بظاہر حدیث شریف اور مذہبِ امام ابو حنیفہ رضؓ کے خلاف ہے۔ اِس روایت کو بھی ابنِ ہمامؒ صاحبِ فتح القدیر نے پہلے حدیث شریف سے رد کیا اور بعد میں اِس روایت کی توجیہ کی کہ یہ روایت حدیث شریف اور مذہبِ احناف کے خلاف نہیں ہے۔ اِس کے بعد ابنِ ہمامؒ نے ایک مشکل مسئلہ کا حل ذکر کیا۔ اِس مشکل مسئلہ کو آجکل کے نام نہاد بے سند مُفتی سمجھنے سے قاصر ہیں، خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اِس طویل عربی عبارت کو پیش کرنے کا اصل مقصد نسب کے لحاظ سے کفو کے متعلق حضرت امام شافعیؒ کا مذہب بیان کرنا ہے کہ امام شافعیؒ کا نسب کے لحاظ سے کفو کے متعلق یہ مذہب ہے کہ ہر قریشی دوسرے قریشی کا کفو نہیں ہے، بلکہ قریش سے صرف ہاشمی اور مطّلبی ایک دوسرے کی بلا تخصیص کفو ہیں اور دوسرے قریشی جو کہ ہاشمی اور مُطّلبی نہیں ہیں یہ ہاشمیوں اور مُطّلبیوں کے کفو نہیں ہیں۔ چونکہ ہاشمی دوسرے غیر ہاشمی قریش سے افضل ہیں۔ اِس لیے امام شافعیؒ نے قریش میں تفاضل کا اعتبار کیا ہے کہ چونکہ بنو ہاشم دوسرے غیر ہاشمی قریش سے افضل ہیں۔ لہٰذا ہاشمی تو

بلا تخصیص ایک دوسرے کی کفو ہیں، لیکن غیر ہاشمی قریشی بنو ہاشم کی کفو نہیں ہیں؛ چونکہ حضرت امام شافعیؒ نے بنو ہاشم میں تخصیص نہیں کی اِس لیے اُن کے نزدیک بھی غیر سیّد ہاشمی سیّدہ فاطمیہ کی کفو ہے اور اِن میں نکاح جائز ہے اور مفتی کا خود ساختہ مذہب یہ ہے کہ غیر سیّد خواہ ہاشمی ہو، سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہیں ہے اور اِن میں نکاح جائز نہیں ہے، خواہ ولیِ اقرب اِس نکاح پر راضی ہو یا نہ۔ اِس طرح مُفتی کا کفو کے متعلّق نظریہ جس طرح امامِ اعظمؒ کے مذہب کے خلاف ہے؛ اُسی طرح امام شافعیؒ کے مذہب کے بھی خلاف ہے اور یہی ثابت کرنا مقصود تھا۔

دلائلِ ابنِ ہمامؒ اور اِن مُفتیوں کے فتوے

قارئین! اب مذکورہ بالا طویل عربی عبارت سے ابنِ ہمامؒ کے دوسرے مقاصد کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مقصدِ اوّل۔ چونکہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کفو کے لحاظ سے قریش میں تفاضل کا اعتبار کیا ہے، جو کہ مذہبِ حنفی کے خلاف ہے، لہٰذا ابنِ ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذہبِ شافعیؒ کو تین وجہ سے رد کیا ہے۔ اوّل حدیثِ قولی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: قریش بعضہم اکفاء بعض۔ اِس حدیث شریف میں مطلق بعض قریش کو دوسرے بعض مطلق کی کفو قرار دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں ہے اور امام شافعیؒ نے جو فرمایا کہ غیر ہاشمی قریشی، ہاشمی کی کفو نہیں ہے تو اِس میں تفاضل کا اعتبار کیا گیا۔ پس چونکہ مذہبِ شافعی اِس حدیثِ قولی کے خلاف ہے۔ اِس لیے اِس حدیث سے مذہبِ شافعی رد ہو گیا۔ دوم حدیثِ فعلی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو نکاح کر دیں، حالانکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہاشمی اور حضرت عثمانؓ غیر ہاشمی اموی قریش تھے۔ تو معلوم ہوا کہ کفو میں بنی ہاشم کے تفاضل کا اعتبار نہیں۔ اِس لیے مذہبِ شافعی

اِس حدیثِ فعلی کے بھی خلاف ہے۔ لہٰذا یہ مذہب رد ہو گیا۔ غور فرمایئے کہ حضرت عثمانؓ کے نکاح کو ابنِ ہمامؒ نے بطورِ دلیل ذکر کیا کہ ہر قریشی دوسرے قریشی کی کفو ہے اور قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں اور حضرت عثمانؓ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر دو صاحبزادیوں کی کفو ہیں اور یہ نکاح کفو میں ہوئے اور حلال اور درست ہیں؛ جبکہ یہ برساتی مفتی اور اُس کے ہمنوا دوسرے لال بجھکڑ مفتی اِس نکاح کو غیر کفو میں قرار دیتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ حضورؐ کی صاحبزادیوں کی کفو نہیں تھے، اور اِن کے درمیان نکاح حرام تھا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کہ وہ حرام کو بعض لوگوں کے لیے حلال قرار دیں۔ لیکن اِس کو خاصہ قرار دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی شریعتِ مطہرہ پر صریح افتراء اور بہتان ہے۔ کسی حنفی فقیہ نے اِس خاصہ کا قول نہیں کیا، بلکہ تمام فقہاء اِس پر متفق ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ نکاح اِس امر کی دلیل ہے کہ ہر قریشی دوسرے قریشی کی کفو ہے اور قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں۔ اب اِس نکاح کو خاصہ قرار دینا اور حضرت عثمانؓ کو صاحبزادیوں کا غیر کفو قرار دینا بالکل باطل اور من گھڑت ہے، جس کا کتبِ مذہب میں کوئی وجود نہیں۔

مذکورہ بالا عربی عبارت میں ابنِ ہمامؒ نے حضرت امام شافعیؒ کے کفو کے متعلق مذہب کو تین وجوہ سے رد کیا ہے۔ وجہِ سوم: تعاملِ صحابہ اور تابعین، حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت اُمِّ کلثومؓ کا نکاح (جو سیدہ فاطمیہ تھیں) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے کر دیا، حالانکہ حضرت اُمِّ کلثومؓ ہاشمیہ تھیں اور حضرت عمرؓ غیر ہاشمی اور عدوی قریش تھے۔ تو معلوم ہوا کہ تمام قریش بلا تخصیص ایک دوسرے کی کفو ہیں اور اِن کے درمیان نکاح جائز اور حلال ہے اور یہ نکاح بھی کفو میں ہوا اور حضرت عمر فاروقؓ، سیدہ اُمِّ کلثومؓ کے کفو تھے؛ جبکہ مفتی کے نزدیک ایسا نہیں تھا۔ اِس لیے کہ اُس کا نظریہ یہ ہے کہ غیر سید خواہ قریش ہو، سیدہ فاطمیہ کی کفو نہیں ہے؛ لہٰذا اُس کے نزدیک یہ نکاح غیر کفو میں ہوا،

جو حلال نہیں اور تعلقِ زوجیت زنا ہے (العیاذ باللہ) یہاں خاصۂ رسول والا جواب بھی نہیں چل سکتا۔ لہٰذا اِس نکاح سے بھی کفو کے متعلق مذہبِ شافعی رد ہو گیا۔ کیونکہ اِن کے نزدیک غیر ہاشمی قریشی، ہاشمیوں کی کفو نہیں۔ کسی نے امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف سے اِس نکاح کا جواب دیا تو ابنِ ہمامؒ نے یہ جواب ذکر کر کے اُس کا رد کیا، فتح القدیر میں ہر دو مذکور ہیں۔

قارئین! یہاں تک کفو کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب بیان کیا گیا کہ ان کے نزدیک ہر ہاشمی دوسرے ہاشمی کی کفو ہے، اگرچہ سادات فاطمیہ سے ہو۔ اب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جذباتی مُفتی کا کفو کے متعلق نظریہ جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے خلاف ہے، اُسی طرح حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے بھی خلاف ہے۔ حضرت ابنِ ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا عربی عبارت میں امام محمد بن حسنؒ کی ایک روایت کا ذکر کر کے اُس کا رد کیا ہے اور امام محمدؒ کی اِس روایت سے غوغا فگن مُفتی وغیرہ اپنے نظریہ پر دلیل لاتے ہیں، لہٰذا اِس روایت کو ذکر کرنا اور پھر اِس کا رد ذکر کرنا ضروری ہے۔ یہ روایت مبسوطِ امام سرخسیؒ اور ہدایہ میں مع جواب مذکور ہے۔ ابنِ ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس روایت کو یہ ایں الفاظ ذکر کیا ہے:

وعلیٰ محمد فی اعتبارہ الزّیادۃ بالخلافۃ حتّٰی لا یکافیٔ اھل بیت الخلافۃ غیرھم من القرشیّین۔ حاشیۂ ہدایہ میں اِس روایت کی تفصیل یُوں بیان کی گئی ہے: یعنی قال محمد لا یعتبر التفاضل فیما بین قریش الّا ان یکون النّسب نسباً مشہوراً فی الحرمۃ کاھل بیت الخلافۃ فحینئذٍ یعتبر التّفاضل حتّٰی لو تزوّجت قریشیّۃ من اولاد الخلفاء قرشیّاً لیس من اولادھم کان للاولیاء حق الاعتراض۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قریش میں کفو کے اعتبار سے تفاضل کا اعتبار نہیں، مگر اہلِ بیتِ خلافت میں تفاضل

کا اعتبار ہے۔ مثلاً ایک عورت قرشیہ اولادِ خلفاء سے ہے، اس نے ایک مرد قریشی سے نکاح کیا، جو کہ اولادِ خلفاء سے نہیں ہے۔ تو اس عورت کے اولیاء اس نکاح پر اعتراض کر سکتے ہیں اور یہ اولیاء قاضی سے اس نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں۔ اور قاضی اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا عورت قرشیہ کا نکاح منعقد تو ہو جاتا ہے، لیکن لازم نہیں ہوتا، اس لیے اولیاء کے مطالبہ پر قاضی اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔ چونکہ امام محمدؒ کی یہ روایت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے خلاف ہے، کیونکہ احناف کے نزدیک ہر قریشی دوسرے قریشی کی بلا تخصیص کفو ہے۔ خواہ خلفاء کی اولاد ہو یا نہ ہو اور اس روایت کے مطابق امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اگرچہ دوسرے قریش میں تو تفاضل کا اعتبار نہیں، لیکن جو قریش خلفاء کی اولاد سے ہیں، ان میں تفاضل کا اعتبار ہے۔ لہٰذا جو قریشی خلفاء کی اولاد سے نہیں یہ اُس قرشیہ کی کفو نہیں، جو اولاد خلفاء سے ہے۔ اس لیے ابنِ ہمامؒ نے اس روایت کو رد کیا ہے کہ یہ روایت خلافِ حدیث شریف ہے۔ حدیث شریف یہ ہے کہ قریش کا ہر بعض بلا تخصیص دوسرے بعض کی کفو ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں۔ حتیٰ کہ بعض قریش اگرچہ خلفاء کی اولاد سے ہوں، دوسرا قریشی جو خلفاء کی اولاد سے نہیں اس کی کفو ہے تو ابنِ ہمامؒ نے اس روایت کو رد کیا ہے کہ یہ حدیث شریف کے خلاف ہے۔ ابنِ ہمامؒ نے اس حدیث شریف سے جس طرح امام شافعیؒ کا رد کیا ہے، اسی طرح امام محمدؒ کی روایت کا بھی رد کیا ہے۔ اس کے بعد ابنِ ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام محمدؒ کی روایت کی توجیہ کی ہے تاکہ یہ روایت حدیث شریف کے خلاف نہ رہے۔ خلاصۂ توجیہ یہ ہے کہ امام محمدؒ نے جو یہ کہا ہے کہ قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں ہے، لیکن جو قریش خلفاء کی اولاد سے ہیں، اُن میں تفاضل کا اعتبار ہے، حتیٰ کہ عورت قرشیہ، جو اولادِ خلفاء سے ہے، اگر اس عورت نے ایسے قریشی مرد سے نکاح کیا، جو اولادِ خلفاء سے نہیں ہے تو عورت

کے اولیار بذریعۂ قاضی اِس نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں۔ امام محمدؒ کی اِس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ جو قریشی مرد اولادِ خلفا سے نہیں ہے، یہ اُس قرشیہ عورت کا کفو نہیں ہے، جو اولادِ خلفار سے ہے۔ یعنی امام محمدؒ نے کفو کا انکار نہیں کیا، بلکہ امام محمدؒ کی روایت کا یہ مطلب بیان کیا کہ اگر اِس نکاح سے فتنہ و فساد کا خطرہ ہو تو اِس فتنہ و فساد کو روکنے کے لیے قاضی اولیار کے مطالبہ پر اِس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے اور یہ درست ہے کیونکہ اگر نکاح کفو میں ہو اور اُس میں فتنہ و مناقشت پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو ایسے نکاح کو بھی اولیار کے مطالبہ پر قاضی فسخ کر سکتا ہے۔ اِس توجیہ کی تفصیل حاشیۂ ہدایہ پر اِس طرح ہے: کانه یعنی محمدًا قال ذٰلك تعظیما للخلافة وتسکینًا للفتنة لا لانعدام اصل الکفاءة: اِسی توجیہ کو صاحبِ ہدایہ اور ابنِ ہمامؒ نے اِن الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے: هذا ان قصد بذٰلك عدم المکافأة لا ان قصد به تسکین الفتنة۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ امام محمدؒ کی روایت حدیثِ مذکورہ بالا کے خلاف اُس وقت ہے جب اِس کا یہ مطلب ہو کہ جو قریشی اولادِ خلفار سے نہیں ہے، یہ اُس قریشی کی کفو نہیں، جو اولادِ خلفار سے ہے اور اگر اِس روایت سے مراد یہ ہے کہ پہلا اور دوسرا قریشی اگرچہ باہم کفو ہیں، لیکن اگر اِس نکاح سے فتنہ و فساد پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو قاضی مطالبہ پر یہ نکاح فسخ کر سکتا ہے، تو یہاں یہ امر قابلِ غور ہے کہ جو نکاح کفو میں ہوا ہے، وہاں فتنہ و فساد کا خطرہ تب ہو گا کہ عورت نے بلا اجازتِ ولیِّ اقرب اپنی مرضی سے نکاح کیا اور اگر یہ نکاح ولیِّ اقرب کی اجازت سے ہوا تو پھر فتنہ و فساد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ فتنہ و فساد کا خطرہ تو ولیِّ اقرب کی طرف سے ہوتا ہے اور جب ولی اِس نکاح پر راضی ہے تو پھر اُس کی طرف سے فتنہ کا خطرہ غیر معقول بات ہے۔

قارئین! قبل ازیں ابنِ ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی طویل عربی عبارت نقل کی گئی ہے اور

وہاں یہ تصریح بھی کر دی گئی ہے کہ کفو کے متعلق اِس قلیل المطالعہ مُفتی کا نظریہ مذہب حنفی اور شافعی ہر دو کے خلاف ہے، یہ بھی کہا گیا کہ اِس عبارت سے ابنِ ہمامؒ کے اور مقاصد بھی ہیں؛ چنانچہ یہاں تک مقصدِ اوّل ذکر کیا گیا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ احناف نے قریش میں کفو کے لحاظ سے تفاضل کا اعتبار نہیں کیا اور حضرت امام شافعیؒ نے قریش میں تفاضل کا اعتبار کیا ہے؛ لیکن ابنِ ہمامؒ نے اِس اعتبارِ تفاضل کو تین وجوہ سے رد کر دیا۔ نیز امام محمدؒ نے بھی ایک روایت کے مطابق قریش میں تفاضل کا اعتبار کیا ہے کہ جو قرشیہ عورت اولادِ خلفاء سے ہے اُس کی کفو وہ مرد قریشی نہیں ہے، جو اولادِ خلفاء سے نہیں ہے۔ اِس طرح امام محمدؒ نے اولادِ خلفاء میں تفاضل کا اعتبار کیا ہے۔ تو ابنِ ہمامؒ نے پہلے تو اِس روایت کا رد کیا کہ یہ روایت حدیث شریف کے خلاف ہے اور پھر اِس روایت کی توجیہ کی۔

مُفتی کے اِستدلال کے رد کی وُجُوہات

قارئین! اب مقصدِ دوم ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ یہ عُقبیٰ فراموش مُفتی اور اِس کے ہمنوا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت سے اپنے باطل نظریے پر استدلال کرتے ہیں، لیکن یہ استدلال چند وجوہ کی بنا پر باطل ہے۔ اوّل یہ کہ ایک کسی امام سے روایت ہوتی ہے اور ایک اُس امام کا مذہب اور مختار ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا امام محمدؒ کی روایت ہے نہ کہ مذہب، اور اعتماد مذہب پر ہوتا ہے نہ کہ روایت پر۔ لہٰذا روایت سے استدلال باطل ہے۔ دوم یہ روایت چونکہ حدیث شریف (قریش بعضھم اکفاء بعض) کے خلاف ہے۔ لہٰذا اِس پر اعتماد نہیں ہے۔ جیسا کہ ابنِ ہمامؒ نے اِس کو رد کیا ہے۔ سوم۔ اِس روایت کا مطلب تو یہ ہے کہ جو قریش خلفاء کی اولاد سے ہیں، یہ سب بلاتخصیص ایک دوسرے کی کفو ہیں اور اِن میں نکاح جائز ہے۔ سیّدہ فاطمیہ چونکہ خلیفہ کی اولاد سے

ہیں لہٰذا سیّدنا ابوبکرؓ، سیّدنا عمرؓ اور سیّدنا عثمانؓ کی اولاد سیّدہ فاطمہؓ کی کفو ہے اور ان میں نکاح جائز ہے؛ لیکن مفتی وغیرہ کا نظریہ یہ ہے کہ غیر سیّد خواہ خلفاء کی اولاد سے ہو، سیّدہ فاطمہ کی کفو نہیں ہے اور ان میں نکاح جائز نہیں، حالانکہ روایتِ امام محمدؒ کے مطابق غیر سیّد جو اولادِ خلفاء سے ہے سیّدہ فاطمہ کا کفو ہے اور ان میں نکاح جائز ہے۔ چہارم: امام محمدؒ کی روایت کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر ایک عورت قریشیہ نے جو کہ خلفاء کی اولاد سے ہے، ایک قریشی مرد سے نکاح کیا جو کہ اولادِ خلفاء سے نہیں تو یہ نکاح صحیح اور منعقد ہے؛ لیکن لازم نہیں ہے اور عورت کے اولیاء بذریعۂ قاضی اِس نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں، مگر اِس مفتیٔ مذکور کا نظریہ یہ ہے کہ غیر کفو میں نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا تفسیخ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تو امام محمدؒ کی روایت سے مفتی وغیرہ کا اپنے موقف پر استدلال باطلِ محض ٹھہرا۔

حسیب ونسیب پر ابنِ ہمامؒ کی تصریح

قارئین! اِس مقصد میں ابنِ ہمام رحمہ اللہ تعالےٰ نے ایک مشکل ترین مسئلہ کا ذکر کیا ہے اور یہ مسئلہ نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ منزل ناآشنا مفتی اور اِس جیسے دوسرے نام نہاد مفتیان گمراہ ہوئے ہیں۔ مسئلہ ذکر کرنے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ایک الحسیب ہوتا ہے اور دوسرا النسیب۔ الحسیب وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں پھر اس کی دو قسم ہیں۔ قسمِ اوّل عالم خواہ کسی قومیت سے تعلّق رکھتا ہو۔ مثلاً عجمی ہو، موچی ہو یا جولاہا۔ قسمِ دوم کہ عالم تو نہیں ہے، لیکن ذی عزّت اور ذی مرتبہ اور صاحبِ منصب عجمی ہے، اور لوگ اُس کو عزّت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ابنِ ہمام نے ہر دو کا کفو کے متعلّق حکم بیان کیا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

و فی الجامع لقاضی خان قالوا الحسیب یکون کفؤاً للنّسیب فالعالم العجمی کفؤ للجاھل العربی والعلویّۃ لان شرف العلم فوق شرف النّسب۔

اِس عبارت میں اُس حسیب کا حکم ہے جو کہ عجمی عالم ہے کہ یہ عربی جاہل اور اولادِ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کفو ہے۔ اب غور فرمایئے کہ ساداتِ فاطمیہ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔ لہٰذا عجمی عالم ساداتِ فاطمیہ کی کفو ہے اور اِن کے درمیان نکاح رضائے ولی کے بغیر بھی جائز ہے۔ یہ کہنا کس قدر جہالت اور ظلم ہے۔ کہ عجمی عالم تو درکنار غیر سید ہاشمی اور قریشی بھی ساداتِ فاطمیہ کی کفو نہیں ہے اور اِن کے درمیان نکاح ناجائز اور حرام ہے۔ قاضی خان نے جو یہ کہا کہ عجمی عالم، جاہل عربی اور اولادِ علی رضی اللہ عنہ کی کفو ہے تو اِس کی دلیل یہ ہے کہ علمی شرافت کا مرتبہ نسبی شرافت سے زیادہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ شرافتِ علمی مرتبہ کے لحاظ سے شرافتِ نسبی کے برابر ہی نہیں، بلکہ زیادہ ہے۔ یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ تمام احناف کا اِس امر پر تقریباً اتّفاق ہے کہ شرافتِ علمی کا مرتبہ شرافتِ نسبی سے بڑھ کر ہے۔

حضرت گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کی تحریف

بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ صرف علّامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ ہے تو یہ کتبِ دینیہ سے ناواقفی کا نتیجہ ہے اور اعلیٰ حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز کی طرف یہ منسوب کرنا بھی غلط ہے کہ آپ کا بھی یہی نظریہ ہے کہ شرافتِ علمی کا مرتبہ شرافتِ نسبی سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ حضور رحمۃ اللہ علیہ پر صریح بہتان اور الزام تراشی ہے اور یار لوگوں نے آپ کی تحریر میں تحریف کرکے اُسے مفیدِ مطلب بنانے کی مذموم کوشش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے نزدیک شرافتِ علمی کا درجہ شرافتِ نسبی سے زیادہ ہے۔ بندہ نے قبل ازیں ذکر کیا ہے کہ حسیب دو قسم ہیں۔ اوّل عجمی عالم اور دوسرا عجمی غیر عالم ذی عزّت۔ یہاں تک ابنِ ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کفو کے لحاظ سے قسمِ اوّل کا حکم بیان کیا۔ اب قسمِ دوم کا حکم ملاحظہ ہو: و فی المحیط عن صدر الاسلام الحسیب ھو الذی لہ جاہ ومنصب وحشمۃ و فی الینابیع والاصح انہ لیس کفوءً للعلویۃ۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے

کہ دوسری قسم کا حسیب، جو کہ عالم نہیں ہے، لیکن کسی عہدہ اور مرتبہ پر فائز ہے اور لوگوں پر اُس کا رعب و دبدبہ ہے، تو یہ حسیب اولادِ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی کفو نہیں۔ اِسی مسئلہ کو درِّ مختار اور شامی میں بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو تنویر الابصار میں ہے: العجمی لا یکون کفوًا للعربیّۃ و ان کان العجمی عالماً او سلطاناً وھو الاصحّ۔ قبل ازیں فتح القدیر کے حوالے سے ذکر ہوا کہ الحسیب کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل عجمی عالم اور یہ ساداتِ فاطمیہ کی کفو ہے اور اِن میں نکاح جائز ہے۔ قسمِ دوم وہ عجمی جو عالم نہیں ہے، لیکن ذی عزّت اور صاحبِ منصب ہے، لوگ اُس کی عزّت کرتے ہیں اور لوگوں پر اُس کا رُعب ہے۔ مثلاً بادشاہ ہے۔ یہ عجمی ساداتِ فاطمیہ کی کفو نہیں ہے اور اِن میں ظاھر الرّوایہ کے مطابق نکاح لازم نہیں اور قاضی اولیاء کے مطالبہ پر اِس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے اور روایتِ حسنؒ بن زیاد کے مطابق اِس عجمی غیر عالم ذی عزّت اور ساداتِ فاطمیہ کے درمیان نکاح منعقد اور جائز ہی نہیں۔ لہٰذا قاضی کے فسخ کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ظاھر الرّوایہ اور روایت حسنؒ میں جو اختلاف ہے، یہ اُس صورت میں ہے کہ عورت عربیہ اور سیّدہ کے ولیِ اقرب نے اِس نکاح کی اجازت نہیں دی اور یہ نکاح بلا اجازتِ ولیِ اقرب کے ہوا ہے اور اگر یہ نکاح ولیِ اقرب کی اجازت سے ہوا ہے تو ظاھر الرّوایہ اور روایت حسنؒ بن زیاد کا اتّفاق ہے کہ یہ نکاح لازم ہے اور کوئی ولی قاضی کے ذریعہ اِس کو فسخ نہیں کرا سکتا۔ جو مسئلہ بحوالہ فتح القدیر بیان کیا گیا ہے۔ تنویر الابصار کی مذکورہ بالا عبارت اِس کے خلاف ہے۔ عبارتِ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ الحسیب کی دونوں قسمیں یعنی عربیہ عورت اور ساداتِ فاطمیہ کی کفو نہیں ہیں۔ تنویر الابصار کی اِس عبارت کو درِّ مختار اور علاّمہ شامیؒ اور دیگر فقہاءِ حنفیہ نے رد کیا ہے۔ درِّ مختار کا رد ملاحظہ ہو: لکن فی النّھر ان فسر الحسیب بذی المنصب و الجاہ فغیر کفو للعلویّۃ کما فی الینا بیع

وان فسر بالعالم فکفوٌ لان شرف العلم فوق شرف النّسب والمال کما جزم بہ البزّازی وارتضاہ الکمال وغیرہ والوجہ فیہ ظاھر ولذا قیل ان عائشۃ افضل من فاطمۃ۔ شامی میں ہے۔ ای لکون شرف العلم اقوٰی قیل ان عائشۃ افضل لکثرۃ علمھا۔ تنویرالابصار نے جو یہ کہا کہ عجمی خواہ عالم ہو یا غیر عالم سلطان، یہ دونوں عربیہ عورت اور اولادِ علیؓ کی کفو نہیں ہے تو تنویر الابصار کا یہ قول مردُود ہے اور رد اِس کو ینا بیع اور بزّازیہ اور کمال ابنِ ہمامؒ وغیرہ نے رد کیا ہے کہ الحسیب کی دو قسم اور دو تفسیر ہیں۔ تفسیرِ اوّل عجمی عالم اولادِ علیؓ اور ساداتِ فاطمیہ کی کفو ہے۔ تفسیرِ دوم: عجمی غیر عالم، ذی عزّت اور صاحبِ مرتبہ حسیب، ساداتِ فاطمیہ کی کفو نہیں ہے۔ تو تنویر الابصار کا یہ قول مردُود ہؤا کہ الحسیب کے دونوں قسم اولادِ علیؓ کی کفو نہیں ہیں اور اِس کی وجہ واضح ہے کیونکہ شرافتِ علمی، شرافتِ نسبی سے بہتر ہے اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ جنابِ فاطمہؓ سے اِسی وجہ سے افضل ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا علم زیادہ ہے۔ یہاں تک تنویرالابصار کا وہ رد ذکر ہؤا جو دُرِّ مختار نے کیا ہے۔ اب تنویر الابصار کا وہ رد ملاحظہ ہو جو علّامہ شامیؒ نے دیگر فقہاء کے حوالہ سے کیا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو: فی جامع قاضی خان الحسیب یکون کفوءً للنّسیب فالعالم العجمی یکون کفوءً للجاھل العربی والعلویۃ لانّ شرف العلم فوق شرف النّسب وارتضاہ فی فتح القدیر وجزم بہ البزّازی وزاد والعالم الفقیر یکون کفوءً للغنیّ الجاھل والوجہ فیہ ظاھر لانّ شرف العلم فوق شرف النّسب فشرف المال اولٰی نعم الحسب قدیرابہ المنصب والجاہ کما فسرہ بہ فی المحیط عن صدر الاسلام و ھٰذا لیس کفوءً للعربیۃ کما فی الینا بیع او کلام النھر۔ مذکورہ بالا عبارت جو شامی نے نقل کی ہے اور یہ نہر

فائق کی عبارت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حسیب کے دو معنی اور دو تفسیر ہیں۔ تفسیرِ اوّل: عالم عجمی، یہ حسیب ساداتِ فاطمیہ کی کفو ہے اور جن کتابوں میں یہ عبارت ہے کہ الحسیب یکون کفؤاً للنّسیب۔ اِس عبارت میں حسیب سے مراد عجمی عالم ہے اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ علمی شرافت کا مرتبہ نسبی شرافت سے برتر ہے اور یہی ابنِ ہمامؒ اور بزّازیہ کا مختار ہے اور بزّازیہ میں ایک اور مسئلہ کا بھی ذکر ہے، وہ یہ کہ فقیر اور تنگ دست عالم غنیِ جاہل کی کفو ہے اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ جب علمی شرافت کا مرتبہ نسبی شرافت سے زیادہ ہے تو پھر شرافتِ علمی کا مرتبہ شرافتِ مالی سے بطریقِ اولیٰ زیادہ ہوگا۔ یہاں تک حسب کے ایک معنی اور ایک تفسیر کا ذکر اور حکم بیان ہوا۔ اب الحسب کا دوسرا معنیٰ اور اِس کا حکم بیان کیا جاتا ہے، جس کو محیط، صدر الاسلام اور ینابیع نے ذکر کیا ہے کہ الحسب سے کبھی منصب اور بزرگ عہدہ مراد ہوتا ہے تو حسیب وہ عجمی جاہل ہے جو کسی اعلیٰ عہدہ پر فائز ہو اور لوگوں کے نزدیک معزّز ہو اور لوگ اُس کو عزّت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں۔ ایسا عجمی جاہل عربیّہ عورت اور ساداتِ فاطمیہ کی کفو نہیں ہے تو اِس سے معلوم ہوا کہ جن کتابوں میں یہ عبارت ہے: العجمی لیس کفؤ للعربیّۃ۔ اِس عجمی سے مراد غیر عالم ہے۔ علامہ شامیؒ نے اِس پر بایں الفاظ دلیل دی ہے کہ عبارتِ مذکورہ میں عجمی سے مراد غیر عالم ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو: والعرب اکفاء ای فلا یکافئھم غیرھم ولا یخفیٰ ان ھذا وان کان ظاھرہ الاطلاق ولکن قیّدہ المشائخ بغیر العالم وکم لہ من نظیر فان شان مشائخ المذھب افادۃ قیود وشرائط لعبارات مطلقۃ استنباطاً من قواعد کلیّۃ الخ۔ خلاصۂ عبارات یہ ہے کہ بعض متون وغیرہا میں یہ عبارت ہے کہ عرب ایک دوسرے کی کفو ہیں اور غیر عرب یعنی عجمی عرب کا کفو نہیں ہے، اِس عبارت کا ظاہر معنیٰ تو یہ ہے کہ عجمی مرد خواہ عالم ہو یا غیر عالم عجمی عربیہ کی کفو نہیں ہے، لیکن مشائخ نے اِس عجمی کو غیر عالم کے

ساتھ مقیّد کیا ہے کہ عجمی غیر عالم عرب عورت کی کفو نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ عجمی عالم، عربیہ عورت کی کفو ہے، بلکہ ساداتِ فاطمیہ کی بھی کفو ہے اور مشائخ نے جیسا یہاں عجمی کو غیر عالم کے ساتھ مقیّد کیا ہے، اِس کی بہت نظیریں ہیں کہ مشائخ نے مطلق کو مقیّد کیا ہے اور مشائخِ مذہب کی یہ شان ہے کہ مطلق عبارات کو مقیّد اور اُس کے شرائط ذکر کرتے ہیں اور یہ قیود و شرائط قواعدِ کلّیہ اور مسائلِ فرعیّہ سے مُستنبط کرتے ہیں۔ یہاں تک علّامہ شامیؒ نے تنویر الابصار کی مذکورہ بالا عبارت کا ایک طریقہ سے رد کیا ہے۔ عبارت یہ ہے:
العجمی لا یکون کفوًا للعربیّۃ ولو کان عالمًا: اِس عبارت کا تنویر الابصار میں اطلاق ہے کہ مطلق عجمی خواہ عالم ہو یا غیر عالم عربیّہ کی کفو نہیں ہے، لیکن یہ غلط ہے، اِس عجمی سے مراد غیر عالم ہے اور جو عجمی عالم ہے، وہ عربیہ عورت اور ساداتِ فاطمیہ کی کفو ہے۔ اب علّامہ شامیؒ نے ایک دوسرے طریقہ سے تنویر الابصار کا رد کیا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو: اقول حیث کان ما فی الینابیع من تصحیح عدم کفائۃ الحسیب للعربیّۃ مبنیًّا علیٰ تفسیر الحسیب بذی المنصب والجاہ لم یصح ما ذکرہ المصنّف من تصحیح عدم الکفاءۃ فی العالم وذکر الخیر الرّملی عن مجمع الفتاوٰی العالم یکون کفوًا للعلویّۃ لان شرف الحسب اقوٰی من شرف النسب وعن ھٰذا قیل انّ عائشۃ افضل من فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما لان لعائشۃ شرف العلم کذا فی المحیط۔ خلاصہ عبارت یہ ہے کہ ینابیع نے جو یہ کہا ہے کہ اصح یہ ہے کہ حسیب عربیّہ کی کفو نہیں ہے تو یہ اُس صورت میں ہے کہ حسیب کا معنٰی عجمی غیر عالم صاحبِ عزّت ہو اور اگر حسیب عجمی عالم ہو تو یہ عربیّہ اور علویّہ کی کفو ہے۔ لیکن مصنّفِ تنویر الابصار نے جو یہ کہا ہے کہ اصح یہ ہے کہ عجمی عالم عربیّہ اور علویّہ کی کفو نہیں ہے تو تنویر الابصار کا یہ کہنا غلط ہے اور اِس کی دلیل یہ ہے کہ علّامہ خیر الدّین رملیؒ صاحبِ فتاوٰی خیریہ نے مجمع الفتاوٰی

سے نقل کیا ہے۔ کہ عالم سادات علویہ کی کفو ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شرف الحسب زیادہ قوی ہے شرفِ نسب سے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ جناب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل ہیں؛ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شرف العلم حاصل ہے اور یہ محیط میں بھی ہے۔ تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تنویر الابصار میں یہ عبارت ہے: العجمی لا یکون کفؤاً للعربیۃ و لو کان عالما۔ یعنی عجمی خواہ عالم ہو یا غیر عالم یہ اولادِ علی رضی اللہ عنہ کی کفو نہیں، تو تنویر الابصار کی اِس عبارت کو درِّ مختار، علّامہ شامیؒ اور دیگر کثیر فقہاء نے رد کر دیا ہے، جیساکہ تفصیلاً گذر چکا ہے۔ تنویر الابصار کی مذکورہ عبارت میں اِس بے خرد مُفتی اور اِس کے ہمنوا دوسرے نام نہاد مُفتیوں کو جو متعدد لغزشیں ہوئی ہیں، اُن کی تفصیل یہ ہے کہ مُفتی عبارتِ مذکورہ سے اپنے نظریہ پر استدلال پیش کرتا ہے، یہ باطل ہے؛ کیونکہ مُفتی کا نظریہ تو یہ ہے کہ غیر سیّد ہاشمی ہو یا قریشی، سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہیں اور اِن میں نکاح جائز نہیں خواہ ولیِّ اقرب راضی ہو یا نہ اور تنویر الابصار کی عبارت میں نہ ہاشمی کا ذکر ہے نہ قریشی کا اور نہ سیّدہ فاطمیہ کا، بلکہ تنویر الابصار کی عبارت میں عجمی مرد اور عربیہ عورت کا ذکر ہے کہ یہ ایک دوسرے کی کفو نہیں اور عجمی، ہاشمی اور قریشی کے درمیان تضاد ہے؛ کیونکہ ہاشمی اور قریشی عرب ہیں اور عجمی غیر عربی کو کہتے ہیں تو ہاشمی، قریشی اور عجمی میں تضاد ہوا۔ اِس لیے مُفتی مذکور کا تنویر الابصار کی عبارت سے اپنے نظریۂ باطلہ پر استدلال تب درست ہوگا، جب عجمی کا معنیٰ ہاشمی اور قریشی ہو اور یہ معنیٰ مراد لینا نِری جہالت ہے۔

نیز تنویر الابصار کی عبارت میں عورت عربیّہ کا ذکر ہے، نہ کہ سیّدہ فاطمیہ کا۔ تنویر الابصار کی عبارت سے مُفتی مذکور کا استدلال تب دُرست ہو کہ عورت عربیّہ کا معنیٰ اور مراد سیّدہ فاطمیہ ہو۔ مُفتی کے استدلال کی ایک اور مثال پیش ہے کہ کوئی کہے کہ ابوجہل مسلمان نہیں تھا۔ لٰہذا پندرہویں صدی کا فلاں مُفتی مسلمان نہیں ہے تو جس طرح یہ استدلال باطل ہے۔ اِسی طرح تنویر الابصار کی عبارت سے مُفتی کا اپنے نظریۂ باطلہ پر استدلال بے دینی اور جہالت ہے۔

یہاں تک تنویر الابصار کی عبارت سے مُفتیٔ نام نہاد کے استدلال کو ایک وجہ سے باطل کیا گیا۔ اب وجہِ دوم ملاحظہ ہو۔ قبل ازیں گذر چکا ہے کہ تنویر الابصار کی عبارت میں مذکور مسئلہ کو کہ عجمی عالم بھی عربیہ کی کفو نہیں ہے۔ دُرِّ مختار، شامی، قاضی خان، بزّازیہ اور اِس کے سوا بہت سے فقہائے نے رد کیا ہے تو تنویر الابصار کی عبارت اور اِس میں مذکور مسئلہ مردود ٹھہرے۔

مُفتی کا استدلال بالمردود

قارئین! اِس عبارت سے مُفتی کا اپنے نظریہ پر استدلال؛ استدلال بالمرُدود ہے۔ اور اربابِ علم و دانش ایسے استدلال کو پسند نہیں کرتے۔ واضح ہو کہ استدلال بالمرُدود کے دو قسم ہیں۔ یہاں ایک قسم کا ذکر ہے جس کے قول سے استدلال کیا گیا ہے؛ اُس کو دوسرے علماء نے رد کر دیا ہے، جیسا کہ قول تو یہاں تنویر الابصار کا ہے اور اِس قول سے مُفتی نے اپنے نظریۂ باطلہ پر استدلال کیا ہے۔

چہ دلاور است دُزدے .....

قارئین! اِس قول کو علامہ شامیؒ اور دوسرے فقہاء نے رد کیا ہے اور استدلال بالمرُدود کی دوسری قسم یہ ہے کہ جس کے قول سے اپنی جہالت کی بنا پر استدلال کیا گیا ہے۔ خود اُس نے اپنے اِس قول کو رد کیا ہے، یہ استدلال بالمرُدود اوّل سے زیادہ قبیح ہے۔ اور بے سند مُفتی نے اِس استدلال بالمرُدود کا بھی ارتکاب کیا ہے؛ جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ مُفتی کو تنویر الابصار کی عبارت میں جو غلط فہمی ہوئی، اُس کا ذکر ختم ہوا۔ اب لغزشِ دوم ملاحظہ ہو: مذکورہ بالا عبارت جس سے مُفتی نے استدلال کیا ہے، اِس طرح ہے: العجمی لا یکون کفوًا للعربیّۃ و لو کان العجمی عالمًا۔ اور یہ عبارت

تنویر الابصار کی ہے۔ جو دِرِّ مختار کا متن ہے اور دُرِّ مختار اِس متن کی شرح ہے؛ لیکن مُفتی کا دعوٰی یہ ہے کہ مذکورہ بالا عبارت دُرِّ مختار کی ہے، یعنی یہ عبارت متن کی نہیں بلکہ شرح کی عبارت ہے۔ مُفتی کا یہ دعوٰی بھی چند وجوہ سے مردُود ہے۔ وجہِ اوّل: قاعدہ یہ ہے کہ متن کا شرح سے امتیاز کبھی تو اِس طریقہ سے ہوتا ہے کہ متن پہ لکیر ہوتی ہے، یا متن قوسین کے اندر ہوتا ہے مثلاً (العجمی لا یکون کفؤاً للعربیّۃ) اور دُرِّ مختار میں یہ عبارت قوسین کے درمیان ہے، جس سے معلوم ہُوا کہ یہ عبارت تنوا الابصار کی ہے۔ جو کہ متن ہے نہ کہ دُرِّ مختار کی عبارت ہے، جو کہ شرح ہے۔

وجہِ دوم۔ قبل ازیں گذر چکا کہ تنویر الابصار متن ہے اور دُرِّ مختار اُس متن کی شرح، اور اِس شرح پر علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ کا حاشیہ ہے اور اِس حاشیہ کا نام ردُّ المحتار ہے۔ علاّمہ شامیؒ نے اپنے اِس حاشیہ میں عبارتِ مذکورہ بالا کو تنویر الابصار کی عبارت قرار دیا ہے۔ علاّمہ شامیؒ کا حاشیہ قبل ازیں گذر چکا ہے، لیکن بقدرِ ضرورت دوبارہ نقل کیا جاتا ہے۔ (لم یصح ما ذکرہ المصنّف من تصحیح عدم الکفاءۃ فی العالم) یعنی مصنّف نے جو یہ کہا کہ عجمی عالم بھی عربیّہ عورت کی کفو نہیں ہے اور یہ اصح ہے تو مصنّف کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ اِس عبارت میں مصنّف سے مراد ماتنِ تنویر الابصار ہے۔ اِس لیے کہ یہ قول تنویر الابصار ہی کا ہے کہ عجمی عالم بھی عربیّہ عورت کی کفو نہیں ہے؛ کیونکہ دُرِّ مختار نے تو عجمی عالم کو عربیّہ عورت کی کفو قرار دیا ہے۔ لہٰذا مصنّف سے شارحِ دِرِّ مختار مراد نہیں ہو سکتا۔ اب اِس عبارت یعنی العجمی لا یکون کفوءً للعربیّۃ ولو کان عالمًا۔ کو علاّمہ شامیؒ نے تنویر الابصار کی عبارت قرار دے کر رد کیا ہے، تو ثابت ہُوا کہ عبارت تنویر الابصار کی ہے۔ اِس کو دِرِّ مختار کی عبارت قرار دینا جہالت اور عدمِ تفقّہ کی دلیل ہے (نعوذ باللّٰہ منہ) یہاں تک دو وجوہات کی بنا پر نخوت پسند مُفتی کے اِس دعوٰی کو باطل کیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا عبارت دِرِّ مختار

کی ہے۔ اب وجہِ سوم ملاحظہ ہو: علامہ شامیؒ نے جس طرح درِّ مختار پر حاشیہ لکھا ہے اسی طرح بحر الرائق پر بھی لکھا ہے۔ بحر الرائق کے حاشیہ میں علامہ شامیؒ نے مذکورہ عبارت کو صراحۃً تنویر الابصار کی عبارت قرار دے کر اس کا رد کیا ہے۔ علامہ شامیؒ کی عبارت ملاحظہ ہو: وفی تنویر الابصار العجمی لا یکون کفوءً للعربیّۃ ولو عالماً۔ یعنی عجمی مرد عربیّہ عورت کی کفو نہیں، خواہ عالم ہو یا غیر عالم۔ اب جس عبارت سے مُفتی مذکور نے استدلال کیا ہے، علامہ شامیؒ نے صراحۃً کہا ہے کہ یہ تنویر الابصار کی عبارت ہے نہ کہ درِّ مختار کی۔ کیونکہ درِّ مختار نے تو اس عبارت کو رد کیا ہے؛ اس کے بعد علامہ شامیؒ نے تنویر الابصار کا رد کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: اقول الثّابت فی ظاھر الرّوایۃ انّ العجمی لایکون کفوءً للعربیّۃ وھٰذا وان کان ظاھرہ الاطلاق لکن قیّدہ المشائخ بغیر العالم وکم لہ من نظیر حیث یکون اللّفظ مطلقاً فیحملونہ علٰی بعض مدلولاتہٖ اخذا من قواعد مذھبہ الخ۔

خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ ظاہر الرّوایہ میں یہ عبارت ہے کہ عجمی مرد عربی عورت کی کفو نہیں ہے۔ اب اس عبارت کا ظاہر تو اطلاق ہے کہ عجمی خواہ عالم ہو یا غیر عالم عربیّہ عورت کی کفو نہیں ہے، لیکن مشائخ نے عجمی مطلق کو غیر عالم کے ساتھ مقیّد کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ عجمی غیر عالم عربیّہ عورت کی کفو نہیں اور عجمی عالم عربیّہ عورت کی کفو ہے اور اس کی بہت نظیریں ہیں کہ لفظ مطلق ہوتا ہے اور مشائخ اس سے مراد بعض افراد لیتے ہیں، جس طرح عجمی کا لفظ مطلق ہے، لیکن مشائخ نے اس سے غیر عالم مراد لیا ہے اور مشائخ کی یہ تقیید قواعدِ مذہب سے ماخوذ ہوتی ہے۔ اب اس وجہِ سوم سے بھی ثابت ہوا کہ مُفتی نے جس کو درِّ مختار کی عبارت قرار دے کر اس سے استدلال کیا ہے، وہ عبارت تنویر الابصار کی ہے اور مردود ہے اور اس عبارت سے مفتی کا استدلال بالمردود ہے اور درِّ مختار کے علاوہ علامہ شامیؒ نے اپنے دو حواشی میں اس عبارت

کو رد کیا ہے۔

یہاں تک تین وجہ سے ثابت کیا گیا کہ عبارتِ مذکورہ کو درِّ مختار کی عبارت قرار دینا بالکل غلط ہے، جس کا ارتکاب مُفتیِ کج نہاد نے کیا ہے۔ اب وجہِ چہارم ملاحظہ ہو: مفتیِ مذکور نے جس عبارت کو درِّ مختار کی عبارت قرار دیا ہے وہ یہ ہے: العجمی لا یکون کفؤاً للعربیّۃ ولو عالماً وھو الاصحّ۔ یعنی عجمی مرد خواہ عالم ہو یا غیرِ عالم، عربیّہ عورت کی کفو نہیں ہے اور یہ زیادہ صحیح ہے۔ مذکورہ بالا عبارت کو درِّ مختار کی عبارت قرار دینا بالکل غلط ہے، اِس لیے کہ یہ عبارت تنویر الابصار کی ہے؛ اگر اِس کو درِّ مختار کی عبارت قرار دیا جائے تو چند خرابیاں لازم آئیں گی۔ اوّل: درِّمختار نے خُود شرح میں اِس عبارت کو رد کیا ہے۔ جس کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ اُس نے اپنی ہی بات کو رد کیا اور کوئی صاحبِ ہوش ایسا نہیں کرتا۔ دوم: اِس مذکورہ عبارت کے آخر میں ہے۔ وھو الاصحّ، یعنی یہ مسئلہ زیادہ صحیح ہے کہ عجمی خواہ عالم ہو یا غیرِعالم عربیّہ کی کفو نہیں، تو اگر یہ عبارت درِّ مختار کی ہو تو یہ معنیٰ ہوگا کہ درِّ مختار کے نزدیک یہ مسئلہ اصحّ اور مختار ہے اور بعد میں جب اُس نے اِس مسئلہ کو رد کیا ہے تو یہ معنیٰ ہوگا کہ یہ مسئلہ درِّ مختار کے نزدیک نہ اصحّ ہے نہ مختار، اور کوئی عاقل اپنے اصحّ اور مختار کو رد نہیں کرتا۔ جس عبارت کے ساتھ درِّمختار نے اِس مسئلہ کو رد کیا ہے وہ عبارت قبل ازیں گذ چکی ہے، لیکن اُس کا دوبارہ ذکر کرنا اِس لیے ضروری ہے تاکہ مسئلہ مُستحضر ہو جائے۔ درِّ مختار کی عبارت ملاحظہ ہو: ان فسر الحسیب بذی المنصب والجاہ فغیر کفو للعلویّۃ کما فی الینابیع وان العالم فکفوء لانّ شرف العلم فوق شرف النّسب کما جزم بہ البزازی و ارتضاہ الکمال وغیرہ والوجہ فیہ ظاھر ولذا قیل ای لکون شرف العلم اقوٰی قیل ان عائشۃ افضل من فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما لکثرۃِ علمہا۔

بناسپتی حنفی مُفتی

دُرِّ مختار کے رد کا خلاصہ یہ ہے کہ عبارتِ متنازعہ میں جو یہ ہے کہ عجمی خواہ عالم ہو یا غیر عالم یہ عورت عربیہ علویہ کی کفو نہیں ہے۔ کیونکہ جو عجمی غیر عالم ہے، وہ تو علویہ کی کفو نہیں، لیکن جو عجمی عالم ہے، وہ علویہ کی کفو ہے۔ بزّازیہ اور ابنِ ہمام اور دوسرے فقہاء کا یہی مختار ہے اور اِس کی دلیل واضح ہے کہ علمی شرافت کا رتبہ نسبی شرافت سے بڑھ کر اور زیادہ قوی ہے۔ اِسی لیے کہا گیا کہ حضرت عائشہ صدّیقہ جنابِ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل ہیں اور اِس کی وجہ یہی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا علم زیادہ ہے۔ اِن چار وجوہات سے ثابت ہو گیا کہ مذکورہ بالا عبارت دُرِّ مختار کی نہیں ہے۔ مفتی کو دو اُمور میں دھوکہ ہُوا۔ اوّل کہ تقریباً تمام فقہاء کا اتّفاق ہے کہ شرافتِ علمی شرافتِ نسبی سے بہتر ہے۔ جبکہ مُفتی اِس کا مُنکر ہے۔ دوم یہ مسئلہ بھی احناف کا متفقّہ ہے کہ حضرت عائشہ صدّیقہ جنابِ فاطمہ زہرا رضی سے افضل ہیں اور جعلی مُفتی اِس کا بھی منکر ہے۔ تو اِس طرح مفتی بناسپتی حنفی ٹھہرا۔ اب وجہ پنجم ملاحظہ ہو، مُفتیِ سینہ زور نے جس عبارت کو دُرِّ مختار کی عبارت قرار دیا ہے، اُسی سے اپنے باطل نظریہ پر استدلال کیا ہے اور پھر دُرِّ مختار نے اِس عبارت کو رد کیا، تو گویا یہ عبارت اُس کے نزدیک مردود ٹھہری۔ تو مُفتی کا اِس مردود عبارت سے استدلال کرنا، استدلال بالمردود ہے۔ قبل ازیں گذر چکا کہ استدلال بالمردود کی دو قسمیں ہیں اور اِس مُفت سے مشتق مُفتی نے دونوں کا ارتکاب کیا ہے۔ قسمِ اوّل: جس آدمی کی عبارت سے استدلال کیا گیا ہے، دوسرے فقہاء نے اُس عبارت کو رد کیا ہے اور اُن کے نزدیک یہ عبارت مردود ہے، جیسا کہ عبارتِ متنازعہ دراصل تنویر الابصار کی ہے اور دُرِّ مختار اور علاّمہ شامیؒ نے اِس عبارت کو رد کیا، تو یہ عبارت اِن دونوں کے نزدیک مردود

ٹھہری اس لیے مفتی کا اس سے استدلال، استدلال بالمردود ٹھہرا۔ قسم دوم: جس آدمی کی عبارت سے استدلال کیا گیا ہے خود اُس آدمی نے اپنی عبارت کو رد کیا ہے اور یہ عبارت اُس آدمی کے نزدیک مردُود ہے، جیسا کہ عبارتِ متنازعہ کو مفتی نے درِّ مختار کی عبارت قرار دے کر اُس سے استدلال کیا ہے، حالانکہ درِّ مختار نے اس عبارت کو رد کیا ہے اور یہ عبارت درِّ مختار کے نزدیک مردود ہے، تو اب واضح ہو گیا کہ مُفتی ہوش باختہ نے استدلال بالمردود کی دونوں اقسام کا ارتکاب کیا ہے۔ عبارتِ متنازعہ یہ ہے: العجمی لایکون کفوٴ للعربیّۃ ولو عالماً وھو الاصحّ۔ اس عبارت کے فہم میں مُفتی کو متعدد لغزشیں ہوئی ہیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

ان لغزشوں کے علاوہ جو شرمناک حرکت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مُفتی نے ان دونوں لغزشوں کو اعلیٰ حضرت گولڑوی حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ قدّس سرّہ العزیز کی طرف منسوب کیا ہے۔ یعنی اعلیٰ حضرت گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عبارتِ مذکورہ بالا سے استدلال کیا ہے اور اس عبارت کو درِّ مختار کی عبارت قرار دیا ہے اور یہ کہ فتاوٰی مہریہ میں اسی طرح مذکور ہے۔ تو بندہ عرض کرتا ہے کہ ان لغزشوں کو اعلیٰ حضرتؒ کی طرف منسوب کرنا آپ پر بہتان اور افتراء ہے، جس کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ اور اس عبارت کو فتاوٰی مہریہ میں مذکور کہنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ اعلیٰ حضرتؒ کی عبارت ہے۔ کیونکہ فتاوٰی مہریہ اعلیٰ حضرت قدّس سرّہ کی تصنیف نہیں ہے، بلکہ بعد کے مُفتیوں نے فتاوٰی کو جمع کیا ہے اور یہ لغزشیں اُن جمع کنندہ مُفتیوں سے سرزد ہوئی ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر فتاوٰی مہریہ میں مذکور عبارت کو اعلیٰ حضرت گولڑوی قدّس سرّہ العزیز کی عبارت تسلیم کیا جائے تو اس عبارت پر بندہ نے جو اعتراضات

کیے ہیں (خاکم بدہن)، یہ سب اعلیٰ حضرت گولڑوی قدس سرہٗ پر وارد ہوں گے اور بندہ نے قبل ازیں ذکر کیا ہے کہ مُفتیِ قلیل المطالعہ کو عبارتِ مذکورہ بالا میں متعدد لغزشیں ہوئی ہیں، وہ اعلیٰ حضرتؒ کی طرف بھی منسوب ہوں گی اور اِس طرح اِس ہیچ میرز مُفتی اور حضرت اعلیٰ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے درمیان فرق نہیں رہے گا۔ حالانکہ ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ اس لیے مذکورہ بالا اعتراضات اور قبائح کو رازیٔ دوراں اور قطبِ زماں کی طرف منسوب کرنے سے یہ بہتر ہے کہ اِن قبائح کو کسی مُفتیٔ جمع کنندہ کی طرف منسوب کیا جائے۔ یہاں اِس کی ایک مثال پیش ہے۔ قرآنِ پاک میں ایک آیت حضرت سلیمان علیہ السّلام کے متعلّق ہے اور بعض راویوں نے اِس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ پر نمازِ عصر فرض تھی، جبکہ وہ گھوڑدوڑ کی منظر بینی میں مشغول رہے اور سُورج غروب ہوگیا اور نماز قضا ہوگئی۔ امام فخرالدّین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس روایت کا اِنکار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ راویوں سے غلطی اور لغزش ہوئی ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معصُوم نبی کی طرف غلطی اور لغزش کی نسبت کرنے سے یہ بہتر ہے کہ اِسے راوی کی طرف منسوب کیا جائے۔

مَیں نے بھی فتاوٰی مہریہ کی عبارت میں حضرت امام رازیؒ کا اِتّباع کیا ہے۔

بندہ قارئینِ کرام سے معذرت خواہ ہے کہ یہ فقیر اپنے اصل مقصد سے کسی قدر دُور چلا گیا، اِس لیے اب اصل مقصد کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اصل مقصد یہ بیان کرنا تھا کہ ائمۂ اربعہ کا کُفو کے متعلّق کیا مذہب ہے اور یہاں یہ ثابت کرنا ہے کہ کُفو کے متعلّق مُفتی کا نظریہ ائمۂ اربعہ کے سراسر خلاف ہے۔ یہاں تک کُفو کے متعلّق امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب ذکر کیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مُفتی کا نظریۂ کُفو اِن دو اماموں کے خلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہر قریشی، سیّدہ فاطمیہ کی کفو ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر ہاشمی، سیّدہ فاطمیہ کی

کُفو ہے۔ جبکہ مُفتیِ مفقود العلم اِن ہر دو کا منکر ہے اور اُس کا نظریہ باطل یہ ہے کہ سیّدہ فاطمیہ اگرچہ ہاشمیہ اور قریشیہ ہے، لیکن غیر سیّد ہاشمی اور قریشی اُس کا کفو نہیں اور یہ نظریہ حدیثِ قولی اور فعلی ہر دو کے خلاف ہے۔ لہٰذا باطل اور مردُود ہے۔
اب کُفو کے متعلّق امام مالکؒ کا مذہب ذکر کیا جاتا ہے۔ دُرِّ مختار اور شامی میں ہے:

(و تعتبر الکفاءۃ للزوم النّکاح خلافاً لمالکؒ) (فی اعتبار الکفائۃ خلاف مالک، و الثوری، و الکرخی، من مشائخنا کذا فی فتح القدیر و فی حاشیۃ الدّرر ان الامام ابا الحسن الکرخی و الامام ابابکر الجصّاص لم یعتبروا الکفائۃ فی النّکاح ولو لم یثبت عندھم ھٰذہ الرّوایۃ عن ابی حنیفۃ رحمہم اللہ تعالیٰ لما اختاروھا و ذھب جمھور مشائخنا الی انّھا معتبرۃ

امام مالکؒ، امام ثوریؒ، امام کرخیؒ اور امام ابوبکر جصّاصؒ کے نزدیک کُفو نہ لزومِ نکاح میں معتبر ہے نہ صحّتِ نکاح میں۔

قارئین! خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ امام مالک، امام ثوری، امام ابوبکر جصّاص رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کفو نہ لزومِ نکاح میں معتبر ہے اور نہ صحّتِ نکاح میں۔ یعنی یہ ائمّہ، کفو کا اعتبار ہی نہیں کرتے، بلکہ انکار کرتے ہیں اور اِن کے نزدیک ہر مسلمان خواہ عربی ہو یا عجمی، ہر مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ خواہ وہ عورت سیّدہ فاطمیہ ہو یا نہ ہو اور اِن کے درمیان نکاح جائز ہے۔ امام کرخی امام ابوبکر جصّاص رحمہما اللہ تعالیٰ مشائخِ احناف سے ہیں۔ تو معلوم ہُوا کہ اِن ہر دو کے نزدیک امام اعظم سے یہ روایت ثابت ہے کہ نکاح میں کفو کا اعتبار نہیں: ہر مسلمان مرد ہر مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے خواہ وہ عورت سیّدہ فاطمیہ ہی کیوں نہ ہو۔ مذکورہ بالا عبارت

سے معلوم ہُوا کہ کفو کے متعلق احناف کے دو مذہب ہیں۔ اوّل: جمہور مشائخ احناف کا کہ احناف میں کفو کا اعتبار ہے اور تمام قریش ایک دوسرے کی کفو ہیں اور قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں۔ مثلاً مرد اگر غیر ہاشمی ہے تو وہ عورت ہاشمیہ کی کفو ہے۔ اگرچہ ہاشمی غیر ہاشمی قریشی سے افضل ہیں۔ مذہب دوم: امام کرخی اور امام ابوبکر جصاص رحمہما اللہ کا ہے کہ نکاح میں کفو کا اعتبار نہیں مثلاً ایک عجمی مسلمان مرد سیّدہ فاطمیہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ یہاں تک درِ مختار اور شامی کی عبارت سے ثابت کیا گیا کہ امام مالک، امام کرخی، امام ابوبکر جصاص اور امام ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نکاح میں کفو کا اعتبار ہی نہیں اور یہ ائمہ کفو کے منکر ہیں۔ اب اِن ائمہ کا مذہب ابنِ ہمام صاحبِ فتح القدیر کی عبارت سے ثابت کیا جاتا ہے، عبارت ملاحظہ ہو (و فی اعتبار الکفائۃ خلاف مالك، و الثوری، و الکرخی من مشائخنا لما روی عنه صلّی اللّٰه علیه وآله وسلّم الناس سواسیة کأسنان المشط لا فضل لعربی علیٰ عجمی انّما الفضل بالتقوی) خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ امام مالک، امام ثوری اور امام کرخی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب ہے کہ نکاح میں کفو کا اعتبار نہیں اور اِن کی دلیل یہ حدیث ہے جو آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم سے روایت کی گئی ہے؛ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ سب لوگ باہم اِس طرح برابر ہیں، جیسے کنگھی کے دندانے، عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، فضیلت صرف تقویٰ کے سبب سے ہے۔ قارئین! معلوم ہُوا کہ مفتی کا نظریہ اِن تمام ائمہ مذکورہ کے مذہب کے خلاف ہے۔ جیسا کہ اُن کا نظریہ تفصیلاً اُوپر بیان ہُوا۔

مفتی کا نظریۂ کفو حضرت غوثِ اعظمؒ کے نظریے کے بھی خلاف ہے۔

قارئین! یہاں مستند دلائل سے ثابت کیا گیا کہ اِس مدّعی عقیدت مفتی کا یہ نظریۂ کفو کہ اولادِ

فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا غیر سید مرد، خواہ قریشی یا ہاشمی ہو، کفو نہیں اور اِن کے درمیان نکاح ناجائز ہے، اگرچہ ولیِ اقرب راضی بھی ہو۔ یہ نظریہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے نظریات سے متصادم اور مخالف ہے۔ اب یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ مُفتی کا یہ نظریۂ کفو امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ کے بھی خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب مُغنی ابن قُدامہ، جو حنبلی فقہ کی مستند کتاب ہے اور مصنّفِ کتاب ابنِ قُدامہ حضرت غوثِ اعظم جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد ہے۔ لہٰذا کفو کے متعلق جو کچھ مغنی ابنِ قُدامہ میں مذکور ہے، حضرت غوث اعظم جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی وہی مذہب اور مختار ہے۔ اس طرح اِس مُفتیِ مداہن کا نظریہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ کے بھی خلاف ہے اور مشائخ کا خلاف اگرچہ دلیل کی بنیاد پر بھی ہو، اِس بہ ظاہر پیکرِ نیاز مُفتی کے نزدیک مذموم و مردُود ہے (مُغنی ابنِ قُدامہ جلد سادس ص ۴۸۰ تا ۴۸۴) (اختلف الرّوایۃ عن احمد فی اشتراط الکفائۃ لصّحۃ النّکاح فروی عنہ انّما شرط لہٗ) خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ کفو صحتِ نکاح کے لیے شرط ہے، اِس کے متعلق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایات مختلف ہیں۔ روایتِ اوّل یہ ہے کہ صحتِ نکاح کے لیے کفو کا ہونا شرط ہے۔ اِس روایت کے مطابق نکاح غیر کفو میں سِرے سے صحیح ہی نہیں۔ والرّوایۃ الثّانیۃ عن احمد انہا لیست شرط فی النّکاح و ھٰذا قول اکثر اھل العلم اور کفو سے متعلق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ نکاح میں کفو شرط نہیں، ہر مسلمان مرد، ہر مسلمان عورت سے نکاح کر سکتا ہے اور اِن کے درمیان نکاح صحیح اور جائز ہے، خواہ مرد عجمی ہو اور عورت اولادِ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے ہو اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت اکثر اہلِ علم کا قول ہے۔ اِس طرح دوسری روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا کفو کے متعلق وہی مذہب ہے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور قبل ازیں ثابت کیا جا چکا ہے کہ اِس معاندِ فقہاء مُفتی کا نظریۂ کفو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایتِ ثانیہ پر ابنِ قُدامہ نے کتاب مُغنی میں

چند دلائل ذکر کیے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔ دلیل اوّل۔ (روی نحو هٰذا عن عمرو ابنِ مسعود و عمر بن عبد العزیز و مالک) خلاصہ یہ کہ نکاح میں کفو شرط نہیں، یہ صحابہؓ مذکورین، تابعین اور تبع تابعین کا مذہب ہے۔ دلیلِ دوم۔ قولہ تعالیٰ۔ انّ اکرمکم عند اللهِ اتقاکم۔ یعنی تمام مسلمانوں میں اللہ کے نزدیک زیادہ بزرگ اور عزّت والا وہ ہے، جو تم میں سے زیادہ مُتّقی اور اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بزرگی اور عزّت کا مدار اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کے نزدیک تقویٰ اور پرہیزگاری پر ہے، نہ کہ نسب پر۔ تو اِس آیت میں نسب کی بزرگی کی نفی ہے اور اِسی طرح نسب کے لحاظ سے کفو کی بھی نفی ہے۔ دلیلِ سوم: امر النّبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فاطمة بنت قیس ان تنکح اسامة بن زید مولاہ فنکحها بامرہٖ وھی من قریش وزوّج اباہ زید بن حارثه ابنت عمّته زینب بنت جحش الاسدیّة وقالت عائشةؓ ان ابا حذیفة بن عتبة بن ربیعة تبنی سالما وانکحهٗ ابنة اخیه هند ابنة الولید بن عتبة وھو مولیٰ لامرءة من الانصار: خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ فاطمہ بنتِ قیس نے جو کہ قریش سے ہے، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم پر اُسامہ بن زید کے ساتھ نکاح کیا اور اُسامہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا آزاد کردہ غلام تھا اور اِسی طرح آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی پھوپھی زاد زینب بنتِ جحش اسدیہ کا نکاح حضرتِ زید بن حارثہ کے ساتھ کردیا اور حضرتِ زید بھی آزاد شُدہ غلام تھے۔ اور غلام مرد، آزاد عورت کی کفو نہیں لہٰذا اگر نکاح میں کفو کا اعتبار ہوتا تو یہ نکاح غیر کفو میں ناجائز ہوتے؛ حالانکہ یہ سب نکاح جائز ہیں۔ تو معلوم ہُوا کہ نکاح میں کفو کا کوئی اعتبار نہیں۔ اِسی طرح ہند بنتِ ولید بن عتبہ کا نکاح سالم کے ساتھ ہُوا جو قریش سے تھی اور سالم ایک انصاریہ عورت کا آزاد شدہ غلام تھا۔ اِن سب واقعات

سے معلوم ہوا کہ نکاح میں کفو شرط نہیں ہے اور نکاح غیر کفو میں جائز ہے۔ یہاں تک امام احمدؒ کی دوسری روایت اور اس کے دلائل کا ذکر ہوا کہ نکاح میں کفو شرط نہیں اور یہ غیر معتبر ہے۔ اب امام احمدؒ کی روایتِ اوّل کا ذکر کیا جاتا ہے کہ نکاح میں کفو شرط ہے، مُغنی ابنِ قدامہ کی عبارت ملاحظہ ہو۔ (واختلفت الرّواية عن احمد فروی عنه ان غير قريش من العرب لا يكافئهم والرّواية الثّانية عن احمد ان العرب بعضهم لبعض اكفاء) خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ روایتِ اوّل جو امام احمدؒ سے کفو کے متعلق ہے کہ نکاح کے لیے کفو شرط ہے۔

تو اس میں امام احمدؒ کے دو قول ہیں۔ قولِ اوّل یہ کہ سب قریش ایک دوسرے کی کفو ہیں اور غیر قریش عرب قریش کی کفو نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ساداتِ فاطمیہ چونکہ قریش ہیں اس لیے غیر سیّد قریشی ان کا کفو ہے اور سیّدہ فاطمیہ کے ساتھ غیر سیّد قریشی کا نکاح جائز ہے۔ البتّہ جو عرب قریش نہیں ہیں، وہ قریش کا کفو نہیں ہیں اور ان کے درمیان نکاح جائز نہیں۔ قولِ دوم یہ ہے کہ تمام عرب ایک دوسرے کی کفو ہیں اور ان کے درمیان نکاح جائز ہے۔ اب ساداتِ فاطمیہ بھی چونکہ عرب ہیں لہٰذا غیر سیّد عرب ساداتِ فاطمیہ کی کفو ہیں اور ان کے درمیان نکاح جائز ہے، البتّہ غیر عرب، عرب کا کفو نہیں۔

قارئین! غور فرمائیے کہ امام احمدؒ کی ایک روایت تو یہ ہے کہ نکاح میں کفو شرط نہیں، چنانچہ اِس روایت کے مُطابق ہر غیر سیّد مرد، سیّدہ فاطمیہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ خواہ وہ نہ ہاشمی ہے نہ قریش نہ عرب۔ مُفتی کا نظریۂ کفو امام احمدؒ کی اِس روایت کے بھی خلاف ہے۔ اِس لیے کہ اُس کا من گھڑت مذہب یہ ہے کہ غیر سیّد ہاشمی بھی سیّدہ فاطمیہ کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا اور امام احمدؒ کی دُوسری روایت یہ ہے کہ نکاح میں کفو شرط ہے اور اس میں دو قول ہیں۔ اوّل یہ کہ ہر قریشی مرد ہر عورت قرشیہ کی کفو ہے تو چونکہ ساداتِ فاطمیہ بھی قریش سے ہیں، لہٰذا ہر

ہاشمی اور قریش سیّدہ فاطمیہ کی کفو اور اِن کے درمیان نکاح جائز ہے۔ قولِ دوم یہ ہے کہ ہر عربی دوسرے عربی کی کفو ہے۔ مُفتی کا نظریہ کفو امام احمدؒ کے ہر دو اقوال کے خلاف ہے اس لیے کہ مُفتیٔ متوغل عربی تو در کنار، غیر سیّد ہاشمی کو بھی سیّدہ فاطمیہ کا کفو تسلیم نہیں کرتا۔

قارئین! بندہ نے اِس طویل مضمون میں مستند دلائل اور حوالہ جات سے ثابت کیا ہے کہ اِس غیر مہذب مُفتی کا کفو کے متعلق یہ نظریہ کہ سیّدہ فاطمیہ کا غیر سیّد ہاشمی اور قریشی کفو نہیں ہے اور اِن کے درمیان نکاح ناجائز ہے، ائمہؒ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ ابنِ حنبل کے مذہب کے خلاف ہے۔ بندہ مُفتیٔ گردن فراز کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ مستند دلائل سے اپنے نظریۂ کفو کو کسی بھی امام کا مذہب ثابت کر دے۔ اب مستند دلائل سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی نام نہاد مفتی ایسا قول کرتا ہے، جو ائمہؒ اربعہ کے خلاف ہے تو ایسے مُفتی اور اُس کے قول کا کیا حکم ہے۔

الاشباہ والنّظائر میں ہے کہ: ممّا لا ینفذ القضاء به ما اذا قضٰی بشئ مخالف للاجماع و هو ظاهر وما خالف الائمّة الاربعة مخالف للاجماع فقد صرّح فی التّحریر انّ الاجماع انعقد علٰی عدم العمل بمذهب مخالف للاربعة۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ اگر کسی قاضی نے ایسے حکم کی قضا کی جو اجماعِ اُمّت کے خلاف ہے، تو قاضی کی یہ قضا نافذ نہ ہو گی؛ بلکہ مردود ہو گی اور اُس پر عمل جائز نہ ہوگا اور اِسی طرح اگر کسی قاضی نے ایسی قضا کی جو ائمہؒ اربعہ کے خلاف ہے تو یہ قضا بھی خلافِ اجماع ہے، اِس لیے نافذ نہ ہو گی اور ابنِ ہمامؒ نے کتاب تحریر میں فرمایا کہ اِس امر پہ اجماع ہے کہ جو مذہب اور نظریہ ائمہؒ اربعہ کے خلاف ہو اُس پہ عمل نہ کرنا ضروری ہے۔ فاعتبروا یا اُولِی الابصار۔

مُفتی کے نظریۂ کفو کا ائمۂ اربعہ میں سے کوئی امام بھی قائل نہیں۔

لہٰذا یہ نظریہ خلافِ اجماع ہے اور اگر قاضی القضاۃ بھی اِس نظریہ کے مطابق قضا اور حکم کرے تو یہ قضا بھی نافذ نہ ہوگی بلکہ مردود ہوگی کیونکہ یہ قضا ہی خلافِ اجماع ہے اور اِس پر عمل نہ کرنے پر بھی اجماع ہے۔ جیسا کہ تحریر ابنِ ہمامؒ کے حوالہ سے گذر چکا ہے۔ جب اِس نظریہ کے مطابق قاضی کی قضا مردود ہے تو طفل طبع مُفتی اور اُس کے ہمنوا مُفتیوںؒ کا مذکورہ فتوٰی بطریقِ اولیٰ مردود ہوگا، چونکہ یہ فتوٰی خلافِ اجماعِ اُمّت ہے اور اِس فتوٰی پر عمل نہ کرنے پر بھی اجماع ہے۔ مفتی کے اپنے نظریۂ کفو کو اعلیٰحضرت گولڑوی حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ قدّس سرّہ العزیز کی طرف منسوب کرنا اِس دَور کا بہت بڑا بہتان اور عظیم افتراء ہے، اِس لیے کہ اگر یہ نسبت صحیح تسلیم کر لی جائے تو اِس کا یہ مطلب ہوگا کہ قطبِ زماں اور فاضلِ دوراں حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدّس سرّہ العزیز کا نظریۂ کفو اجماعِ اُمّت اور مذہبِ ائمۂ اربعہ کے خلاف ہے اور یہ بات حضور گولڑویؒ کا کوئی بدترین دُشمن ہی کہہ سکتا ہے، جو مفتی کفو کے متعلق مذکورہ بالا باطل نظریہ رکھنے کے باوجود حضرت اعلیٰ علیہ الرّحمہ سے اظہارِ عقیدت کرتے ہیں۔ عقیدت نہیں یہ پرلے درجے کی منافقت اور کتمانِ حق ہے۔ اعلیٰحضرتؒ کے معتقد تو وہ لوگ ہیں جو اعلیٰحضرتؒ پر اِس قسم کے الزاموں اور بہتانوں کا دفاع کرتے ہیں۔ یہاں تک بندہ نے کتاب الاشباہ والنّظائر سے ثابت کیا ہے کہ مُفتی بے سند کا نظریۂ کفو چونکہ ائمۂ اربعہ کے خلاف ہے اور

ل؎ یہ کس باغ کی مُولی ہیں۔ ۱۲ منہ

خلافِ اجماع مردود ہے۔ اب علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کی عبارت سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ جو ائمہ اربعہ کی فقہ سے خارج ہے وہ ناجائز اور مردود ہے۔
عبارت ملاحظہ ہو: المراد بالفقه ما يشمل مذهبنا وغيره فانّه بهذا المعنى الزّيادة اصلاً فانّه لا يجوز احداث قول خارج عن المذاهب الاربعة۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ علمِ فقہ مذاہب اربعہ پر منحصر ہے۔ یعنی مذاہبِ اربعہ کا مجموعہ فقہ ہے۔ لہٰذا اب فقہ پر زیادتی بالکل نہیں ہوسکتی تو اب ایسے قول کا احداث و اختراع ناجائز ہے، جو فقہِ مذاہبِ اربعہ کے خلاف اور اِس سے خارج ہے۔ اب غور فرمائیے کہ اِس مُفتی مُبتدع کا کفو کے متعلق یہ نظریہ کہ غیر سیّد ہاشمی اور قریشی بھی سیّدہ فاطمیہ کا کفو نہیں ہے، ائمۂ اربعہ کی فقہ سے خارج ہے اور کسی امام نے ائمۂ اربعہ سے اِس کا قول نہیں کیا۔ مُفتی مُخترع کا یہ نظریہ علمِ فقہ پر زیادتی ہے، جو ناجائز ہے۔ مُفتی اور اُس کے ہمنواؤں نے یہ نظریہ اختراع کر کے بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔

قارئین! آشوبِ ذہنی میں مُبتلا مُفتی اور اُس کے ہمنواؤں کی کفو کے مسئلہ میں لغزشیں ملاحظہ ہوں۔ اوّل: احناف اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کے نزدیک سب قریش ایک دوسرے کی کفو ہیں اور قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں مثلاً بنی ہاشم اگرچہ قریش ہیں، لیکن غیر ہاشمی قریش سے افضل ہیں، اِس کے باوجود غیر ہاشمی قریشی مرد، ہاشمیہ عورت کا کفو ہے۔ احناف اور حنابلہ نے اِس نظریہ پر دلائل قائم کیے ہیں۔ احناف کے دلائل ملاحظہ ہوں۔ کنز الدّقائق میں ہے (فقريش اكفاء) یعنی سب قریش ایک دوسرے کی کفو ہیں۔ مذکورہ بالا عبارت کی شرح میں بحرالرّائق نے یہ ذکر کیا ہے۔ و لهذا استدلّ المشائخ على انّهٗ لا يعتبر التّفاضل فيما بين قريش وهو المراد بقوله فقريش اكفاء وجه الاستدلال

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زوج بنتیہ من عثمان وھو اموی لا ھاشمی، و زوج علیؓ بنتہ ام کلثوم من عمرؓ و کان عدویا لا ھاشمیا) خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ یہ عبارت: فقریش اکفار حدیث شریف کا حصّہ ہے اور اِس عبارت میں مطلق قریش کو باہم کفو قرار دیا گیا ہے تو اِس سے مشائخ نے استدلال کیا ہے کہ قریش میں تفاضل اور بزرگی کا اعتبار نہیں اور اِس سے وجہِ استدلال اِس طرح ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے فعل سے ثابت کر دیا کہ تمام قریش بلا استثنار ایک دوسرے کی کفو ہیں اور قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں اور اِس فعل سے اِس طرح ثابت ہوا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی صاحبزادی حضرت عثمانِ غنیؓ کو نکاح کر دی، حالانکہ صاحبزادی صاحبہ ہاشمیہ تھیں اور حضرت عثمانؓ غیر ہاشمی قریشی، اور ہاشمی غیر ہاشمی قریش سے افضل ہیں تو اِس نکاح سے ثابت ہوا کہ تمام قریش بلا استثنار ایک دوسرے کی کفو ہیں اور قریش میں تفاضل غیر معتبر ہے۔ اب ثابت ہوا کہ غیر سیّد ہاشمی اور قریشی سیّدہ فاطمیہ کی کفو ہے، کیونکہ دونوں قریش ہیں اور ہر قریشی مرد، قرشیہ عورت کی کفو ہے اور اِن کے درمیان نکاح جائز اور ناقابلِ فسخ ہے۔ تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فعل سے ثابت ہوا کہ مُفتی اور اُس کے نام نہاد مفتیوں کا یہ نظریہ قطعاً باطل ہے کہ غیر سیّد ہاشمی، سیّدۂ فاطمیہ کی کفو نہیں ہے۔

تفاضل کا اعتبار حدیثِ قولی اور فعلی کے خلاف ہے

قارئین! ناقابلِ اعتبار مُفتی نے قریش میں تفاضل کا اعتبار کیا ہے، جو کہ حدیثِ قولی اور فعلی دونو کے خلاف ہے اور ائمۂ اربعہ کے مذہب کے بھی خلاف ہے۔ وجہِ دوم

ملاحظہ ہو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی صاجزادی اُمِ کلثومؓ بنتِ فاطمہ زہراؓ کا نکاح حضرت عمر فاروقؓ سے کر دیا، حالانکہ صاجزادی صاحبہ ہاشمیہ تھیں اور حضرت عمرؓ غیر ہاشمی قریشی تھے اور غیر ہاشمی قریشی سے ہاشمی افضل ہے، تو اِس نکاح سے واضح طور پہ ثابت ہو گیا کہ تمام قریش بلا استثناء ایک دوسرے کی کفو ہیں اور ان میں تفاضل کا اعتبار نہیں اور اِن میں نکاح جائز ہے۔ حضرت اُمِ کلثومؓ کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ نکاح جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خود کر دیا تھا، اِن منافقین و معاندین کے مُنہ پہ زور دار طمانچہ ہے، جن کا نظریہ یہ ہے کہ غیر سیّد ہاشمی بھی سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہیں ہے، تو قریشی غیر ہاشمی تو بطریقِ اولیٰ سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہ ہو گا؛ حالانکہ حضرت اُمِ کلثومؓ بنتِ فاطمہ زہراؓ یقینی طور پر سیّدہ فاطمیہ ہیں اور حضرت عمرؓ قطعی طور پر صرف قریشی ہیں تو دلالتِ مطابقی سے ثابت ہوا کہ جب غیر سیّد قریشی بھی سیّدہ فاطمیہ کی کفو ہے تو غیر سیّد ہاشمی تو بطریقِ اولیٰ سیّدہ فاطمیہ کی کفو ہو گا اور اِن میں نکاح جائز ہو گا، تو مُفتیِ خود سر کا یہ نظریہ باطل ٹھہرا کہ غیر سیّد ہاشمی بھی سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہیں ہے اور اِن میں نکاح جائز نہیں اور زنا ہے۔ (نعوذ باللہ)

مُفتیِ مُبتذَل حدِّ قذف کا مستحق ہے۔

قارئین! چونکہ زبان دراز مُفتی نے ذواتِ مقدّسہ پر تہمتِ زنا لگائی ہے، جسے وہ ثابت نہیں کر سکا، اِس لیے حدِّ قذف کا مستحق ہے۔ مذکورہ بالا مسئلہ کو درِّ مختار اور شامی نے اِس طرح بیان کیا ہے۔ (فقریش بعضهم اکفاء بعض اشاد به الی انّهٗ لا تفاضل فیما بینهم من الهاشمی، والنوفلی، والتیمی والعدوی وغیرهم ولهذا زوّج علیؓ وهو هاشمی امّ کلثوم بنت فاطمة لعمر وهو عدوی) خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ یہ جو کتابوں میں آیا ہے کہ قریش کا بعض

دوسرے بعض کی کفو ہے تو اِس میں یہ اشارہ ہے کہ قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں۔ مثلاً ہاشمی، دوسرے غیر ہاشمی قریش سے افضل ہیں، اِس کے باوجود غیر ہاشمی قریش، ہاشمی کی کفو ہیں اور اِن میں نکاح جائز ہے۔ جب غیر ہاشمی قریش، ہاشمی کی کفو ہے تو ہاشمی بطریقِ اولیٰ دوسرے ہاشمی کی کفو ہے۔ تو سیّدہ فاطمیہ چونکہ ہاشمیہ ہے، لہٰذا غیر ہاشمی قریش اور ہاشمی دونوں سیّدہ فاطمیہ کی کفو ٹھہرے اور اِن میں نکاح جائز ہے۔ اِس لیے مُفتی کا یہ کہنا قطعاً باطل ہے کہ غیر سیّد ہاشمی بھی سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہیں اور اِن میں نکاح ناجائز ہے۔ علامہ شامیؒ نے اِس پر دلیل دی ہے کہ قریش میں تفاضل کا اعتبار نہیں اور غیر ہاشمی قریشی مرد، ہاشمیہ عورت کی کفو ہے، دلیل یہ دی کہ حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی اُمِّ کلثوم بنتِ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا، حضرت عمرؓ کو نکاح کر دی؛ حالانکہ حضرت علیؓ ہاشمی اور حضرتِ عمرؓ غیر ہاشمی عدوی تھے اور ہاشمی عدوی سے افضل ہے۔ اب اِس نکاح سے دلالتِ مُطابقی کے ساتھ ثابت ہوا کہ غیر سیّد خواہ ہاشمی ہو یا صرف قریشی، سیّدہ فاطمیہ کی کفو ہے اور اِن میں نکاح جائز ہے۔ ع در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

غیر ہاشمی قریش کے ساتھ سیّداتِ فاطمیہ کے چند اہم نکاح

قارئین! سیّداتِ فاطمیہ کے ساتھ غیر سیّدوں کی مناکحت کے تذکرے متعدد کتبِ تاریخ و سیرت میں موجود ہیں۔ یہاں خوفِ طوالت کی وجہ سے اِن سب کی تفصیل بیان نہیں کی جاسکتی۔ بہرحال حنبلی مذہب کی مستند کتاب مُغنی ابنِ قدامہ میں ایسے بہت سے نکاحوں کا ذکر ہے، جن میں سے چھ ۶ اہم نکاحوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یاد رہے کہ ابنِ قدامہؒ حضرت غوثِ اعظم جیلانی قدس سرہ العزیز کے شاگرد ہیں:

نکاحِ اوّل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی دو صاحبزادیاں حضرت عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نکاح کر دیں۔

نکاحِ دوم : آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی صاحبزادی ایک شخص ابو العاص بن الرّبیع کو نکاح کر دی، حالانکہ حضرت عثمانؓ اور ابا العاص غیر ہاشمی قریشی تھے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تینوں صاحبزادیاں ہاشمیات تھیں اور بنو ہاشم دوسرے قریش سے افضل ہیں، جو ہاشمی نہیں۔ تو اِن نکاحوں سے ثابت ہوا کہ سب قریش اور عرب ایک دوسرے کی کفو ہیں اور اِن میں تفاضُل کا اعتبار نہیں۔

نکاحِ سوم : حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی اُمِّ کلثومؓ کا نکاح حضرت عمرؓ سے کر دیا۔

نکاحِ چہارم : حضرت فاطمہ بنتِ امام حسینؓ بن علیؓ کو ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن عثمان نے اپنے نکاح میں لیا۔

نکاحِ پنجم : حضرت سکینہ بنتِ امام حسین بن علیؓ کو مُصعب بن زبیر نے اپنے نکاح میں لیا۔

نکاحِ ششم : حضرت مُصعب بن زبیر کے فوت ہونے کے بعد حضرت سکینہؓ کے ساتھ ایک شخص عبد اللہ بن عثمان بن حکیم نے نکاح کیا۔ نکاحِ سوم سے لے کر ششم تک، نکاح کرنے والے سب مرد، غیر ہاشمی قریش ہیں اور تمام مستورات، جن سے نکاح کیا گیا، ساداتِ فاطمیہ ہیں۔ (یعنی حضرت اُمِّ کلثومؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت سکینہؓ) اب اِن نکاحوں سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ غیر ہاشمی قریشی سیّدہ فاطمیہ کا کفو ہے، تو یہ چار نکاح مُفتیِ خُدا ناترس اور اُس کے ہمنوا اُن مُفتیوں کے منہ پر، جن کا باطل نظریہ یہ ہے کہ غیر سیّد ہاشمی اور غیر ہاشمی قریشی یہ دونوں سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہیں اور ان کا نکاح ناجائز ہے، نہ صرف زور دار تھپّڑ ہے، بلکہ اِن کی گستاخ زبانوں کو لگام دینے کے لیے کافی ہیں اگر وہ سمجھ سکیں۔ اِن عاقبت نااندیش ظالم وجاہل مُفتیوں نے اِن پاک دامن صاحبزادیوں پر تہمتِ زنا لگائی ہے اِس لیے یہ شقی القلب، بدبخت اور

بے دین مُفتی حدِّ قذف کے مستحق ہیں اور ان صاحبزادیوں کے اولیاء اور وُرثاء ان مُفتیوں پر شرعی عدالت میں حدِّ قذف کے اجراء کے لیے دعویٰ دائر کر سکتے ہیں اور قاضی اِن پر یقیناً حدِّ قذف لگائے گا۔

قارئین! مُتمرّد اور لاف زن مُفتی کا یہ نظریہ ہے کہ غیر سیّد ہاشمی یا صرف قریشی، سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہیں ہے اور اُس کے اِس نظریہ کا مدار اِس پر ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رض اور آپ کی اولاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم تمام ہاشمیوں، قریشیوں اور عربوں سے افضل ہیں، اِس لیے غیر افضل اِن کی کفو نہیں ہو سکتا۔ لیکن میرے نزدیک نظریہ کی یہ مدار چند وجوہ سے باطل ہے۔ اوّل یہ کہ یہ فضیلت قابلِ تسلیم نہیں، کیونکہ اگر ساداتِ فاطمیہ تمام قریشیوں سے افضل ہوں تو لازم آئے گا کہ خلفاءِ راشدین سے بھی افضل ہوں اور یہ خلفاء بھی اِن کی کفو نہ ہوں، لیکن اِس پر اجماع ہے کہ خلفاءِ راشدین تمام اُمّت سے افضل ہیں۔ اِن چار خلفاء میں سے صرف حضرت علی رض ہاشمی ہیں، باقی تینوں غیر ہاشمی قریش ہیں۔

دوم۔ حضرت امام شافعی رح کا کفو کے متعلق یہ مذہب بیان ہو چکا کہ تمام ہاشمی ایک دوسرے کی کفو ہیں اور غیر ہاشمی، ہاشمیوں کی کفو نہیں ہے، اِس پر امام شافعی رح نے ایک حدیث پیش کی ہے، جس کو مُغنی ابنِ قُدامہ میں بیان کیا گیا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو۔ ر وغیر بنی ھاشم لا یکافئھم وھٰذا قول عن بعض اصحاب الشافعی لماروی عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم انہ قال ان اللہ اصطفٰی کنانۃ من ولد اسمٰعیل علیہ السلام و اصطفٰی من کنانۃ قریشاً، و اصطفٰی من قریش بنی ھاشم و اصطفانی من بنی ھاشم۔

خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ بعض شوافع کا مذہب یہ ہے کہ غیر بنی ہاشم خواہ قریش ہو، بنی ہاشم کی کفو نہیں اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ بنی ہاشم، دوسرے قریش غیر بنی ہاشم سے افضل ہیں اور غیر افضل افضل کی کفو نہیں ہوتا اور اِس فضیلت کی دلیل یہ حدیث ہے

کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ حضرت اسمٰعیلؑ سے قبیلہ کنانہ کو منتخب فرمایا اور پھر قبیلہ کنانہ سے قریش کو منتخب فرمایا اور پھر قریش سے بنی ہاشم کو برگزیدہ فرمایا اور پھر بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔ امام شافعیؒ کا اِس حدیث سے فضیلت پر استدلال اس طرح ہے کہ بنی کنانہ اولادِ حضرت اسمٰعیلؑ سے افضل ہیں اور بنی کنانہ سے قومِ قریش افضل ہے اور قومِ قریش سے بنی ہاشم افضل ہیں تو اِس حدیث شریف میں قبائل اور قوموں کے لحاظ سے صرف بنی ہاشم افضل ہیں۔ بنی ہاشم سے کسی گروہ اور قبیلہ کے افضل ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ بنی ہاشم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے افضل ہونے کا ذکر ضرور ہے؛ لیکن کلام قبیلہ اور گروہ میں ہے۔ تو اب اگر بنی ہاشم سے کوئی قبیلہ افضل ہوتا تو حدیث شریف میں اُس کا ذکر ضرور ہوتا۔ مثلاً حدیث کے آخری الفاظ اِس طرح ہوتے (و اصطفیٰ من بنی ھاشم اھل بیتی و اصطفانی من اھل بیتی) تو حدیث شریف سے معلوم ہُوا کہ بنی ہاشم سب قبائل سے افضل ہیں اور اِن سے کوئی قبیلہ افضل نہیں، تو چونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک کفو کی مدار تفاضل پر ہے؛ اِسلیے اُنھوں نے غیر بنی ہاشم کو بنی ہاشم کی کفو قرار نہ دیا۔ تو اگر سیّدہ فاطمہ زہراؓ اور اُن کی اولادِ اطہار دوسرے بنی ہاشم سے ہوتے تو اُن کا ذکر حدیث شریف میں ضرور آتا اور امام شافعیؒ نے چونکہ کفو میں تفاضل کا اعتبار کیا ہے؛ لہٰذا اُن کا مذہب یہ ہوتا کہ سادات فاطمیہ کا غیر اُن کا کفو نہیں ہے۔ بنی ہاشم کی فضیلت والی حدیث بحر الرائق میں بھی نقل کی گئی۔ ملاحظہ ہو (روی عن محمّد بن علی علیہ السّلام ان اللہ اختار من النّاس العرب ومن العرب قریشاً واختار منھم بنی ھاشم، واختارنی من بنی ھاشم) اِس حدیث شریف میں بھی قبائل کے لحاظ سے بنی ہاشم کو سب قبائل اور اقوام سے افضل قرار دیا گیا ہے اور بنی ہاشم سے صرف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو افضل قرار دیا گیا ہے نہ کہ کسی قبیلہ کو۔

وجہِ سوم۔ حضرت اعلیٰ پیر سید مہر علی شاہ صاحبؒ کا ایک ملفوظ جو میرے حضرت محبوبِ الٰہی سید محی الدین شاہ قدس سرہٗ کا بیان کردہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قاری عبد الرحمٰن[1] صاحبؒ نے، جن کے پاس میں نے قرآن پڑھا ہے میرے سر کے بال منڈوا دیئے۔ جب حضرت اعلیٰ قدس سرہٗ کو بال منڈوا دینے کا علم ہوا تو آپ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ قاری صاحب نے یہ اچھا نہیں کیا۔ یہ گھنگریالے بال ہم ہاشمیوں کی علامت ہیں۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم سیدوں کی علامت ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ہاشمی ہونے پر فخر کا اظہار فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرتؒ کے نزدیک ہاشمی قوم، دیگر اقوام سے افضل ہے اور اِن سے کوئی گروہ افضل نہیں ہے۔ یہ ملفوظ میرے حضرت محبوبِ الٰہی قدس سرہ نے خود اِس بندہ کے سامنے بیان فرمایا اور نیز یہ بھی مشہور ہے کہ اعلیٰ حضرت گولڑوی قدس سرہ العزیز جب کبھی اپنے علمی تفوق کا ذکر فرماتے تو یوں ارشاد فرماتے کہ میں نے بھی طالب علمی گزاری ہے اور جب اپنے نسب مبارک پر اظہارِ افتخار مقصود ہوتا تو فرماتے کہ ہم ہاشمیوں کی یہ علامت اور عادت ہے۔ اِس کے باوجود ننگِ فقاہت مُفتی نے آپ پر یہ عظیم بہتان باندھا ہے کہ ساداتِ فاطمیہ دوسرے بنی ہاشم سے افضل ہیں اور غیر سید خواہ ہاشمی ہو یا قریشی، ساداتِ فاطمیہ کی کفو نہیں ہے اور اِن میں نکاح ناجائز ہے، خواہ ولیِ اقرب راضی ہو یا نہ۔

وجہِ چہارم۔ اگر بالفرض مُفتیِ عوام فریب کا یہ نظریہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرتِ زہراؓ اور آپ کی اولاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم بقیہ بنی ہاشم سے افضل ہیں تو پھر اِس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بقیہ بنی ہاشم اور قریش اِن سادات کی کفو نہیں ہیں؛ کیونکہ قبل ازیں مستند کتبِ فقہِ حنفیہ کے حوالہ جات سے ذکر کیا جا چکا ہے کہ قریش میں تفاضل کا اعتبار

---

[1] موصوف حضرت بابوجیؒ کے اُستادِ گرامی تھے۔ آپؒ نے اُن سے فنِ قرأت پڑھا تھا۔ ۱۲ منہ

نہیں۔ یعنی اگرچہ بعض قریش دوسرے بعض قریش سے افضل ہیں۔ اِس کے باوجود غیر افضل قریشی، دوسرے افضل قریشی یعنی ہاشمی کی کفو ہے اور افضل ہونا کفاءت کے منافی نہیں ہے۔

مفتی کی لغزشِ سوم یہ ہے کہ وہ حضرت فاطمہ زہرؓا اور اُن کی اولاد رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے متعلق تو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ غیر سیّد ہاشمی بھی اِن سادات کی کفو نہیں ہے؛ لیکن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دیگر تین صاحبزادیوں اور اُن کی اولاد کے متعلق مفتی کا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ اِس طرح اُس نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صاحبزادیوں میں تفریق کی ہے اور پھر اُس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی بڑی فضیلت یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا (فاطمۃ بضعۃ منّی) یعنی فاطمہ میرے بدن کی بوٹی ہے۔ چنانچہ اِس فضیلت میں حضورؐ کی دوسری صاحبزادیاں بھی شریک ہیں؛ کیونکہ تمام بلاواسطہ اولاد اپنے باپ کے بدن کا ٹکڑا ہوتی ہے۔ مجھے اِس تفریق میں رفض کا شُبہہ پڑتا ہے۔

لغزشِ چہارم: تمام احناف کا اِس پر اتّفاق ہے کہ شرافتِ علمی، شرافتِ نسبی سے برتر ہے۔ علاّمہ شامیؒ نے دو جگہ اِس پر آیتِ قرآنی سے استدلال کیا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو: کتب العلماء طافحۃ بتقدیم العالم علی القرشی ولم یفرق سبحانہٗ تعالیٰ بین القرشی وغیرہ فی قولہ تعالیٰ ھل یستوی الذّین یعلمونَ والّذینَ لا یعلمون۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ علماء کی کتابیں بھری پڑی ہیں کہ ایک عالم جو قریشی نہیں ہے، وہ بلحاظِ رُتبہ غیر عالم قرشی سے برتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی قرشی اور غیر قرشی کے درمیان فرق نہیں کیا؛ بلکہ یہ کہا کہ جاننے والا یعنی عالم، نہ جاننے والے یعنی غیر عالم کے برابر نہیں۔ اِس فرمانِ الٰہی سے معلوم ہُوا کہ ہر عالم ہر غیر عالم سے بزرگ ہے؛ خواہ عالم قرشی ہو یا غیر قرشی اور اِسی طرح غیر عالم قرشی ہو یا غیر قرشی ہر حالت میں عالم برتر ہے غیر عالم سے۔ لیکن مفتی اِس آیت کا منکر ہے اور

شرافتِ نسبی کو شرافتِ علمی سے برتر مانتا ہے۔ آخر میں بندہ ایک تکملہ ذکر کرتا ہے کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ حنفی مذہب یہ ہے کہ تمام قریش باہم کفو ہیں اور اِن میں تفاضل کا اعتبار نہیں اور اِن کے درمیان نکاح جائز ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ اِس پر ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہے کہ غیر سیّد ہاشمی، سیّدہ فاطمیہ کی کفو ہے تو پاک و ہند میں چاروں خلفاء کی اولاد ہے، جس کو صدّیقی، فاروقی، عثمانی اور علوی (اعوان) کہا جاتا ہے، یہ سب قریشی بھی ہیں اور ہاشمی بھی۔ لہٰذا یہ سب سیّدہ فاطمیہ کی کفو ہیں۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہُ الکریم کی اولاد کے متعلق ذرا تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

نبراس شرح عقائد میں ہے کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی تمام اولاد کی تعداد پینتیس ۳۵ ہے اور اُن میں سے اُنیس ۱۹ مذکر ہیں اور اِن مذکروں میں سے پانچ بیٹوں کی اولاد چلی ہے۔ اوّل حضرت امام حسن، دوم حضرت امام حسین، سوم حضرت محمّد بن حنفیہ، چہارم ابو القاسم عمر، پنجم ابو الفضل عبّاس السقّار جن کو عبّاسِ علمدار بھی کہتے ہیں۔ اِن سب کی اولاد سیّدہ فاطمیہ کی کفو ہیں۔ پاکستان میں قوم اعوان اور قوم کھوکھر یقینی طور پر حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی اولاد ہیں۔ آگے اِس میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک محمّد بن حنفیہ کی اور بعض کے نزدیک عبّاسِ علمدار کی اور قولِ ثانی صحیح ہے۔

قارئین! یہاں میں ایک وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ کفو پر جو یہ طویل مضمون لکھا گیا ہے۔ اِس کا مقصدِ حقیقی نہ تو کسی کی تائید ہے اور نہ کسی کی تردید، بلکہ صرف دو مقاصد پیشِ نظر ہیں۔ اوّل: اپنے علم و لیاقت کے مطابق بیانِ حق اور دوم اپنے پیر و مرشد حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ قدّس سرّہ العزیز پر بعض لوگوں کے لگائے ہوئے بہتانوں کا دفاع کرنا۔ اب اُس بہتان اور تاویل و افتراء کی ایک جھلک قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے، تاکہ اُنہیں یقین ہو جائے کہ واقعی یہ ایک بہت بڑا افتراء و بہتان ہے۔ وہ بہتان یہ ہے کہ فتاوٰی مہریہ جو کہ اعلیٰ حضرت گولڑوی قدّس سرّہ

کی طرف منسوب ہے۔ اُس میں یہ عربی عبارت ہے۔ (العجمی لا یکون کفؤاً للعربیّۃ و لو عالماً او سلطاناً و ھو الاصح۔) یار لوگوں نے اِس عبارت کا یہ مطلب بیان کیا کہ غیر سیّد ہاشمی ہو یا قریشی، سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہیں ہے اور اِن میں نکاح جائز نہیں۔ خواہ ولی راضی ہو یا نہ۔ اگر نکاح ہُوا تو زفاف اور تعلقاتِ زوجیّت زنا ہے۔ اِس مطلب کو اعلیٰ حضرت گولڑوی قدّس سرّہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، کہ یہ اعلےٰ حضرتؒ کا فتوٰی ہے۔ بندہ کے نزدیک یہ اِس لیے بہتان ہے کہ یار لوگوں نے العجمی کا معنیٰ ہاشمی اور قریش کیا ہے، حالانکہ العجمی اِن کی ضد ہے۔

ع میں زہرِ ہلاہل کو مگر کہہ نہ سکا قند

قارئین! دربارِ عالیہ گولڑہ شریف میں منعقدہ مجلسِ عُرس میں سرِعام مجھ پہ زہر آلود اور توہین آمیز جملوں سے حملہ کیا گیا، بندہ مفتیٔ بد باطن کی بدکلامی کو اپنے لیے اللہ تعالےٰ کی طرف سے امتحان سمجھتا ہے کہ کیا ایسے مفتیوں کے دباؤ اور اُن کی بدکلامی سے مرعوب و برانگیختہ ہو کر حق پر ثابت قدم رہتا ہے یا نہیں۔ اور مفتیوں کے بہتان کو اپنے حضرتؒ اعلیٰ سے دُور کرتا ہے یا اِن کے رُعب کی وجہ سے حق سے مُنحرف ہو جاتا ہے۔ اِن مفاد پرست، ابن الوقت کاسہ لیس، ایمان فروش مفتیوں کو یہ معلوم نہیں کہ اِس فقیر کا ایمان اور ضمیر بحمداللہ کوہ ہمالیہ سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔ ہر چیز ترک کی جا سکتی ہے۔ مگر حق ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اِس تمہید کے بعد اصل اور اہم گذارش پیشِ خدمت ہے کہ چونکہ مضمون نہایت نازک اور پیچیدہ ہے، لہٰذا قارئین سے غور و توجّہ کی درخواست کی جاتی ہے۔

گزارش یہ ہے کہ بندہ جب تقریبِ عُرس سے واپس گھر آیا تو اعلیٰ حضرت گولڑوی قدّس سرّہ العزیز کے ہر دو رسالے یعنی ملفوظاتِ مہریہ اور فتاوٰی مہریہ کا بغور

مطالعہ کیا۔ ملفوظات کی عبارت سے کوئی چیز واضح نہیں ہوتی اِس لیے کہ سوال کی عبارت یہ ہے (اُمّتی مرد کے ایک سیّدہ کے ساتھ نکاح کے متعلق ایک فتویٰ جواز کا ذکر ہے) سوال میں صرف مردِ اُمّتی کا ذکر ہے، اِس کی قومیت کا ذکر نہیں کہ وہ کس قوم سے تعلّق رکھتا ہے۔ مردِ اُمّتی میں یہ احتمال بھی ہے کہ وہ مرد عجمی جاہل ہو یا غیر قریشی عرب جاہل ہو اور نکاح ولیِ اقرب کی رضا کے بغیر ہوا ہو اور اغوا کی صورت ہو۔ فتاویٰ مہریہ میں اِس کی تصریح ہے اور یہی ظاہر ہے، کیونکہ اعلیٰ حضرتؒ نے نکاح کنندہ کی شدید مذمّت کی ہے۔ اِس صورت میں اگر نکاح کے عدمِ جواز کا فتویٰ دیا جائے تو بالکل صحیح اور موافقِ مذہبِ احناف ہے۔ اعلیٰ حضرتؒ کے نادان دوست مردِ اُمّتی کی قطعی طور پر خاص قومیت متعیّن نہیں کر سکتے؛ اِس لیے کہ مردِ اُمّتی کا لفظ عام ہے اور عام کی خاص طور پر کوئی دلالت نہیں۔ نہ مُطابقی، نہ تضمّنی اور نہ التزامی۔ کیونکہ خاص نہ تو عام کا موضوع لہ ہے نہ جزءِ موضوع لہ اور نہ خاص عام کو لازم ہے۔ جیسے حیوان عام اور انسان خاص ہے اور حیوان کی انسان پہ کوئی دلالت نہیں ہے۔ یہ نادان مُفتی اعلیٰ حضرتؒ کے کلام کو اپنے دعویٰ پر بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں اور اگر دلیل میں متعدد احتمالات ہوں تو دلیل باطل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مشہور اور مسلّم ہے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ مردِ اُمّتی میں آٹھ احتمال ہیں۔ چھ میں مردِ اُمّتی کا سیّدہ کے ساتھ نکاح جائز اور دو میں ناجائز ہے۔ بندہ کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرتؒ کی مراد یہی دو احتمال ہیں اور اِس صورت میں نکاح جائز نہیں اور اِس میں کوئی نزاع نہیں تو پھر جھگڑا اور یہ طوفانِ بدتمیزی بپا کرنے کا کیا مطلب، یہ تو سوال پر بحث ہے، جو اعلیٰ حضرتؒ سے کیا گیا۔ آپ کا جواب ملاحظہ ہو۔ حضورؒ نے جواب دینے کے بعد فرمایا کہ ایسے گستاخ اور بے ادب ہمارے پاس آنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔

حضورؐ کا اظہارِ ناراضگی عدمِ جوازِ نکاح کی دلیل نہیں

قارئین! اعلیٰ حضرت گولڑویؒ سے سوال مردِ اُمتی اور سیدہ کے نکاح کے جواز کا تھا، جس کا آپؒ نے کوئی جواب نہیں دیا کہ جائز ہے یا ناجائز۔ فتاویٰ مہریہ میں صرف یہ مذکور ہے کہ (حضورؒ نے جواب دینے کے بعد فرمایا) جبکہ دیئے گئے جواب کا ذکر تک نہیں کہ مذکورہ نکاح جائز ہے یا ناجائز، صرف ناراضگی کا اظہار فرمایا اور یہ اظہارِ ناراضگی عدمِ جوازِ نکاح پر دلالت نہیں کرتا؛ اس لیے کہ اگر نکاح جائز بھی ہو جب بھی اظہارِ ناراضگی کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ واقعۂ زیرِ بحث اغوا کا معلوم ہوتا ہے اور اِس اغوا سے سادات کی بے عزتی اور ہتک ہوئی، تو چونکہ اعلیٰ حضرتؒ بھی سید تھے، اِس لیے سادات کی بے عزتی پر کبیدہ خاطری کا اظہار فطری بات تھی۔ مثلاً اگر عورت کفو میں اغوا ہو جائے اور عاقلہ بالغہ ہو تو نکاح تو جائز ہے؛ لیکن عورت کے اولیاء کی چونکہ بے عزتی ہوئی ہے، لٰہذا عورت کے قریبی رشتہ دار اور اولیاء کے دوست اِس بے عزتی پر افسوس اور اظہارِ ناراضگی کریں گے تو ثابت ہوا کہ اظہارِ ناراضگی اِس پر قطعی دلیل نہیں کہ نکاح ناجائز ہے۔ بندہ دوبارہ عرض کرتا ہے کہ یہ نادان مُفتی اپنے باطل دعوای پر حضرتؒ اعلیٰ کی عبارت بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں اور اگر دلیل میں خلافِ دعوای کا احتمال ہو تو دلیل باطل ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ احتمال کے ساتھ استدلال نہیں ہو سکتا۔ البتہ احتمال سے دلیل باطل کی جا سکتی ہے۔ مثلاً سوال میں مردِ اُمتی کا ذکر ہے اور اُس کا مصداق اور قومیت معین نہیں؛ کیونکہ یہ جُزی حقیقی ہے۔ اب اِس کی قومیت احتمال سے معین نہیں ہو سکتی؛ اِسی طرح جواب میں مذکور ہے کہ (حضورؒ نے جواب کے بعد فرمایا) جبکہ یہاں جواب کا ذکر تک نہیں، کہ نکاح جائز ہے یا ناجائز۔ تو ہر ایک کا احتمال ہے۔ لٰہذا بغیر دلیل کے جواب

معین نہیں ہو سکتا اور بندہ عرض کر چکا ہے کہ حضورؒ کا اظہارِ ناراضگی عدمِ جواز کی دلیل نہیں ہے؛ جواز کی صورت میں بھی اظہارِ ناراضگی کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کر دیا گیا۔ یہاں تک تو جواب پر صرف یہ بحث کی گئی کہ جواب کا ذکر ہی نہیں ہے۔

اب اعتراضِ دوم ملاحظہ ہو۔ ملفوظاتِ مہریہ اور فتاوٰی مہریہ اعلیٰ حضرت گولڑویؒ کی تصانیف نہیں کہ اِن میں جو کچھ لکھا ہے وہ حضورؒ کی تحریر ہو، بلکہ یہ تو کوئی اور آدمی نقل کر رہا ہے کہ اعلیٰ حضرت گولڑوی قدس سرہٗ سے بکڑالہ کے محمد خان نے سوال کیا اور آپؒ نے جواب کے بعد فرمایا یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُس ناقل نے آپ کا جواب تفصیلاً کیوں ذکر نہیں کیا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ دال میں کچھ کالا کالا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم نہیں کہ اُس ناقل نے اعلیٰ حضرت گولڑویؒ سے خود سُنا ہے یا کہ سُنی سنائی باتیں کر رہا ہے اور سند منقطع ہے؛ راویوں کا علم تک نہیں۔

مجہول راوی کی حدیث کی شرعی حیثیت

جب مجہول راوی کی حدیث بھی احکامِ شرعیہ میں مقبول نہیں تو ایسے مجہول راویوں کے بیان کردہ ملفوظات کو شرعی مسائل میں کیسے قبول کیا جا سکتا ہے اور پھر ظلم یہ ہے کہ نادان مُفتی اعلیٰ حضرتؒ کے منقولہ ملفوظات کا ایسا مطلب بیان کرتے ہیں؛ جو کتاب وسُنّت، اجماع اور قیاسِ شرعی کے خلاف ہے اور یہ اعلیٰ حضرتؒ کی صریح اور شدید توہین ہے، کہ آپؒ کے ملفوظات ادلۂ اربعہ کے خلاف ہیں۔ بندہ اعلیٰ حضرتؒ کے ملفوظات کا وہ مطلب بیان کرتا ہے جو شریعت اور مذہبِ حنفیہ کے بالکل مطابق ہے؛ اِس کے باوجود بندہ کو اعلیٰ حضرتؒ کے ملفوظات وفتاوٰی کا مخالف کہا جاتا ہے؛ جو محض بہتان وافترا ہے۔ آئندہ سطور میں جب فتاوٰی مہریہ کی عبارت پر بحث ہوگی تو اِس افترا کی قلعی کُھل جائے گی۔ یہاں تک ملفوظاتِ مہریہ

میں سوال کا جو جواب ہے اُس پر دو اعتراض ختم ہونے۔ اعتراضِ سوم یہ ہے کہ ملفوظاتِ مہریہ میں مردِ اُمتی کے سیّدہ کے ساتھ نکاح کے جواز کا سوال تھا۔ قاعدہ یہ ہے کہ یا جواز سے جواب دیا جاتا ہے یا عدمِ جواز سے اور ہر صورت میں ادلۂ اربعہ سے دلیل دی جاتی ہے۔ مگر مسئلۂ زیرِ بحث میں ایسا نہیں ہوا؛ نہ واضح جواب دیا گیا اور نہ کوئی دلیل۔ صرف اظہارِ ناراضگی کیا گیا اور دوسرا یہ فرمایا گیا کہ مولوی لوگ عجیب ہیں اِن کی اور اِن کی جُوتی کی توہین کرنے والے پر تو کُفر کا فتوٰی لگاتے ہیں؛ لیکن اہلِ بیت کی بے ادبی کی پرواہ نہیں کرتے، تو اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ اعلیٰ حضرتؒ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ مولوی لوگ اہلِ بیت کے بے ادب پر بھی فتوٰی لگائیں۔

تکفیر کا فتوٰی حضورؒ کے مسلک کے خلاف ہے

لیکن یہ بات اعلیٰ حضرتؒ کی شان کے بالکل خلاف ہے کہ کسی مولوی کو تکفیر کا مشورہ دیں۔ مرزا قادیانی علیہ ما علیہ کے سوا اعلیٰ حضرتؒ نے کسی کی تکفیر نہیں کی۔ دیوبندیوں اور بریلویوں میں تکفیر تک اختلاف ہے۔ بعض دیوبندیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی (العیاذ باللہ) اور فاضل بریلوی قدس سرّہ اور علماءِ حرمین الشریفین نے اُن گستاخ دیوبندیوں کی تکفیر کی؛ لیکن سیّدنا حضرت پیر مہر علی شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِس پر خاموش رہے اور کسی کی تکفیر نہیں کی۔ تو اہلِ بیت کی بے ادبی پر آپؒ مولویوں کو تکفیر کا مشورہ کیسے دے سکتے تھے۔ یہ سب ناقلین کی چیرہ دستی ہے۔ یہاں ایک مثال پیشِ خدمت ہے۔ حدیث شریف کی کئی قسمیں ہیں۔ متواتر، مشہور، خبرِ واحد اور حدیث ضعیف اور موضوع۔ اب اِس پر اعتراض ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ پاک سے نکلا ہُوا جملہ قرآن کی طرح

قطعی اور شک سے پاک ہے تو پھر حدیث ضعیف کیسے ہوئی؛ حدیث تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا قول، فعل اور تقریر ہے۔ تو یہ کیسے ضعیف ہو سکتے ہیں۔ اِس میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی توہین ہے کہ آپ کے قول و فعل کو ضعیف کہا جائے تو عُلماء نے اِس سوال کا یہ جواب دیا کہ جس صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ مبارک سے کوئی جُملہ براہِ راست سُنا تو وہ جُملہ اُس کے نزدیک قرآن کی طرح قطعی ہے؛ لیکن ہم تک وہ جُملہ راویوں کے ذریعے اور اُن کی زبانی پہنچا۔ راوی قوی بھی ہوتا ہے اور ضعیف بھی، تو اب حدیث میں یہ شک پڑ گیا کہ آیا یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہے یا نہ۔ تو دراصل ضعیف راوی ہوا نہ کہ حدیثِ مبارکہ۔ اگر ایک حدیث موضوع ہو سکتی ہے، تو کیا کسی پیر یا شیخ کا ملفوظ موضوع (من گھڑت) نہیں ہو سکتا؟ جس آدمی نے براہِ راست حضرت سیّدی پیر مہر علی شاہ قدس سرّہ کی زبان سے کوئی ملفوظ سُنا ہے تو اُسے یقین ہے کہ یہ کلام اعلیٰ حضرتؒ کا ہے، اِس میں اُسے شک نہیں، لیکن جس نے آپ کی زبان مبارک سے نہیں سُنا؛ بلکہ اور لوگوں نے نقل اور بیان کیا ہے اور یہ ناقلین بھی کوئی عُلماء عادل نہیں ہیں؛ بلکہ اُن کی اکثریّت عوام پر مشتمل ہے، تو اِس میں شک پڑ جاتا ہے کہ یہ ملفوظ فی الواقع اعلیٰ حضرتؒ کا ہے یا نہ، تو اب اگر اِس ملفوظ کو تسلیم نہ کیا جائے تو یہ اعلیٰ حضرتؒ کے کلام کا انکار نہیں ہے؛ بلکہ راویوں کی صحّتِ روایت کا انکار ہے۔ بعینہٖ جیسے حدیثِ ضعیف کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث اور کلام ہرگز ضعیف نہیں؛ بلکہ راوی ضعیف ہے اور راوی کو ضعیف کہنا کوئی گُستاخی نہیں ہے۔

مزید برآں ایسے مشکوک ملفوظ کو شریعت پر پیش کیا جائے گا، اگر وہ شرع کے مطابق ہُوا تو اُس کے تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر وہ مشکوک ملفوظ بظاہر شریعت کے خلاف ہے تو اُس کی توجیہ کی جائے گی اور اگر کوئی صحیح توجیہ

نہیں ہو سکتی تو پھر ایسے ملفوظ کو ترک کر دیا جائے گا۔ اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت الشیخ کے کلام اور ملفوظ کو ترک کیا گیا ہے، بلکہ راویوں اور ناقلین کے کلام کو ترک کیا گیا ہے۔ اب ملفوظاتِ مہریہ کے ص ۱۲۳-۱۲۴ پر اُمّتی مرد کے ساتھ نکاح سیّدہ سے متعلّق ملفوظ میں جو ذکر کیا گیا اور اِس کو اعلیٰ حضرت گولڑوی کی طرف منسوب کیا گیا ہے؛ یہ ملفوظ مُرتّب اور ناقل نے خود اعلیٰ حضرتؒ کی زبانِ مبارک سے نہیں سُنا؛ بلکہ رطب و یابس لوگوں کی زبان سے سنا ہے۔ ملفوظ میں مرد اُمّتی کے سیّدہ کے ساتھ نکاح کے جواز کے متعلّق سوال کیا گیا لیکن حضرتؒ اعلیٰ نے نہ تو جوازِ نکاح کی تصریح کی، نہ عدمِ جواز کی، اور نہ ادلّہ اربعہ سے کوئی دلیل پیش کی؛ بلکہ ملفوظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ نے مولویوں کو مشورہ دیا کہ اہلِ بیت کی بے حُرمتی کرنے والوں کی تکفیر کریں۔

تکفیر کا مشورہ حضور گولڑویؒ کے مسلک کے خلاف ہے

ملفوظ میں ایسا کوئی لفظ نہیں، جس سے یہ معلوم ہوا کہ ناقل اور مُرتّب نے آپؒ کی زبان سے خود سُنا ہے۔ نیز اِس ملفوظ کے مطابق جو تکفیر کا مشورہ دیا گیا ہے، یہ حضورؒ کے مسلک کے خلاف ہے، جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے۔ لٰہذا یہ ملفوظ مشکوک ہے اور اِن وُجوہ کی بنا پر اِس مشکوک ملفوظ سے کسی خاص شرعی مسئلہ پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اِس لیے کہ اِس میں مردِ اُمّتی کے ساتھ سیّدہ کے نکاح کے جواز کا سوال کیا گیا ہے اور یہ مردِ اُمّتی نکاح کنندہ جُزئی حقیقی مُشخّص ہے اور کسی خاص معیّن قومیّت کے ساتھ تعلّق رکھتا ہو گا؛ لیکن ملفوظ میں معیّن قومیّت کا ذکر ہی نہیں؛ صرف عورت کی تصریح ہے کہ وہ سیّدہ ہے، لٰہذا اِس ملفوظ سے یہ استدلال کرنا کہ غیر سیّد اگرچہ ہاشمی بھی ہو، اُس کا سیّدہ کے ساتھ نکاح ناجائز ہے، بالکل باطل ہے۔

بندہ اِس سے پہلے عرض کر چکا ہے کہ مرد اُمّتی میں کئی احتمال ہیں۔

اِحتمالات

اوّل: مرد اُمّتی غیر سیّد ہاشمی، دوم: مرد اُمّتی غیر سیّد ہاشمی، لیکن قریش؛ سوم: مرد اُمّتی غیر سیّد نہ ہاشمی ہے اور نہ قریش، بلکہ عرب عالم ہے۔ چہارم: مرد اُمّتی غیر سیّد نہ ہاشمی، نہ قریش نہ عرب، بلکہ عجمی عالم ہے۔ اِن چار احتمالات میں مرد اُمّتی غیر سیّد شریعت میں سیّدہ فاطمیہ کی کفو ہے اور اِن کے درمیان نکاح جائز ہے۔ اگر غیر سیّد مرد اُمّتی اور سیّدہ عاقلہ بالغہ ہیں تو ولی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔

احتمالِ پنجم، مرد اُمّتی اور غیر سیّد جو نہ ہاشمی ہے نہ قریشی، بلکہ عرب جاہل ہے، ششم، مرد اُمّتی غیر سیّد نہ ہاشمی ہے، نہ قریشی، نہ عرب، بلکہ عجمی جاہل ہے، تو اِن دو احتمالات میں غیر سیّد مرد اُمّتی سیّدہ کی کفو نہیں۔ اب اگر ولیِّ اقرب کی اجازت سے نکاح ہوگیا تو یہ نکاح بالکل جائز اور حلال ہے اور قاضی بھی اِس کو فسخ نہیں کرسکتا۔

احتمالِ ہفتم، مرد اُمّتی غیر سیّد نہ ہاشمی ہے نہ قریشی، بلکہ عرب جاہل ہے۔ ہشتم، مرد اُمّتی غیر سیّد، نہ ہاشمی ہے، نہ قریشی، نہ عرب، بلکہ عجمی جاہل تو اِن دو احتمالات (ہفتم وہشتم) میں بھی مرد اُمّتی سیّدہ کی کفو نہیں اور نکاح بغیر رضا اور اجازتِ ولی کے ہُوا تو ظاہر الرّوایہ میں نکاح منعقد ہے، لیکن ولی کے مطالبہ پر قاضی فسخ کرسکتا ہے اور غیر ظاہر الرّوایہ میں نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہے۔ اب قاضی کے فسخ کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ فسخ اُس چیز کا ہوتا ہے، جس کا وجود ہو اور چونکہ احتمالِ ہفتم اور ہشتم میں غیرِ ظاہر الرّوایہ یعنی نوادر میں نکاح کا وجود ہی نہیں، اِس لیے ضرورتِ تنسیخ نہیں ہے۔ اب اِس تحقیق سے معلوم ہُوا کہ یہ کہنا بالکل باطل ہے کہ غیر کفو میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، خواہ ولیِّ اقرب راضی ہو یا نہ، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ولی راضی

ہو تو غیر کفو میں نکاح صحیح ہے اور اِس میں ظاہر الرّوایہ اور نوادر کا کوئی اختلاف نہیں۔ دونوں کے نزدیک نکاح منعقد ہے۔ اختلاف صرف اِس میں ہے کہ غیر کفو میں نکاح ولی کی رضا اور اجازت کے بغیر ہو۔

قارئین! اِن آٹھ احتمالات پر دلائل انشاء اللہ تعالیٰ بعد میں دیئے جائیں گے۔

اب ملفوظاتِ مہریہ میں جس مردِ اُمتی کے جوازِ نکاح کا سوال ہے تو حضرت اعلیٰ گولڑوی قدّس سرّہ نے نہ تو جوازِ نکاح کی تصریح کی ہے اور نہ عدمِ جواز کی، پس اگر یہ کہا جائے کہ یہ نکاح جائز ہے تو اِس صورتِ جواز میں صرف پہلے چھ احتمال مُراد ہوں گے اور اگر عدمِ جواز کا قول کیا جائے تو پھر صرف آخری دو احتمال ہوں گے۔ یعنی مردِ اُمتی صرف جاہل عرب ہو اور نکاح بغیر رضائے ولی کے ہو۔ یا مردِ اُمتی عجمی جاہل ہو اور بغیر اجازتِ ولی نکاح ہو۔ یہی موافقِ مذہبِ حنفی اور مختارِ اعلیٰ حضرت گولڑوی قدّس سرّہ ہے اور یہی ملفوظاتِ مہریہ سے مُستفاد ہے اور اِس کا خلاف اعلیٰ حضرت قدّس سرّہ پر کذب، بہتان اور افتراء ہے اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔ یہاں تک ملفوظاتِ مہریہ کی عبارت پر بحث تھی۔

فتاوٰی مہریہ کی عبارت پر بحث

اب فتاوٰی مہریہ کی عبارت پر بحث کی جاتی ہے۔ فتاوٰی مہریہ کے ص ۱۳۳ پر عنوانِ مسئلہ یہ ہے "غیر کفو میں سیّدہ کے نکاح کا حکم" اس کے بعد استفتاء کی عبارت یہ ہے (محمد خان ساکنِ ملھوٹ بحکم و اجازتِ مولوی عبدالحق ساکن ملھوٹ بہ یکے از ہاشمیات سیّدات فاطمیات عقدِ نکاح و ازدواج نمود۔ غیر مُسترضی من احد من الولاۃ القریبۃ اوالبعیدۃ، ھل یجوز ھٰذا النکاح ام لا؟ الجواب: نکاحِ مذکور جائز نیست و مُفتی بجوازہ نہ تنہا بر ولاۃِ سیّدہ ظلم روا داشتہ، بلکہ بر کافہ

اہلِ اسلام۔ ظاہر است کہ در صحتِ نکاحِ سیدہ ہاشمیہ فاطمیہ در غیر کفو ہزارہا دل بوجہ ہتکِ حرمتِ اہلِ بیت رنجیدہ و شکستہ خواہند بود۔ متونِ فقہ مملو اند و مشحون از عدمِ ایں چنیں نکاح لعدم الکفو: استفتار کے عنوان میں مذکور ہے کہ غیر کفو میں سیدہ کا نکاح اور استفتار کے آخر میں مذکور ہے کہ اِس نکاح پر نہ تو ولیِ قریب سے رضامندی طلب کی گئی اور نہ ولیِ بعید سے۔ اور مولوی عبدالحق نے اِس نکاح کے جواز کا فتوای دیا۔ تو سوال سے ظاہر ہے کہ سوال اُس نکاح کا کیا گیا جو کہ سیّدہ نے غیر کفو میں بغیر رضامندیٔ ولیِ قریب یا بعید کیا اور اعلیٰ حضرتؒ نے جواب میں فرمایا کہ کُتبِ فقہ بھری پڑی ہیں کہ ایسا نکاح کالعدم اور ناجائز ہے اور اِس کی وجہ عدمِ کفو اور عدمِ رضائے ولیِ اقرب ہے اور جواب میں یہ بھی مذکور ہے کہ مُفتی کے فتویٔ جواز سے صرف سیدہ کے اولیاء پر ہی ظلم نہیں ہُوا، بلکہ تمام اہلِ اسلام پر ظلم ہُوا! اِس عبارت سے بھی واضح ہے کہ اولیاء سے رضامندی طلب نہیں کی گئی اور کوئی ولیِ قریب یا بعید اِس نکاح پر راضی نہ تھا؛ کیونکہ اگر ولی نکاح پر راضی اور خوش تھے، تو پھر اُن پر ظلم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور سوال میں تو تصریح ہے کہ نکاح غیر کفو میں بغیر رضامندیٔ اولیاء قریب و بعید ہُوا اور یہ مُسلّم ہے کہ سوال جواب میں لوٹایا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی سوال کرتا ہے مَن عندكَ۔ تیرے پاس کون ہے؟ تو جواب میں صرف یہ کہا جاتا ہے کہ (زید) جس کا مطلب یہ ہے کہ (عندی زید) جواب میں عند کا ذکر نہیں، کیونکہ سوال عند سے ہے، لہٰذا جواب میں اُسے لوٹایا گیا۔ اب جواب میں جو (زید) کہا گیا تو اِس کی ترکیب یہ نہیں ہوگی (سافر زید) کیونکہ سوال سفر سے نہیں ہے۔ تو ثابت ہُوا کہ اعلیٰ حضرت گولڑویؒ جس نکاح کے عدمِ جواز کا فتوای دے رہے ہیں، یہ سیّدہ کا نکاح غیر کفو میں بغیر اجازتِ ولیِ اقرب کے ہے اور آپؒ کا یہ فرمان بالکل صحیح ہے اور کسی حنفی کو اِس سے اختلاف

نہیں ہوسکتا۔ جس ہ مولوی عبدالحق نے جواز کا فتوای دیا اُس پر آئندہ اوراق میں تبصرہ کیا جائے گا۔ ملفوظاتِ مہریہ کی عبارت میں مردُ امتی میں جو آٹھ احتمال ذکر کیے گئے ہیں۔ یہ صورت ساتویں یا آٹھویں احتمال میں داخل ہے اور اِس کی تصریح کی جا چکی ہے، کہ ساتویں اور آٹھویں احتمال میں نکاح جائز نہیں ہے۔ اب جاہل اور نادان مُعتقِدوں کا یہ دعوای کہ اعلیٰ حضرتؒ کا یہ فتوای ہے کہ سیّدہ کا نکاح غیر سیّد کے ساتھ نا جائز ہے خواہ غیر سیّد ہاشمی ہو اور ولی راضی ہو یا نہ اور فتاوٰی مہریہ کی مذکورہ عبارت کو اِس باطل دعوای پر دلیل لاتے ہیں، تو یہ اعلیٰ حضرتؒ پر صریح بہتان اور افترا ہے۔ فتاوٰی مہریہ میں تو صرف سیّدہ کے غیر کفو میں نکاح کا ذکر ہے کہ کوئی ولی راضی نہیں۔ اِن جاہلوں نے یہ کہاں سے اخذ کر لیا ہے کہ خواہ ولی راضی ہو اور یہ کہاں سے سمجھا ہے کہ خواہ غیر سیّد ہاشمی ہو۔ یہ تو تب معلوم ہوتا کہ نکاح کنندہ محمّد خان کی قومیّت مذکور ہوتی، جس کا اِستفتاء میں کوئی ذکر ہی نہیں۔ صرف یہ پتا چلتا ہے کہ وہ سیّدہ کی کفو نہیں۔ بندہ کئی دفعہ ذکر کر چکا ہے کہ یہ دعوای کہ سیّدہ کا نکاح غیر سیّد کے ساتھ نا جائز ہے، خواہ غیر سیّد ہاشمی ہو، ولی راضی ہو یا نہ۔ کتاب وسُنّت اور اجماع وقیاس کے خلاف ہے اور اِس پر دلائل قائم کیے جائیں گے۔ افسوس کہ یہ جاہل ونا دان دوست موجودہ سجّادہ نشینانِ خانقاہ کو بھی ملوّث کر رہے ہیں، اور دعوای ارادت وعقیدت کا ہے۔ یہاں تک جو فتاوٰی مہریہ میں مذکور ہے سو فی صد درست اور صحیح ہے کہ سیّدہ کا نکاح غیر سیّد کے ساتھ جبکہ غیر سیّد، سیّدہ کی کفو نہ ہو اور سیّدہ کا ولیِ اقرب راضی نہ ہو۔ اِس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ لیکن فتاوٰی مہریہ کی عبارت کا یہ معنیٰ کرنا کہ غیر سیّد ہاشمی بھی سیّدہ کی کفو نہیں یا یہ کہ غیر کفو میں نکاح سرے سے نا جائز ہے خواہ ولی راضی ہو یا نہ۔ یہ اعلیٰ حضرتؒ اور فتاوٰی مہریہ پر نرا اور خالص بہتان ہے اور دیگر مستند کُتبِ حنفیہ کے بالکل خلاف ہے۔ اِس عبارتِ مذکورہ بالا کے بعد فتاوٰی مہریہ میں

غیر کفو میں بغیرِ رضائے ولی کے عدمِ جوازِ نکاح پر دلیل ذکر کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:
العجمی لا یکون کفوًا للعربیّۃ ولو کانَ عالمًا او سلطانًا، وھو الاصحّ درِّمختار، و یفتیٰ فی غیرِ الکفوٴ بعدم جوازہٖ اصلاً، وھو المختار للفتوٰی لفسادِ الزّمان دُرِّ مختار۔

عجمی اور عربی سے کیا مُراد ہے اور اِس کا مصداق کیا ہے۔

قارئین! مذکورہ بالا عبارت کے دو حصّے ہیں۔ حصّہ اوّل (او سلطاناً وھو الاصحّ درِّ مختار) تک اور حصّہ دوم (و یفتیٰ فی غیرِ الکفوٴ بعدم جوازہٖ اصلاً) تک۔ پہلے عبارت کے حصّہ اوّل پر بحث کی جاتی ہے۔ لیکن بحث سے قبل ایک تمہید ضروری ہے۔ وہ یہ کہ عجمی اور عربی سے کیا مُراد ہے اور ہر ایک کا مصداق کیا ہے۔ عرب کی تحقیق شامی میں بہ ایں الفاظ کی گئی ہے:
العرب صنفان عرب عاربہ وھم اولاد قحطان، ومُتعرّبہ وھم اولاد اسمٰعیل، والعجم اولاد فروخ اخی اسمٰعیل وھم الموالی والعتقاء والمراد بھم غیر العرب: خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ عرب دو قسم ہیں۔ قسمِ اوّل عرب عاربہ یعنی خالص عرب، جو قحطان کی اولاد سے ہیں۔ قسمِ دوم عرب متعرّبہ اور یہ اولادِ اسمٰعیل ہیں۔ متعرّبہ کا یہ معنیٰ ہے کہ خالص عرب نہیں، لیکن عرب کے حکم میں ہیں اور عجم اولادِ فروح سے ہیں، جو اسمٰعیل کا بھائی ہے اور اِن کو موالی اور عُتقاء کہتے ہیں اور عجم سے مراد غیر عرب ہے۔ یعنی عجم وہ ہے جو نہ اسمٰعیل کی اولاد ہے اور نہ قحطان کی، خواہ فروح کی اولاد ہو یا نہ۔ خواہ وہ پہلے عبد (غلام) تھے اور پھر آزاد ہوئے، یا کہ اصالۃً آزاد ہوں اور رِق نے اُن کو مَس نہ کیا ہو۔ اِس کے بعد شامی نے اگلے صفحہ پر

عجم کی باقاعدہ تعریف کی ہے ملاحظہ ہو: واما فی العجم المراد بھم من لم ینتسب الیٰ احدیٰ قبائل العرب..... سواء تکلّموا بالعربیّۃ اوغیرھا الخ: خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ عجم وہ ہے۔ جو عرب کے کسی ایک قبیلہ کی طرف منسوب نہ ہو، خواہ اُس کی زبان عربی ہو یا غیر عربی۔ اِس عبارت سے یہ معلوم ہُوا کہ سادات اور قریش عرب ہیں، اس لیے کہ عربی قبائل کی طرف منسوب ہیں، خواہ اِن کی رہائش عرب میں ہو یا عجم میں، خواہ عربی میں تکلّم کریں یا غیر عربی میں۔ پٹھان، ارائیں اور بھٹی، یہ عجمی ہیں خواہ عرب میں رہائش پذیر ہوں یا عجم میں خواہ عربی میں تکلّم کریں یا غیر عربی میں، یہاں تک تمہید ختم ہوتی۔

فتاویٰ کی عبارت پر بحث

اب فتاویٰ مہریہ میں مذکور عربی عبارت جس کو دُرِّ مختار کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور بطورِ استدلال ذکر کی گئی ہے، اِس عبارت کے حصّۂ اوّل پر بحث کی جاتی ہے، جو یہ ہے: العجمی لا یکون کفوءً اللعربیّۃ ولو کان عالماً اوسلطاناً وھو الاصحّ درِّمختار، اِس عبارت پر چند بحثیں ہیں۔ اوّل مطلبِ عبارت کہ عجمی مرد، عربیّہ عرب کا کفو نہیں، اگرچہ وہ عجمی مرد عالمِ دین ہو یا بادشاہ۔

دوم: سلطان کا عطف عالم پر بلفظِ اَو ہے، تو واضح ہوَا کہ سلطان سے مُراد غیر عالمِ دین اور جاہل ہے اور عربیّہ سے مراد عورت عربیّہ ہے، خواہ عرب کے کسی قبیلہ سے تعلق رکھتی ہو۔ عالمہ ہو یا جاہلہ، تو مردِ عجمی اِس عربیّہ عورت کی کفو نہیں اور اِن میں لڑکی اور ولی کی رضا کے بغیر نکاح جائز اور حلال نہیں اور اگر ولی راضی ہو تو نکاح جائز ہے۔ سوم: اعلےٰ حضرت گولڑوی قدّس سرّہٗ العزیز اِس

سوال کے جواب میں درِّ مختار کی عبارت سے استدلال پیش کر رہے ہیں کہ محمّد خان نے سیّدہ فاطمیہ کے ساتھ بغیر رضائے ولیِّ قریب اور بعید کے نکاح کیا اور آپ حضرت فرما رہے ہیں کہ یہ نکاح غیر کفو میں ہے، لہٰذا نا جائز ہے۔ تو درِّ مختار کی عبارت سے اِس پر استدلال اُس وقت درست ہو گا کہ محمّد خان عجمی ہو، خواہ عالمِ دین ہو یا جاہل تو اِس عبارت سے محمّد خان عجمی کا نکاح سیّدہ عربیّہ کے ساتھ نا جائز ہُوا۔ اب جاہل مفتیوں کا اِس عبارت سے یہ استدلال لانا کہ ہاشمی مرد بھی سیّدہ فاطمیہ کی کفو نہیں اور اِن میں نکاح جائز نہیں۔ پرلے درجے کی جہالت ہے اور پھر اِس کو اعلیٰ حضرتؒ کے فتاویٰ میں داخل کرنا قطبِ زماں پر عظیم بہتان اور افترا ہے۔ یہ جاہل مُفتی عجمی کا معنٰی ہاشمی کر رہے ہیں۔ چہارم: یہ بحث بڑی اہم ہے اِس لیے پوری توجّہ کی درخواست ہے۔ مذکورہ بالا عبارت کے حصّۂ اوّل یعنی العجمی لا یکون کفوًا للعربیّۃ کو درِّ مختار کی طرف منسوب کیا گیا ہے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور درِّ مختار پر افترا ہے۔ کوئی جاہل مفتی ہے، جو اِس عبارت کو درِّ مختار کی عبارت ثابت کرے۔ فتاویٰ مہریہ میں اِس عبارت کو درِّ مختار کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔

یہ عبارت دراصل تنویر الابصار کی ہے، جو درِّ مختار کا متن ہے اور اِس عبارت میں عجمی مرد میں تعمیم کی گئی ہے کہ عجمی مرد خواہ عالم ہو یا سلطانِ جاہل، عربیّہ کی کفو نہیں درِّ مختار اور شامی دونوں نے اِس تعمیم کو رد کر دیا ہے اور یہ تعمیم مردود ہے۔ درِّ مختار اور شامی کا رد انشاء اللہ عنقریب ذکر کیا جائے گا۔

فتاویٰ مہریہ پر اعتراضات

اوّل: جو عبارت درِّ مختار کی نہیں، اُسے درِّ مختار کی عبارت کہا گیا۔

دوم: جس عبارت کو درِّ مختار نے رد کیا اور اُس کے نزدیک جو قول مردُود ہے،

اُس کو درِّ مختار کا مُختار قرار دیا گیا۔

سوم: قولِ مردُود کو وھو الاصحّ کہا گیا۔

چہارم: فتاوٰی مہریہ نے مردُود قول سے اِستدلال کیا ہے۔

پنجم: جب فتاوٰی مہریہ کے جامع کو یہ علم بھی نہیں کہ جس عبارت سے اِستدلال کیا جا رہا ہے، وہ کِس کتاب کی عبارت ہے، درِّ مختار کی یا تنویر الابصار کی اور وہ عبارت مردُود ہے یا مختار، تو اُس کو اعلیٰ حضرتؒ کے فتاوٰی جمع کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔

میرے اعتراضات جامعینِ ملفُوظات و ناقلینِ فتاوٰی پر ہیں نہ کہ اعلٰے حضرت گولڑویؒ پر

قارئین! میرے سارے اعتراضات فتاوٰی اور اُس کے جامع پر ہیں، نہ کہ اعلیٰ حضرت گولڑوی قدّس سرّہ العزیز پر (العیاذ باللّٰہ) اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ عبارتِ مذکورہ سے اعلیٰ حضرتؒ نے خود استدلال کیا ہے، تو پھر یہ سب اعتراضات حضور گولڑویؒ پر وارد ہوں گے۔ العیاذ باللّٰہ۔ مزید برآں مخالفین یہ اعتراض کریں گے کہ تمہارا دعوٰی یہ ہے کہ حضرت پیر مہر علی شاہؒ گولڑوی بہت بڑے عالم، بلکہ مجدّدِ وقت تھے اور علمِ لَدُنّی کے وارث، لیکن اِس مَردُود عبارت سے اُن کا استدلال تمہارے دعوٰی کی نفی ہے۔ تو اِس اعتراض کا جواب بغیر اِس کے نہیں کہ فتوٰی کا جواب صحیح ہے اور یہ جواب اعلیٰ حضرتؒ کا ہے، لیکن عبارتِ مذکورہ بالا: العجمی لا یکون کفوًا للعربیّۃ ولوکان عالمًا اور سلطانًا، آپ نے ذکر نہیں فرمائی اور نہ اِس سے استدلال فرمایا؛ بلکہ یہ کاتب کی غلطی ہے یا جامعِ فتاوٰی نے عمدًا اعلےٰ حضرتؒ کو بدنام کرنے کے لیے یہ خیانت کی ہے۔ حضورؒ کی طرف غلطی منسوب کرنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ کاتب یا جامع کی طرف منسوب کی جائے، جیسا کہ

امام رازیؒ کا طریقہ ذکر کیا گیا۔ بندہ عرض کرتا ہے کہ فتاوٰی مہریہ کی اشاعت کافی مدّت پہلے ہوئی؛ لیکن آج تک کسی نے اِس غلطی کی نشان دہی نہیں کی، نہ کسی اپنے نے، نہ پرائے نے۔ یہ نشان دہی پہلی دفعہ اِس نیاز مند نے کی ہے۔

کسی سہو کی نشان دہی علمی دیانت ہے۔

اِس کی ایک اور مثال پیشِ خدمت ہے۔ تفسیر خزائن العرفان مولانا نعیم الدین مراد آبادی قدّس سرّہ العزیز میں ایک شدید غلطی ہے۔ تقریباً اسّی۸۰ سال قبل یہ شائع ہوئی، لیکن کسی بریلوی یا دیوبندی عالم نے اِس غلطی کی نشان دہی نہیں کی، اِس طویل عرصہ کے بعد اِس فقیر نے نشان دہی کی اور سب نے اُس کو تسلیم کیا۔ وہ غلطی یہ تھی کہ اِس تفسیر کے مطابق رمضان شریف کے روزے دس شوّال ۲ھ میں فرض ہوئے اور حوالہ دُرِّ مختار اور تفسیرِ خازن کا دیا گیا، حالانکہ دوسری مستند کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ روزے دس شعبان ۲ھ میں فرض ہوئے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نَو۹ سال کے روزے رکھے اور جن دو کتابوں یعنی دُرِّ مختار اور خازن کا حوالہ دیا گیا ہے، اُن میں دس۱۰ شعبان ہی مذکور ہے۔ تو اس طرح تفسیر میں دو غلطیاں ہوئیں۔ اوّل: روزہ رمضان کی تاریخ فرضیّت غلط ہے۔ دوم: یہ حوالہ کہ دُرِّ مختار اور تفسیرِ خازن کے مطابق روزے دس۱۰ شوّال کو فرض ہوئے۔ لکیر کا فقیر ہونے کی بنا پر مفتی احمد یار خان مرحوم نے جو فاضل مراد آبادیؒ کے شاگرد ہیں، استاد کا اتّباع کیا اور یہی دلیل ذکر کر دی، خود تحقیق نہیں کی اور تفسیر نعیمی میں تاریخِ فرضیّتِ روزہ دس۱۰ شوّال ذکر کی، جو بالکل غلط ہے اور المیہ یہ ہے کہ چونکہ یہ ہر دو تفاسیر مستند خیال کی جاتی ہیں، اِس لیے اِن کا مطالعہ کرنے والے گمراہ ہوتے ہیں۔ تفسیر کی یہ غلطی نیاز مند نے بہت سے علماء کو تحریر کی، تو کسی نے یہ نہیں کہا کہ تم نے غلطی کی نشان دہی کر کے صدر الافاضل

مراد آبادی مرحوم کی توہین اور گستاخی کی ہے، بلکہ بعض سنجیدہ علماء نے بندہ کو شکریہ کے خطوط لکھے۔ یہی حال فتاوٰی مہریہ میں عربی عبارت کا ہے۔ آج تک کسی نے اِس پر غور نہیں کیا۔ بندہ نے جو نشان دہی کی ہے تو معاندین اور بے سند مفتی بجائے شکریہ، توہین کا بہتان باندھیں گے۔ موجودہ حضرت گولڑوی مدظلہ العالی سے نیازمندانہ گذارش ہے کہ اعلیٰ حضرت رح کی تصانیف کا تحفظ اُن کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ وہ مجھ پر اعتماد نہ کریں، بلکہ ایک ہزار مستند علماء کو بلا کر میری یہ نشان دہی اُن کے سامنے رکھیں، اگر وہ اِس کا تسلی بخش جواب نہ دے سکیں تو پھر اہتمامِ اشاعت کرنے والوں کو حکم دیں کہ جو نسخے فتاوٰی مہریہ کے اُن کے پاس پڑے ہیں۔ اُن کے ساتھ چِٹ لگائیں، جس پر لکھا ہو کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے سوال کا جو جواب دیا ہے وہ درست ہے، لیکن جس عربی عبارت کے پہلے حصّے سے استدلال کیا گیا ہے وہ غلط ہے۔ یہ استدلال اعلیٰ حضرت کا نہیں، بلکہ کسی جامع نے سہواً درج کر دیا ہے۔ البتہ عربی عبارت کا دوسرا حصّہ درِّ مختار کی عبارت ہے اور درست ہے اور آئندہ اشاعت میں عربی عبارت کے پہلے حصّے کو حذف کر دیا جائے۔ بندہ قبل ازیں ذکر کر چکا ہے کہ فتاوٰی مہریہ کے صفحہ ۱۳۳ پر عربی عبارت کا جو حصّہ اوّل درِّ مختار کی طرف منسوب کیا گیا ہے، وہ درِّ مختار کی عبارت نہیں، بلکہ اُس کے متن تنویر الابصار کی عبارت ہے اور درِّ مختار اور شامی نے اُس کو رد کیا ہے۔ اب بندہ پہلے درِّ مختار اور پھر شامی کا رد ذکر کرتا ہے۔ درِّ مختار کا رد ملاحظہ ہو: شامی جلد دوم ص ۳۴۳ - ۳۴۴۔ عبارتِ درِّ مختار

لکن فی النّہر ان فسّر الحسیب بذی المنصب والجاہ فغیر کفوٍ للعلویّۃ وان العالم فکفوٌ لان شرف العلم فوق شرف النّسب ولذا قیل ان عائشۃ افضل من فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، عبارت کا مطلب بیان کرنے سے قبل دو اُمور کا جاننا ضروری ہے۔ اوّل یہ کہ تنویر الابصار نے عجمی میں

تعمیم کی تھی کہ عجمی خواہ عالم ہو یا سلطان جاہل، یہ عربیہؔ کی کفو نہیں ہے۔ درِ مختار اس تعمیم کو رد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عجمی اگر سلطان اور جاہل ہو تو اولادِ علیؓ کی کفو نہیں اور اگر عجمی عالم ہو، تو اولادِ علیؓ کی کفو ہے اور اِس کی دلیل ذکر کی گئی، جو بعد میں آئے گی۔

حسیب و نسیب کی تصریح

امرِ دوم : ایک حسیب ہوتا ہے اور دوسرا نسیب۔ نسیب وہ ہے، جو نسب کے لحاظ سے بزرگ ہے۔ جیسے اولادِ علیؓ ہے یعنی سادات اور حسیب وہ ہے، جس کے اخلاق اچھے ہوں اور عجمی ہو۔ پھر حسیب دو قسم ہے۔ اوّل عالم ہو۔ دوم عالم نہ ہو، لیکن صاحبِ عزّت اور سفید پوش ہو۔ مثلاً سُلطان ہے اور لوگ اُس کی عزّت و احترام کرتے ہیں۔ اب دُرِّ مختار کی عبارت کا مطلب عرض ہے کہ حسیب عجمی اگر عالم نہیں ہے اور ذی عزّت ہے تو یہ علویہ یعنی اولادِ علیؓ اور سادات کی کفو نہیں ہے اور اگر عجمی حسیب عالم ہے تو یہ سادات کی کفو ہے؛ اِس کی دلیل یہ ہے کہ شرافتِ علمی، شرافتِ نسبی سے برتر ہے اور اِس برتری کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا علم، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ ہے اِس لیے حضرت عائشہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل ہیں۔ علّامہ شامیؒ نے نے اپنے حاشیہ میں فرمایا: ولذا قیل ای لکون شرف العلم اقوٰی قیل انّ عائشۃ افضل لکثرۃ علمہا۔ خلاصہ یہ کہ چونکہ علم کی شرافت، نسب کی شرافت سے اقوای ہے، تو چونکہ حضرت عائشہؓ کا علم زیادہ ہے اِس لیے حضرت عائشہ، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل ہیں۔ یہاں تک درِ مختار نے تنویر الابصار کی تعمیم کا رد کیا اور ثابت کیا کہ عجمی عالم سادات کی کفو ہے؛ البتہ عجمی

ذی عزّت و ذی مرتبہ جو عالم نہ ہو وہ سادات علویہ کی کفو نہیں۔ اب ثابت ہو گیا کہ جب درِّ مختار تنویر الابصار کی تعمیم کا منکر ہے اور اس نے اس کا رد کیا ہے تو پھر وہ تعمیم کا قائل کس طرح ہو سکتا ہے۔ تو فتاوٰی مہریہ نے جو تعمیم کو درِ مختار کی طرف منسوب کیا اور اس کو اصح کہا، یہ اعلیٰ حضرت گولڑوی کا مختار نہیں، بلکہ جامع فتاوٰی کی کارستانی ہے۔ اب بندہ یہ ذکر کرتا ہے کہ درِّ مختار کی طرح علّامہ شامیؒ نے بھی تنویر الابصار کی تعمیم کو رد کیا ہے۔ تعمیم یہ ہے کہ عجمی خواہ عالم ہو یا سلطان اور ذی عزّت جاہل، ہر دو سیّدہ کے کفو نہیں ہیں۔ شامی کا رد ملاحظہ ہو: فالعالم العجمی یکون کفوًا للجاھل العربیّ والعلویّۃ، لانّ شرف العلم فوق شرف النّسب وارتضاہ فی فتح القدیر وجزم بہٖ البزّازی وزاد والعالم الفقیر یکون کفوًا للغنیّ الجاھل والوجہ فیہ ظاھر، لانّ شرف العلم فوق شرف النّسب، فشرف المال اولٰی نعم الحسب قدیر ادبہ المنصب والجاہ کما فسّرہ بہ فی المحیط عن صدر الاسلام وھٰذا لیس کفوًا للعربیّۃ، خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ جامعِ قاضی خان میں ہے کہ عجمی عالم کفو ہے عربی جاہل اور علویہ یعنی سادات کی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شرافتِ علمی، نسبی شرافت سے برتر ہے اور فتح القدیر کے مصنّف نے اس کو پسند کیا اور بزّازی نے بھی اسی کے ساتھ جزم کیا اور یہ مسئلہ زیادہ کیا کہ عالم فقیر اور مسکین جاہل غنی کی کفو ہے؛ کیونکہ جب علمی شرافت، نسبی شرافت سے برتر ہے تو علمی شرافت، شرافتِ مالی سے بطریقِ اولیٰ برتر ہو گی۔ البتہ حسب کا وہ معنیٰ جو محیط میں ہے کہ عجمی صاحبِ مرتبہ اور ذی عزّت غیر عالم عربیّہ کی کفو نہیں۔ اب اس عبارت سے علّامہ شامیؒ نے تنویر الابصار کی تعمیم کو رد کیا اور ثابت کر دیا کہ عجمی عالم، سادات کی کفو ہے؛ البتہ وہ عجمی جو سفید پوش اور ذی عزّت ہے، اگرچہ بادشاہ ہو لیکن عالم نہیں،

یہ علویہ سادات کی کفو نہیں۔ اِس کے بعد علامہ شامیؒ نے پھر تنویر الابصار کی تعمیم کو بہ ایں الفاظ رد فرمایا: اقول حیث کان ما فی الینا بیع من تصحیح عدم کفائۃ الحسیب للعربیۃ مبنیاً علیٰ تفسیر الحسیب بذی المنصب والجاہ لم یصح ما ذکرہ المصنّف من تصحیح عدم الکفائۃ فی العالم۔

خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ جب ینابیع والے نے اِس امر کی تصحیح کی ہے کہ جو حسیب عجمی کہ عالم نہیں اور سفید پوش اور ذی مرتبہ ہے، یہ عربیہ کی کفو نہیں، تو مصنّف یعنی تنویر الابصار والے کا یہ کہنا کہ جو عجمی عالم ہے، وہ بھی عربیّہ کی کفو نہیں، اُس کا یہ قول صحیح نہیں، بلکہ غلط ہے۔ اب درِّ مختار، شامی، قاضی خان، فتح القدیر، بزازیہ اور ینابیع، اِن سب نے تنویر الابصار کی تعمیم کو رد کیا اور یہ فتوای دیا کہ عجمی عالم علویہ اور سادات کی کفو ہے اور اگر سیّدہ عاقلہ، بالغہ ہے تو حنفی مذہب کے مطابق ولی کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں، بغیر اجازتِ ولی عجمی عالم کا نکاح سیّدہ کے ساتھ درست ہے اور لازم ہے۔ قاضی ولی کے مطالبہ پر بھی اِس نکاح کو فسخ نہیں کر سکتا، اِس پر دلیل سب نے یہ دی ہے کہ شرافتِ علمی شرافتِ نسبی سے برتر ہے، تو جہاں یہ دلیل پائی جائے گی، وہاں سیّدہ کا نکاح عجمی کے ساتھ درست اور لازم ہوگا۔

اب عجمی عالم عام ہے، پٹھان ہو یا ارائیں یا بھٹّی یا کسی اور حقیر قوم سے ہو۔ یہ عجمی عالم سیّدہ کی کفو ہے تو جاہل مفتیوں کا یہ دعوای باطلِ محض ٹھہرا کہ غیر سیّد ہاشمی بھی سیّدہ کی کفو نہیں، اور اِن کے درمیان نکاح ناجائز ہے۔ بندہ ایسے تمام مفتیوں کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ حنفی مذہب کی کسی مستند کتاب سے اپنا دعوای ثابت کر دیں کہ غیر سیّد ہاشمی، سیّدہ کی کفو نہیں، جیسا کہ بندہ نے مستند کُتُبِ احناف سے ثابت کیا ہے کہ عجمی عالم علویہ اور سادات کی کفو ہے۔ نیز اِس سے ثابت ہُوا کہ اعلیٰ حضرت گولڑوی قدّس سرّہ العزیز نے فتاوٰی مہریہ میں سیّدہ کا نکاح محمّد خان کے ساتھ غیر کفو میں اور

ناجائز قرار دیا ہے، تو یہ اُس صورت میں ہے کہ محمد خان غیر عالم ہو، یا یہ نکاح ولیِ اقرب کی رضا کے تحت نہ ہوا ہو اور اگر محمد خان عالم تھا، تو یہ سیّدہ کی کفو ہے اور نکاح جائز۔

فتاوٰی مہریہ میں درِ مختار کی جو عبارت بطورِ استدلال پیش کی گئی ہے؛ یہاں تک اُس کے حصّۂ اوّل پر بحث ختم ہوئی اور ثابت کیا گیا کہ یہ عبارت درِ مختار کی نہیں اور درِ مختار، شامی اور دوسرے مذکورہ علماء نے اِس کو رد کیا ہے، اور اِس عبارت سے استدلال قولِ مردود سے استدلال ہے، جو کہ باطل ہے۔

عبارت کے حصّۂ دوم پر بحث

قارئین! اب عبارت کے حصّۂ دوم پر بحث کی جاتی ہے: و یفتٰی فی غیر الکفوء بعدم جوازہٖ اصلًا و ھو المختار للفتوٰی لفساد الزمان درِ مختار۔ یہ عبارت درِ مختار کی ہے، اِس پر بھی کئی ابحاث ہیں۔

بحثِ اوّل: کسی عورت نے بغیر اجازتِ ولیِ اقرب خود بخود غیر کفو میں نکاح کر لیا تو اِس میں دو مذہب ہیں۔ مذہبِ اوّل: ظاہر الرّوایہ کہ نکاح تو منعقد ہے، لیکن لازم نہیں۔ قاضی ولیِ اقرب کے مطالبہ پر فسخ کر سکتا ہے۔ اگر ایک ولیِ اقرب نے قبل از عقدِ نکاح یا بعد از عقدِ نکاح، نکاح پر صراحۃً رضامندی ظاہر کر دی تو نکاح لازم ہو جائے گا اور کوئی دوسرا ولی اِس نکاح کو قاضی سے فسخ نہیں کرا سکتا۔

مذہبِ دوم: غیر ظاہر الرّوایہ یعنی نوادر کہ اگر عورت نے بغیر اجازتِ ولیِ اقرب خود بخود غیر کفو میں نکاح کر لیا تو اِس مذہبِ دوم کے مطابق ابتدا سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا اور اب قاضی اِس نکاح کو ولیِ اقرب کے مطالبہ پر فسخ نہیں کر سکتا، اِس لیے کہ فسخ اُس چیز کا ہوتا ہے، جس کا وجود ہو اور چونکہ مذہبِ دوم کے مطابق اِس صورت میں نکاح کا وجود ہی نہیں، لہٰذا تنسیخِ قاضی کی ضرورت ہی کیا ہے حضرت گولڑوی

کے فتوای کا تعلق بھی اِسی مذہب دوم سے ہے اور اِس صورت میں اگر ایک ولیِ اقرب نے قبل از عقدِ نکاح نکاح کی اجازت صراحۃً دے دی تو نکاح درست، صحیح اور نافذ و لازم ہو جائے گا اور اگر ولیِ مذکور نے بعد از نکاح، نکاح پر صراحۃً رضامندی ظاہر کر دی تو اِس کا کوئی فائدہ نہیں اور اِس رضامندی سے پہلا نکاح درست اور صحیح نہیں ہوگا۔
اب اِس پر دلائل ملاحظہ ہوں: شرح وقایہ اور اِس کے متن میں ہے: نفذ نکاح حُرّۃٍ مکلّفۃ ولو فی غیر الکفوء بلا ولی ای بلا رضاہ و اذنہ وللولیّ الاعتراض فی غیر الکفوء وروی الحسن بن زیاد عن ابی حنیفۃ رحمہما اللہ تعالیٰ عدم جواز النّکاح من غیر کفوء وعلیہ فتوٰی قاضی خان۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ آزاد اور عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح کفو اور غیر کفو دونوں میں نافذ اور صحیح ہے۔ خواہ ولیِ اقرب کی نہ رضا ہو نہ اذن۔ البتہ اگر ولی کا اذن اور رضا نہ ہو تو ولی اِس نکاح پر اعتراض کر سکتا ہے اور ولی کے مطالبہ پر قاضی اِس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔ یہ ظاہر الرّوایہ ہے اور حسنؒ بن زیاد نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے، کہ بلا اذنِ ولیِ اقرب حُرّہ عاقلہ، بالغہ کا نکاح غیر کفو میں جائز نہیں اور قاضی خان نے اِس پر فتوای دیا ہے' یہ غیر ظاہر الرّوایہ اور نوادر سے ہے۔
اِس عبارت سے واضح ہے کہ ظاہر الرّوایہ اور غیر ظاہر الرّوایہ کا اختلاف اُس صورت میں ہے کہ ایک عورت حُرّہ، عاقلہ، بالغہ نے خود اپنا نکاح بلا اذنِ ولی کے غیر کفو میں کیا اور اگر مذکورہ عورت نے ولی کے اذن اور رضا سے غیر کفو میں نکاح کیا تو دونوں کا اتّفاق ہے کہ یہ نکاح جائز اور حلال ہے؛ کسی حنفی کا اِس میں اختلاف نہیں تو آج کل کے جاہل اور نام نہاد مفتیوں کا یہ کہنا کہ غیر کفو میں نکاح ناجائز ہے، خواہ ولی کی رضا اور اذن سے ہو یا نہ' یہ قول باطل اور دین سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ دُرَرُ الاحکام شرحِ غُرَرُ الاحکام میں ہے: فینفذ نکاح حُرّۃ، عاقلۃ بالغۃ بِکرًا کان

او ثیّبًا بلا ولیّ ولہ الاعتراض فی غیر کفوٍ ان شاء فسخ وان شاء اجاز۔ وروی عدم جوازہ وبہ یفتیٰ لفساد الزّمان ورضا البعض کالکلّ ای رضا بعض الاولیاء کرضاء کلّہم حتّٰی اذا عقد واحدٌ منہم لم یقدر الباقی علٰی فسخہ لو استووا فی الدّرجۃ و امّا اذا کان بعضہم اقرب من العاقد فلہٗ فسخہٗ، خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ حُرّہ، عاقلہ، بالغہ خواہ باکرہ ہو یا ثیّبہ، اگر بغیر اجازتِ ولیِّ اقرب کے کفو میں نکاح کرے یا غیر کفو میں، تو یہ نکاح نافذ اور صحیح ہے۔ البتّہ غیر کفو میں یہ نکاح بغیر اجازتِ ولی کی صورت میں، ولی چاہے تو بذریعۂ قاضی نکاح کو فسخ کروائے اور چاہے تو برقرار رکھّے اور ابو حنیفہؒ سے حسن بن زیاد رحمۃ اللّٰہ تعالٰی علیہ نے روایت کی ہے کہ بغیر اجازتِ ولی غیر کفو میں نکاح جائز نہیں ہے اور اِسی پر فتوٰی ہے بوجہِ فسادِ زمان۔ اور اگر اِس صورت میں کہ نکاح غیر کفو میں بغیر اجازت ولیوں کے ہُوا ہو اور ولی عورت کے سب برابر تھے۔ مثلاً اُس کے تین بھائی، یا تین چچا زاد تھے اور اِن میں سے صرف ایک نے مذکورہ نکاح پر رضا مندی کا اظہار کیا تو یوں ہی سمجھا جائے گا کہ سب نے رضا مندی کا اظہار کیا' تو اگر ایک ولی نے عورت کا نکاح غیر کفو میں کر دیا، تو دوسرے فسخ نہیں کروا سکتے اور ظاہر الرّوایہ اور نوادر ہر دو اِس پر متّفق ہیں کہ اگر ایک ولی نے عورت کا نکاح غیر کفو میں کر دیا تو باقی فسخ پر قادر نہیں اور اگر وہ متعدّد ولی برابر نہیں اور اُن سے ایک نکاح کر دینے والے سے قریب ہے؛ مثلاً ایک بھائی اور دوسرا چچا زاد ہے اور عقدِ نکاح چچا زاد نے کر دیا تو ولیِّ اقرب یعنی حقیقی بھائی فسخ کرا سکتا ہے۔ تنویر الابصار، درِّ مختار اور شامی میں ہے: للولیّ الاعتراض فی غیر الکفوء ای فی تزویجہا لنفسہا من غیر الکفوء فیفسخہ القاضی ویفتٰی فی غیر الکفوء

بعدمِ جوازہٖ اصلاً ھٰذہ روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ وھٰذا اذا کان لھا ولیّ لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرّضاء بعدہ بحر و امّا اذا لم یکن لھا ولیّ فھو صحیح نافذ مطلقاً اتّفاقاً وبناءً علی الاوّل و ھو ظاھر الرّوایہ فرضا البعض من الاولیاء قبل العقد او بعدہ کالکلّ فیہ ان الرّضاء قبل العقد یصحّ علٰی کلّ من الاوّل والثّانی و امّا المبنی علی الاوّل فقط فھو الرّضاء بعد العقد فانّہ یصحّ علیہ لا علَی الثّانی المفتٰی بہ کما قدّمناہ عن البحر وکلام المتن یوھم انّہ علَی الثّانی لا یکون رضاء البعض کالکلّ ولا وجہ لہ : خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ اگر عورت عاقلہ، بالغہ، حُرّہ نے بغیر اجازتِ ولی خود بخود غیر کفوء میں نکاح کیا تو یہ نکاح نافذ اور صحیح ہوگا، البتّہ لازم نہیں ہوگا اِسی لیے ولی کے مطالبہ پر قاضی اِس نکاح کو فسخ کر دے گا۔ یہ ظاہر الرّوایہ ہے اور غیر ظاہر الرّوایہ یعنی نوادر جو حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ رحمہا اللہ تعالٰی سے روایت کیا ہے یہ ہے کہ غیر کفو میں نکاح بالکل ابتداء سے جائز ہی نہیں اور اِس پر فتوٰی ہے اور یہ عدم جواز غیر کفو میں دو شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ شرطِ اوّل اُس عورت کا ولی ہو۔ دوم = عقد سے پہلے ولی نے اجازت نہ دی ہو۔ اگر شرطِ اوّل مفقود ہے، یعنی مذکورہ عورت کا ولی نہیں ہے یا شرطِ دوم مفقود ہے، یعنی ولی نے قبلِ عقدِ نکاح، نکاح پر رضامندی ظاہر کر دی، تو ظاہر الرّوایہ اور نوادر دونوں کا اتّفاق ہے کہ غیر کفو میں نکاح صحیح ہے۔ البتّہ ظاہر الرّوایہ میں بعد از نکاح اگر ولی نے غیر کفو میں بلا اجازتِ ولی نکاح پر رضامندی ظاہر کی تو یہ نکاح صحیح اور لازم ہو جائے گا اور غیر ظاہر الرّوایہ یعنی نوادر میں بعد از عقدِ نکاح ولی کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں۔ نکاح صحیح نہیں ہوتا اور ظاہر الرّوایہ کے مطابق اگر عورت نے غیر کفو

میں نکاح کیا تو اگر اولیاء میں سے ایک ولی نکاح پر راضی ہو گیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ تمام اولیاء نکاحِ مذکورہ پر راضی ہو گئے ہیں، تو اب یہ نکاح صحیح اور لازم ہو گا اور کسی ولی کے مطالبہ پر قاضی اِس نکاح کو فسخ نہیں کر سکتا۔ چونکہ درِّ مختار اور متن کی اِس عبارت سے یہ وہم ہوتا تھا کہ ولی کی اجازت قبل از عقد اور بعد از عقد سے نکاح مذکورہ صحیح نہیں ہوتا؛ حالانکہ یہ درست نہیں ہے، تو علامہ شامیؒ نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ رضاء قبل از عقد سے ظاہر الرّوایہ اور غیر ظاہر الرّوایہ ہر دو کے نزدیک غیر کفو میں نکاح صحیح ہے اور یہ صحت ہر دو میں مشترک ہے۔ اور ظاہر الرّوایہ کے ساتھ مختص صرف رضاء بعد از عقد ہے کہ رضا بعد از عقد سے ظاہر الرّوایہ میں نکاحِ مذکورہ صحیح اور غیر ظاہر الرّوایہ میں صحیح نہیں، تو متن کی عبارت سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رضا قبل از عقد اور بعد از عقد غیر ظاہر الرّوایہ میں معتبر نہیں اور غیر ظاہر الرّوایہ میں ہر دو رضا یعنی قبل از عقد اور بعد از عقد سے نکاح صحیح نہیں، یہ درست نہیں۔ اِس بحثِ اوّل میں دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اگر قبل از عقد ولیِ اقرب غیر کفو میں نکاح کی اجازت دے دے تو تمام احناف کا اجماع ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے اور ظاہر الرّوایہ اور غیر ظاہر الرّوایہ یعنی حسن بن زیاد کا مُفتیٰ بہ قول ہر دو کا اِس پر اجماع ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے۔ البتّہ رضاء بعد از عقد میں اختلاف ہے۔ ظاہر الرّوایہ کے نزدیک رضاء بعد از عقد میں بھی نکاح صحیح ہے، اور غیر ظاہر الرّوایہ امام حسنؒ بن زیاد کے مُفتیٰ بہ قول کے مطابق رضاء بعد از عقد سے نکاح صحیح نہیں ہوتا، تو اب اِن نام نہاد اور بے سند مُفتیوں کا یہ کہنا کہ غیر کفو میں نکاح مطلقاً جائز ہی نہیں، خواہ ولی اجازت دے یا نہ۔ اگر اِن کی مُراد یہ ہے کہ خواہ ولی قبل از عقد اجازت دے یا بعد از عقد، تو نکاح جائز نہیں تو یہ باطلِ محض اور مُستند کُتبِ فقہِ احناف سے قطعی جہالت ہے؛ کیونکہ مستند دلائل سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ اگر نکاح غیر کفو میں کرنے کی اجازت ولیِ اقرب نے قبل از عقدِ نکاح دی ہے یا ولیِ اقرب نے خود نکاح

پڑھایا ہے، تو اِس کی صحت پر ائمۂ احناف کا اجماع ہے۔ البتہ اگر غیر کفو میں بغیر اجازتِ ولیِّ اقرب عورت نے خود نکاح کر لیا اور بعد از عقد ولیِّ اقرب نے رضامندی ظاہر کی، تو ظاہر الرّوایہ میں یہ نکاح صحیح اور غیر ظاہر الرّوایہ میں ناجائز ہے اور اگر اُن (مفتیوں) کی مُراد یہ ہے کہ غیر کفو میں بغیر اجازتِ ولی، عورت نے خود بخود نکاح کر لیا اور ولی نے بعد از عقد اجازت دے دی، تو یہ نکاح جائز نہیں؛ تو اِس عدمِ جواز سے اگر اُن کی مُراد ظاہر الرّوایہ میں عدمِ جواز ہے تو یہ بھی باطل ہے، جیسا کہ گذر چکا اور اگر اِس عدمِ جواز سے اُن کی مُراد غیر ظاہر الرّوایہ اور حسنؒ بن زیاد کی روایت ہے، جو اُنھوں نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے، تو اِس عدمِ جواز کو یہ فقیر بھی تسلیم کرتا ہے؛ لیکن اختلاف اِس صورت میں نہیں، بلکہ اِن نام نہاد مُفتیوں کے اُس دعوٰی کی صورت میں ہے کہ غیر کفو میں اگر ولیِّ اقرب خود بھی عورت کا نکاح کر دے، یا ولیِّ اقرب کی اجازت اور رضامندی سے عورت خود بخود غیر کفو میں نکاح کر لے تو یہ نکاح بھی ناجائز ہے۔ مُفتیوں کا یہ دعوٰی بالکل باطل اور کذبِ محض ہے اور ظاہر الرّوایہ اور غیر ظاہر الرّوایہ یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام یوسف، امام محمدؒ، امام زُفر اور امام حسن بن زیاد رحمہم اللہ اِن سب کے خلاف ہے۔

مُفتیانِ بے سند کو چیلنج

اِن مُفتیانِ بے سند کو اِس فقیر کی جانب سے کُھلا چیلنج ہے کہ وہ کسی مُستند کتابِ حنفی سے اپنے اِس دعوٰی پر دلیل پیش کر دیں اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ یہ نادان دوست اِس بالکل باطل دعوٰی کو اعلیٰ حضرت گولڑوی قدّس سرّہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، جو محض بہتان اور افترا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے: ؏ ھٰذا کذب افتراہ عدول۔ فتاوٰی مہریہ میں جو عربی عبارت درِّ مختار کی طرف منسوب کی گئی، اُس کے دو حصّے ہیں۔ حصّۂ اوّل کی نسبت درِّ مختار کی طرف غلط ہے اور افترا ہے؛ کیونکہ

درِ مختار نے اِس عبارت کو رد کیا ہے اور پھر اِس حصّہ اوّل کی نسبت اعلیٰ حضرتؒ کی طرف کرنا کہ آپ نے اِس سے اِستدلال کیا ہے، ڈبل بہتان و افترا، ہے، البتہ عربی عبارت کا حصّہ دوم درِ مختار کی عبارت ہے، جس پر ایک بحث ختم ہوئی۔

اب بحثِ دوم ملاحظہ ہو، تنویر الابصار، درِ مختار اور شامی میں ہے : ویفتیٰ فی غیر الکفوء بعدم جوازہٖ اصلاً ھٰذہ روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ رحمھما اللہ تعالیٰ۔ اکثر کتابوں میں یہ ہے کہ فتوای حسن بن زیاد کی روایت پر ہے، لیکن بعض مستند کتابوں میں یہ ہے کہ اکثر علماء نے ظاہر الرّوایہ پر فتوای دیا ہے کہ بغیر اجازتِ ولی نکاح غیر کفو میں صحیح ہے، البتہ لازم نہیں۔ اور ولیِّ اقرب کے مطالبہ پر قاضی فسخ کر سکتا ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔ درِ مختار اور شامی میں ہے: و ھو ظاھر الرّوایۃ بہ افتٰی کثیر من المشائخ فقد اختلف الافتاء، یعنی غیر کفو میں نکاح بغیر اجازت اور رضاءِ ولی صحیح ہے۔ یہ ظاہر الرّوایہ ہے اور اکثر مشائخ نے اِس پر فتوای دیا ہے، تو اب یہ کہنا غلط ہے کہ صرف فتوای امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت پر ہے، بلکہ یہ فتوای بعض مشائخ کا ہے اور اکثر مشائخ نے ظاہر الرّوایہ پر فتوای دیا ہے۔ دُرر شرحِ غرر کے حاشیہ ابی الاخلاص شرنبلالی میں ہے: و فی الخلاصۃ کثیر من مشائخنا افتوا بظاھر الرّوایۃ انّھا لیس لھا ان تمنع نفسھا و ھٰذا یدلّ علی ان الکثیر من المشائخ افتوا بانعقادہ فقد اختلف الافتاء) بحر الرّائق میں ہے اما تمکینھا من الوطی فعلی المفتی بہ ھو حرام کما یحرم علیہ الوطی بعدم انعقادہٖ و فی الخلاصۃ و کثیر من المشائخ افتوا بظاھر الرّوایۃ انّھا لیس لھا ان تمنع نفسھا و ھٰذا یدلّ علی ان کثیرًا من المشائخ افتوا بانعقادہٖ فقد اختلف الافتاء۔ مبسوط امام سرخسیؒ میں ہے: واذا زوّجت المرءۃ

نفسها عن غیر کفوء فللاولیاء ان یفرّقوا بینهما لانّ اصل النّکاح انعقد صحیحاً فی ظاهر الرّوایة فانّه لاضرر علی الاولیاء فی صحّة العقد و انّما الضّرر علیهم باللّزوم فتوفر علیه احکام احکام العقد الصّحیح۔ دُررشرح غرر اور مبسوط کی عبارات کا مطلب بیان کرنے سے قبل ایک تمہید ضروری ہے، وہ یہ کہ اگر عورت نے بغیر رضاءِ اولیاء غیر کفو میں نکاح کیا تو ظاہر الرّاویہ کا یہ حکم ہے کہ نکاح صحیح ہے، لہٰذا مرد پر عورت حلال ہے اور وہ اُس سے تعلّقاتِ زوجیّت قائم کر سکتا ہے۔ مگر امام حسنؒ بن زیاد کی روایت کے مطابق یہ نکاح جائز نہیں؛ گویا مرد کا عورت کے ساتھ نکاح نہیں ہے، لہٰذا مرد پر وطی حرام ہے اور عورت پر لازم ہے کہ وہ مرد کو اِس عمل سے روکے۔ اِس کے بعد حاشیہ دُرر، غرر کا مطلب یہ ہے کہ جب عورت نے خود بخود بغیر رضاءِ ولیّ اقرب غیر کفو میں نکاح کر دیا، تو نکاح ظاہر الرّوایہ میں صحیح ہے اور اکثر مشائخ نے ظاہر الرّوایہ کے مطابق یہ فتوٰی دیا کہ عورت کے ساتھ مرد کو وطی کرنا جائز ہے اور عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ مرد کو روکے اور اکثر مشائخ کا یہ فتوای اِس پر دلالت کرتا ہے کہ اکثر مشائخ کا ظاہر الرّوایہ کے مطابق یہ فتوای ہے کہ اِس صورت میں نکاح صحیح ہے۔ تو اب یہ کہنا کہ فتوای اِس صورت میں حسنؒ بن زیاد کی روایت پر ہے، غلط ہُوا؛ بلکہ فتوای میں اختلاف ہے۔ ظاہر الرّوایہ کے مطابق اکثر مشائخ کا فتوای یہ ہے کہ بغیر رضاءِ ولی غیر کفو میں نکاح صحیح ہے۔ البتّہ ولی کے مطالبہ پر اِس نکاح کو قاضی فسخ کر سکتا ہے اور حضرت حسنؒ بن زیاد کی روایت کے مطابق غیر ظاہر الرّوایہ پر بعض مشائخ نے یہ فتوای دیا ہے کہ اِس صورت میں نکاح جائز نہیں۔ تو ثابت ہُوا کہ فتوای صرف حضرت حسن بن زیادؒ کی روایت پر نہیں ہے۔ امام حسنؒ بن زیاد نے جو غیر کفو میں نکاح کو نا جائز قرار دیا ہے تو اُس کی دلیل یہ ہے کہ غیر کفو میں نکاح اولیاء کی بے عزّتی ہے، لہٰذا اگر نکاح کو

صحیح اور جائز قرار دیا جائے تو اِس میں اولیاء کا ضرر ہے، اِس لیے اولیاء کو ضرر سے بچانے کے لیے یہ فتویٰ دیا جائے گا کہ ایسا نکاح جائز اور صحیح نہیں ہے تو امام سرخسیؒ نے مبسوط میں اِس کا جواب دیا کہ ایک صحتِ نکاح ہے اور دوم لزومِ نکاح۔ اولیاء کے لیے ضرر لزومِ نکاح میں ہے کہ نکاح فسخ نہ ہو، صرف صحتِ نکاح میں اولیاء کے لیے ضرر نہیں ہے؛ کیونکہ وہ اِس نکاح کو بذریعہ قاضی فسخ کرا سکتے ہیں۔ اب بندہ اِن نام نہاد مُفتیوں کے سامنے دو مسئلے پیش کرتا ہے۔ اوّل ولی کی رضا کے بغیر غیرِ کفو میں نکاح کے متعلق دو مذہب ہیں۔ اوّل۔ ظاہر الرّوایہ کہ نکاح صحیح ہے اور اولیاء فسخ کرا سکتے ہیں اور اگر اولیاء نے قبل از عقد یا بعد از عقد رضامندی ظاہر کر دی تو نکاح لازم ہو جائے گا۔ مذہب دوم۔ غیر ظاہر الرّوایہ اور امام حسنؒ بن زیاد کی روایت کہ نکاح صحیح اور جائز نہیں؛ لیکن اگر ولی قبل از عقد نکاح پر رضامندی ظاہر کر دے تو نکاح صحیح اور لازم ہو جائے گا؛ لیکن اِن نام نہاد مُفتیوں کا مذہب نہ تو ظاہر الرّوایہ کے مطابق ہے اور نہ غیر ظاہر الرّوایہ کے مطابق، کیونکہ اِن کا دعوٰی یہ ہے کہ غیر کفو میں نکاح جائز ہی نہیں، خواہ ولی اجازت دے یا نہ۔ خواہ قبل از عقد اجازت دے یا بعد از عقد۔ ہر دو صورتوں میں نکاح جائز نہیں؛ اِس طرح اِن کا مذہب احناف کے اجماع کے خلاف ہے، لہٰذا مردود اور باطل ہے۔ مسئلہ دوم: قبل ازیں گذر چکا ہے کہ عورت عاقلہ، بالغہ، حُرّہ نے اگر بغیر رضا اور اجازتِ ولی کے غیر کفو میں نکاح کر لیا تو اِس میں دو مذہب ہیں۔ اوّل کہ یہ نکاح صحیح اور جائز ہے۔ دوم کہ یہ نکاح غیر صحیح اور ناجائز ہے۔ مذہبِ اوّل کو دو وجہ سے ترجیح ہے۔ وجہِ اوّل۔ صحتِ نکاح اور جوازِ نکاح ظاہر الرّوایہ ہے اور دوم غیر ظاہر الرّوایہ جو نوادرات سے ہے اور ظاہر ہے کہ ظاہر الرّوایہ کو غیر ظاہر الرّوایہ اور نوادرات پر ترجیح ہے اور اِس ترجیح کو خود اعلیٰ حضرت گولڑویؒ نے اپنے ایک فتوٰی میں بحوالہ شامی ذکر کرتے ہوئے

فرمایا "اوّلاً یہ قول ظاہر الرّوایہ کے خلاف ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جس وقت کوئی روایت ظاہر الرّوایہ کے مخالف ہو اور تحقیقی علاماتِ ترجیح سے خالی ہو، تو ترجیح ظاہر الرّوایہ کو ہوتی ہے کما فی شامی) ملاحظہ ہو فتاوٰی مہریہ، ص ۱۳۲ طبع سوم، مطبوعہ لاہور۔ وجہِ دوم: صحّتِ نکاح اور جوازِ نکاح پر اکثر مشائخ کا فتوای ہے اور عدمِ صحت وجواز پر بعض مشائخ کا فتوای ہے۔ ظاہر ہے کہ اکثر مشائخ کے فتوای کو بعض کے فتوای پر ترجیح ہے، تو جن کتبِ فقہ میں یہ مذکور ہے کہ غیر کفو میں نکاح کے عدمِ جواز اصلاً پر فتوای ہے، اِس عدمِ جواز پر احناف کا اجماع نہیں ہے، بلکہ یہ بعض احناف کا مذہب ہے اور اکثر مشائخ کا فتوای اِس کے خلاف ہے؛ بایں طور کہ غیر کفو میں نکاح صحیح ہے اور یہ ظاہر الرّوایہ ہے۔

دلیل ملاحظہ ہو: مبسوط سرخسی میں ہے: اذا زوّجت المرءة غیر کفوء فرضی به احد الاولیاء جاز ذٰلك و لا یکون لمن هو مثله فی الولایة او ابعد منه ان ینقضه الّا ان یکون اقرب منه فحینئذٍ له المطالبة بالتّفریق۔

خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ اگر کسی عورت عاقلہ، بالغہ نے خود بخود بغیر اجازتِ ولی غیر کفو میں نکاح کر لیا، اِس کے بعد ایک ولی راضی ہو گیا تو یہ نکاح جائز ہے اور جو ولی ولایت میں راضی ہونے والے کی مثل یعنی پہلا ولی عورت کا چچا زاد ہے مثلاً اور دوسرا بھی چچا زاد یا مثل نہیں، بلکہ بعید ہے مثلاً پہلا ولی عورت کا بھائی ہے اور دوسرا عورت کا چچا زاد، تو اِس ولیِ مثل اور بعید کو یہ حق نہیں کہ بذریعۂ قاضی نکاح فسخ کروا سکے۔

البتّہ راضی ہونے والے ولی سے اگر کوئی ولی قریب تر ہے تو یہ قریب تر ولی، قاضی سے فسخ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اب اِس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ غیر کفو میں نکاح پر اگر ولیِ اقرب راضی ہو جائے، خواہ عقدِ نکاح سے پہلے یا عقدِ نکاح کے بعد تو ظاہر الرّوایہ میں یہ نکاح صحیح اور لازم ہے؛ البتّہ حسنؒ بن زیاد کی روایت کے مطابق اگر قبل از عقدِ نکاح ولیِ اقرب نکاح پر راضی ہو جائے تو نکاح صحیح ہے، نہ بعد از عقدِ نکاح، اور زعمِ نہاد

مُفتیوں کا یہ فتوای ہے کہ غیر کفو میں نکاح بالکل جائز ہی نہیں۔ خواہ ولی کی رضامندی سے ہو یا عدمِ رضامندی سے۔ یہ فتوای ظاہر الرّوایہ اور غیر ظاہر الرّوایہ ہر دو کے خلاف ہے۔ یعنی اجماعِ احناف کے خلاف ہے، اور پھر اِن نام نہاد مفتیوں کا اپنے اِس فتویٰ باطل کو اعلےٰ حضرت گولڑوی قدّس سرّہ العزیز کی طرف منسوب کرنا، اعلیٰ حضرتؒ پر کذب اور بہتان و افترا ہے اور حضرتؒ کے رسائل میں اِس کا نشان تک نہیں۔ فتاوٰی مہریہ میں جو عربی عبارت درِّ مختار کی طرف منسوب ہے، اِس عبارت کے دوسرے حصّے پر دو بحث ختم ہوئیں۔ اب حصّہ دوم پر تیسری بحث ملاحظہ ہو:

لفظِ اصلاً کا مفہوم

عربی عبارت کا حصّہ دوم یہ ہے: و یفتٰی فی غیر الکفوء بعدمِ جوازہٖ اصلاً وھو المختار للفتوٰی لفساد الزّمان، بعض لوگ جن کو علومِ اسلامیہ سے عموماً اور علمِ فقہ سے خُصوصاً لگاؤ نہیں وہ حصّہ دوم کی عبارت میں لفظِ اصلاً کا یہ معنٰی کرتے ہیں کہ غیر کفو میں نکاح جائز ہی نہیں یا منعقد ہی نہیں ہوتا خواہ ولی کی اجازت اور رضا سے نکاح ہو یا بغیر اجازت و رضاءِ ولی۔ یہ معنٰی صریح غلط ہے۔ کیونکہ اگر کوئی لفظ اُن کے مطلب و مفہوم کی ترجمانی کر سکتا ہے تو وہ لفظ اصلاً نہیں بلکہ مطلقاً ہونا چاہیئے تھا۔ یعنی بعدمِ جوازہٖ اصلاً کے بجائے بعدمِ جوازہٖ مطلقاً ہوتا۔ تو پھر غیر کفو میں رضامندیٔ ولی کے باوجود بھی لڑکی کا نکاح سرے سے منعقد ہی نہ ہو سکتا، اِس صورت میں رشتوں کے آپس میں لین دین کا خاتمہ ہو جاتا۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں۔ لہٰذا دلائل سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ اگر قبل از عقد، ولی غیر کفو میں نکاح پر راضی ہو جائے تو نکاح صحیح اور لازم ہے اور اِس پر ظاہر الرّوایہ اور غیر ظاہر الرّوایہ دونوں کا اتّفاق ہے، بلکہ لفظِ اصلاً کا معنٰی وہ ہے جو علامہ شامیؒ نے لفظِ اصلاً کے تحت

ذکر کیا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو: لا یصحّ النّکاح من غیر کفوءٍ اصلاً ای لا لازماً ولا موقوفاً علی الرّضاء بعد البلوغ۔ خلاصہ یہ کہ لفظِ اصلاً پر نفی آئے تو وہاں تعدّد ہوتا ہے، تو یہاں تعدّد یہ ہے کہ غیر کفو میں نکاح نہ لازم ہوتا ہے اور نہ موقوف۔ خلاصہ یہ ہے کہ عورت عاقلہ بالغہ اگر بغیر رضائے ولی کے غیر کفو میں نکاح کرتی ہے تو یہ نکاح مطابق روایتِ نادرہ ہے نہ ہی لازم ہے اور نہ ہی رضائے ولی پر موقوف ہے بلکہ یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا، تو اِس سے ثابت ہوا کہ اگر ولی کی رضا قبل از عقد حاصل ہو تو یہ نکاح غیر کفو میں لازم ہو جاتا ہے۔

مرکزِ رحمت پر ناشائستہ گفتگو نازیبا ہے

قارئین! عُرسِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نام نہاد مُفتی اور قصّہ خواں واعظ نے چند غلط اور خلافِ تحقیق مسائل بیان کیے۔ جنہیں سُن کر حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی کہ ایسے مرکزِ ہدایت پر بیٹھ کر ایسی ناشائستہ گفتگو کیسے زیب دیتی ہے۔ اوّل: مُفتی نے یزید پر لعنتِ شخصی کی کہ وہ لعنتی ہے، جبکہ یہ خلافِ تحقیق ہے۔ دربارِ عالیہ گولڑہ شریف جیسے مرکزِ رحمت پر لعنت کا وِرد پرلے درجے کی بیہودگی ہے۔ دوم یہ کہ شرافتِ نسبی، شرافتِ علمی سے برتر ہے، یہ بھی غلط ہے اور کُتبِ مذہب کے خلاف ہے۔ پھر یہ مسئلہ حضرتِ اعلیٰ کی طرف منسوب کرنا صریح بہتان ہے، بلکہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ شرافتِ علمی، نسبی شرافت سے برتر ہے۔ سوم۔ حضرت فاطمہ زہرا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں، یہ بھی غلط ہے؛ بلکہ حضرت عائشہ، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل ہیں اور یہی اکثر علماء کا مذہب ہے اور یہی قرآنِ کریم کے مطابق ہے۔ چہارم۔ ابھی نام نہاد مُفتی کے اجداد بھی پیدا نہیں ہوئے ہوں گے کہ اہلِ سنّت یہ نعرہ لگاتے تھے۔ نعرہ تحقیق، حق چار یارؓ اور یہ نعرہ اہلِ سنت کی علامت تھی؛ لیکن مُفتیِ مذکور یہ نعرہ لگانے سے منع کرتا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہ باطن رافضی ہے اور تقیہ کے طور پر

بظاہر اہلِ سنّت کہلاتا ہے۔ مُفتیؔ مذکور کی منعِ نعرہ پر دلیل یہ ہے کہ اِس نعرہ سے یہ لازم ہے کہ چار یار کے سوا کوئی صحابی حق پر نہیں۔ اِس جاہل مُفتی کو یہ معلوم نہیں کہ یہ تب لازم آتا، جب اِس نعرہ میں حصر کا کلمہ ہوتا۔ مثلاً یوں ہوتا کہ، نہیں حق مگر چار یار، یا یہ ہوتا کہ حق پر صرف چار یار ہیں۔ حالانکہ اِس نعرہ میں حصر کا ایسا کوئی کلمہ نہیں۔ علمِ اُصول میں ہے کہ محض کسی کے ذکر سے، دوسرے کی نفی نہیں ہوتی۔ اِس نعرہ کا تو صرف یہ معنیٰ ہے کہ چار یار حق پر ہیں۔ دوسرے اصحاب کے حق پر ہونے کی نفی نہیں ہے۔ اگر اِس جاہل مفتی کی منطق تسلیم کر لی جائے تو مُفتی جب یہ کلمہ پڑھتا ہے (محمدٌ رّسول اللہ) تو لازم آئے گا کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سوا کوئی رسول اللہ نہیں ہے۔ تو اب مُفتی اپنی اِس منطق کے لحاظ سے دائرۂ اسلام سے خارج ہوگیا۔ اِن سب خرابیوں کا سبب جہالت ہے۔ لہٰذا نعرۂ تحقیق حق چار یار سے کوئی منافق رافضی ہی منع کرے گا؛ بلکہ اِس نعرہ کا مرتبہ نعرۂ حیدری اور نعرۂ غوثیہ سے بھی مقدّم تر اور بلند تر ہے۔

> من آنچہ شرطِ بلاغ است با تُو می گویم
> تو خواہ از سخنم پند گیر، خواہ ملال

غیر کفو میں نکاحِ سیّدہ کا مُمتنع الانعقاد ہونا روافض اور شیعوں کا مذہب ہے۔

قارئین! اِس موضوع پر مزید کچھ کہنے سے پہلے ایک تمہید ضروری ہے اور وہ یہ کہ سلاسلِ طریقت کے تمام وابستگان، خواہ وہ قادری ہوں، چشتی نظامی ہوں، سہروردی ہوں یا نقشبندی، یہ سب کے سب اہلِ سنّت والجماعت کے عقائد سے منسلک ہیں اور اِن سلاسلِ مذکورہ کے تمام سرخیلِ سلسلہ مشائخ ائمۂ اربعہ میں سے کسی نہ کسی ایک

امام کے مقلد تھے گویا ہند وپاک میں چاروں سلاسلِ طریقت غیر مقلد مشائخ کے جاری کردہ نہیں، بلکہ اِن چاروں سلاسل کے مشائخ سلف وخلف کسی نہ کسی امامِ مجتہد کے مُقلّد ہیں تو اب اِن کے مریدین پر بھی واجب ہے کہ وہ اپنے مشائخ کے ائمہ کی فقاہت اور اُن کی فقہ کو اپنا عقیدہ بنانے کے ساتھ ساتھ اُس پر عمل پیرا ہونے کو بھی ضروری سمجھیں۔ کیونکہ اُن کے مشائخ نے اپنی ساری زندگی ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی ایک کے مذہب پر گزاری۔ جب مشائخِ طریقت خود کو ائمہ مجتہدین کے فیصلوں کا پابند سمجھتے ہیں۔ تو کیا اُن کے مُریدین اور اُن کا نام لے کر گذر بسر کرنے والے اپنے مشائخ سے بڑھ گئے کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کو اپنے لیے باعثِ ننگ وعار سمجھتے ہیں یا خود کو اِس سے بے نیاز تصوّر کرتے ہیں۔ اِس تمہید کے بعد عرض یہ ہے۔ کہ میرے حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرّہٗ اپنے وقت کے ایک بہت بڑے عالمِ دین اور غوثِ زماں ہونے کے باوجود حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد تھے[1]۔ چنانچہ آپؒ نے اپنی کتاب تصفیہ ما بینِ سُنّی وشیعہ کے آخر میں امام ابوحنیفہؒ اور اُن کی فقہ کی آفاقی حیثیّت پر جو فاضلانہ تبصرہ فرمایا ہے، وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور اُن کی فقہ سے آپؒ کے قلبی لگاؤ کی ناقابلِ تردید دلیل ہے۔ لٰہذا ہم تمام گولڑوی کہلانے والوں کے لیے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ ایک فیصلہ کن حیثیّت کی حامل ہونا چاہیئے۔ ورنہ پھر ہمیں خود کو گولڑوی کہنے اور کہلانے کا کوئی حق نہیں۔ جب اِس فقہِ حنفی میں نکاح سیّدہ کے مسئلہ کا مطالعہ کیا جائے تو جواب یہ ملتا ہے کہ ولیّ اقرب کی رضا سے سیّدہ یا غیر سیّد کا غیر کفو میں نکاح لازم نافذ اور ناقابلِ تنسیخ ہے اور اِس صورت کا تعلق

---

[1] حضرت اعلیٰ گولڑویؒ کا عقیدہ سلف اکابر اہلِ سُنّت کے مطابق تھا، نہ کہ اہلِ تشیّع کے مطابق۔ چنانچہ آپؒ اپنے عقیدہ کی تصریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: وانّ خلافۃ الخلفاء الاربعۃ علی الترّتیب الّذی وقع حقّ، فھٰذہٖ عقیدتی علی سبیل الاجمال۔ ملاحظہ ہو، فتاوٰی مہریہ ص ۳ طبعِ سوم۔ ۱۲ منہ

نوادر کے ساتھ ہے۔ جس کے راوی امام صاحب کے ایک شاگرد حسنؒ بن زیاد ہیں اور دوسری روایت کے مطابق کسی بھی لڑکی (بشمولِ سیّدہ) کا نکاح اگر غیر کفو میں کر دیا جائے یا لڑکی خود کر لے مگر ولیِ اقرب اِس پر رضامند ہو تو نکاح ہو جاتا ہے مگر لازم نہیں ہوتا۔ اور ولی کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ عند القاضی تنسیخِ نکاح کا دعویٰ دائر کر دے۔ مگر یہ کہیں نہیں کہ اگر لڑکی اور اُس کا ولی دونوں غیر کفو میں نکاح پر رضامند ہیں تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہر دو روایات سے صورتِ مسئلہ یہاں واضح کر دی گئی ہے۔ اب جن لوگوں کا یہ عقیدہ یا خیال ہے کہ سیّدہ فاطمیہ کا نکاح غیر کفو میں ولیِ اقرب کی رضامندی کے باوجود بھی منعقد ہی نہیں ہوتا اِس لیے زوجین کا جنسی تعلق العیاذ باللہ زنا ہوتا ہے اور اولاد حرام کی ہوتی ہے۔ اُن پر یہ بات واضح ہو کہ یہ عقیدہ جو اُنہوں نے اپنا رکھا ہے یہ روافض اور اہلِ تشیّع کا عقیدہ ہے۔ اگر شیعہ کا یہ عقیدہ کسی کو قبول ہے تو پھر اُن کے سارے عقائد کیوں قبول نہیں، پھر چشتی گولڑوی کہلانے کے بجائے اپنے نام کے ساتھ رافضی لکھ دیا کرے یا شیعہ مذہب کے حوالے سے اپنا تعارف پیش کیا کرے۔ اِس سلسلے میں شارحِ بخاری علّامہ بدر الدین عینیؒ کا حوالہ پیشِ خدمت ہے۔ لکھتے ہیں، و فی البسیط ذھب الشّیعۃ الیٰ انّ نکاح العلویّات ممتنع علیٰ غیرھم مع التّراضی قال السّروجی و ھما قولان باطلان خلاصۂ عبارت یہ کہ بسیط میں ہے کہ شیعہ کا یہ نظریہ ہے کہ علویات (یعنی سیّدات) کا نکاح اُن کے غیر کے ساتھ رضامندی کے باوجود محال ہے اور سروجی نے کہا کہ اُن کے (یعنی شیعہ کے) یہ دونوں قول باطل ہیں (ملاحظہ ہو عینی شرح ہدایہ، کتاب النکاح، ص ۱۰۲، جلد ثانی، مطبوعہ نولکشور)

علّامہ عینیؒ جو ایک بہت بڑے محدّث، فقیہہ اور دنیائے علومِ اسلامیہ میں ایک

مستند حوالے کا درجہ رکھتے ہیں[1]، کی اِس پیش کردہ عبارت کے بعد کم از کم میرے حضرت گولڑوی سے نسبت کا دعوای کرنے والوں کو شرم آنا چاہیئے کہ اُن کا یہ عقیدہ نہ اُن کے شیخ کا تھا اور نہ دوسرے سلاسِل طریقت کے مشائخ کا، بلکہ یہ عقیدہ شیعہ کا ہے، جن کے عقائد اور ہمارے مشائخ کے عقائد میں بُعد المشرقین ہے۔ لہٰذا جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے اُن پر لازم ہے کہ وہ بہ خلوصِ نیت اِس سے توبہ کریں اور اپنے مشائخ کے عقائد کو اختیار کریں۔ اِس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ اُن کے مشائخ اُنھی عقائد پر تا حیات قائم رہے، جو اہلِ سُنّت والجماعت کے متفق علیہ عقائد ہیں۔

عبارتِ فتوای پر چند اعتراضات

قارئین! جب یہ بات واضح ہے کہ فتاوای مہریہ میں دی گئی عبارت تنویر الابصار کی ہے تو سوال یہ ہے کہ پھر اُس کو درِّ مختار کی عبارت کیوں قرار دیا گیا۔ مقامِ غور ہے کہ شرح جامی، کافیہ کی شرح ہے اور کافیہ کے ابتداء میں یہ عبارت ہے: الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفرد۔ اب کوئی آدمی بقائمِی ہوش وحواس یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ عبارت شرح جامی کی ہے۔ نیز قائل کا یہ قول کہ درِّ مختار نے کسی جگہ پر وضاحت کی ہے کہ مَیں نے تنویر الابصار کی بعض عبارات کو حذف بھی کیا ہے اور اضافہ بھی۔ تو گزارش ہے کہ درِّ مختار نے کسی جگہ ایسا نہیں کہا اور بالفرض اگر ایسا کہا بھی ہے تو یہ عبارت حذف کے قبیلہ سے تو ہے نہیں، اِس لیے کہ یہ عبارت تنویر الابصار میں مذکور ہے، البتہ از قبیلِ اضافہ ہوگی۔ پھر مطلب یہ ہوگا کہ یہ عبارت تنویر الابصار کی نہیں ہے۔ درِّ مختار نے اِس

---

[1] علامہ عینیؒ کے مُستند ہونے پر دیگر ناقابلِ تردید شواہد کے علاوہ یہی کافی ہے کہ حضرت اعلیٰ گولڑویؒ نے بھی علامہ موصوف کی عبارت بطورِ حوالہ پیش کی، ملاحظہ ہو فتاوای مہریہ ص ۶۷۔ طبع سوم ۱۹۸۸ء ۱۲ منہ

عبارت کا اضافہ کر کے تنویر الابصار کی جز قرار دے دیا ہے۔ اب اِس پر پہلا اعتراض تو یہ ہوگا کہ درِّ مختار، شامی اور کئی دیگر فُقہاء نے اِس عبارت کا رد کیا ہے، تو کیا درِ مختار نے اضافہ کر کے تنویر الابصار پر یہ بہتان اِس لیے باندھا ہے، تاکہ خود درِّ مختار، شامی اور ہر آنے والا فقیہ تنویر الابصار پر یہ اعتراض کرے۔ یہ بات ناقابلِ فہم ہے۔ اِس لیے کہ کیا شرح کا کوئی ایسا طریقہ ہے کہ ایسی شرح کی جائے کہ ہر آنے والا متن پر اعتراض کرے۔ شرح کا طریقہ تو یہ ہے کہ اگر متن پر کوئی اعتراض ہوتا ہے تو شارح متن میں اضافہ کر کے اُس اعتراض کا جواب دیتا ہے۔ اب واضح ہو گیا کہ فتاوٰی مہریہ کی یہ عربی عبارت درِّ مختار اور شامی کے نزدیک مردُود ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ فتاوٰی مہریہ نے اِس عربی عبارت کو درِّ مختار کی عبارت قرار دے کر اِس سے فتوای پر استدلال کیا ہے، تو یہ استدلال بالمردُود ہے۔ قائل کا یہ کہنا کہ اِسے قولِ مردُود کہنا صحیح نہیں، بالکل بدیہی البطلان ہے، کیونکہ قولِ مردُود وہ ہوتا ہے، جسے کوئی رد کر دے۔ اِس قول کو درِّ مختار اور شامی دونوں نے رد کیا ہے، تو یہ قول اُن کے نزدیک مردُود ٹھہرا۔ پھر اِس قول سے فتاوٰی مہریہ کا استدلال، استدلال بالمردُود ہے اور یہ اِتنا ہی واضح ہے، جیسا ۲×۲=۴ دراصل درِّ مختار اور شامی کی عبارت ذرا پیچیدہ ہے؛ آجکل کے بے سند مُفتیوں نے یا تو اِس جگہ کا مطالعہ ہی نہیں کیا، یا یہ مقام سمجھ میں نہیں آیا۔ مباحثِ علمیہ میں اِس قسم کی گستاخی جائز ہوتی ہے اور ہمارا لٹریچر اِس سے بھرا پڑا ہے۔ یہاں تک قائل کی توجیہہ پر پہلا اعتراض تھا۔ اب دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جو شخص مُدعی ہے کہ فتاوٰی مہریہ کی عربی عبارت درِّ مختار کی عبارت ہے، جیسا کہ حوالہ دیا گیا۔ لیکن یہ فقیر اِس کا مُنکر ہے اور اصطلاحِ مناظرہ میں مُنکر کو سائل کہا جاتا ہے۔ مُدعی کے لیے ایسی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، جس میں خلاف کا احتمال نہ ہو؛ اگر خلاف کا احتمال ہو تو دلیل باطل ہو جاتی ہے۔ اِسی لیے کہا گیا: اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ قائل کا یہ قول کہ

درِّمختار نے تنویر الابصار کی عبارت میں حذف اور اضافہ کیا ہے تو اِس کے پاس کونسی دلیل ہے کہ فتاوٰی مہریہ کی عربی عبارت درِّمختار کا اضافہ ہے۔ البتّہ احتمالِ اضافہ ضرور ہے، لیکن صرف احتمال سے اضافہ ثابت نہیں ہوتا؛ کیونکہ احتمالِ اضافہ تو تنویر الابصار کی ہر عبارت میں ہے تو تنویر الابصار کی ہر عبارت اضافہ ہوگی۔ خُلاصہ یہ کہ احتمال سے مدّعی کا دعوٰی ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ احتمال، مُنکر اور سائل کے لیے مفید ہوتا ہے۔ بندہ کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے۔ فتاوٰی مہریہ کی عربی عبارت درِّمختار کا اضافہ نہ ہو، بلکہ تنویر الابصار کی کوئی اور عبارت درِّمختار کا اضافہ ہو۔ تو ثابت ہوا کہ اِس پر کوئی دلیل نہیں کہ عربی عبارت درِّمختار کا اضافہ ہے۔ اعتراضِ سوم یہ ہے کہ تنویر الابصار کی عبارت، جو فتاوٰی مہریہ میں درِّمختار کی طرف منسوب کی گئی ہے، اُس کا مطلب یہ ہے کہ عجمی خواہ عالم ہو یا سلطان، یہ عربیہ کی کفو نہیں۔ اِس تعمیم کو درِّمختار اور شامی دونوں نے رد کیا ہے کہ عجمی عالم عربیہ کی کفو ہے، البتّہ عجمی غیر عالم، سُلطان عربیہ عورت کی کفو نہیں، تو علّامہ شامیؒ نے عربی عبارت کو مصنّف کی عبارت قرار دیا اور ظاہر ہے کہ مصنّف سے مراد ماتنِ تنویر الابصار ہے اگر یہ عبارت درِّمختار کا اضافہ ہوتی تو اِس کو شارح کی عبارت قرار دیتا، جیسا کہ قائل نے تاویل کی ہے کہ یہ عربی عبارت درِّمختار کا اضافہ ہے۔ اِس لیے فتاوٰی مہریہ میں اِس عربی عبارت کو درِّمختار کی عبارت قرار دیا گیا ہے۔ اعتراضِ چہارم: قائل کا قول ہے کہ درِّمختار نے کسی جگہ کہا کہ مَیں نے تنویر الابصار میں حذف اور اضافہ کیا ہے۔ بندہ نے قبل ازیں بیان کر دیا ہے کہ درِّمختار نے ایسا کسی جگہ نہیں کہا، بلکہ قائل کو مغالطہ ہُوا۔ درِّمختار نے جو کہا وہ یہ ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو: وربما غیّرتُ تبعًا لما شرح علیه المصنّف کلمةً او حرفًا۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ ماتنِ تنویر الابصار نے پہلے متن لکھا اور اِس کے بعد ماتن نے اپنے متن کی خود شرح کی، چونکہ شرح میں بھی متن ذکر کیا جاتا ہے، تو اب

دو متن ہو گئے۔ اوّل متنِ مجرّد جو شرح سے خالی ہے اور دوم متنِ مشروح، جو شرح کے ضمن میں ہے۔ تو خود ماتن نے متنِ مشروح میں تغییر کی، تو درِّ مختار کہتا ہے کہ میں نے متنِ مشروح کی شرح کی ہے اور ماتن نے متنِ مشروح میں تغییر کی ہے۔ میں نے ماتن کے اتباع میں وہاں تغییر کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ تنویر الابصار کے ماتن نے جب اپنے متن کی شرح کی تو متن میں تغییر کی، اور درِّ مختار نے ماتن کے اتباع میں ماتن کے مُغیّر شدہ متن کی شرح کی اور یُوں قائل کو یہ مُغالطہ ہوا کہ درِّ مختار نے تنویر الابصار میں تغییر کی۔ جن لوگوں نے جھگڑا پیدا کیا ہے اُس کی وجہ عدمِ تدبُّر ہے یا عناد۔ تو اب فتاوٰی مہریہ میں مذکور سوال اور جواب کی دلیل سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیّدہ کا نکاح غیر کفو میں بغیر اجازتِ ولیِّ اقرب یا ولیِّ ابعد کالعدم ہے اور چونکہ کتابوں میں مفہومِ مخالف معتبر ہوتا ہے، لہٰذا سوال و جواب سے یہ پتا چلتا ہے کہ سیّدہ کا نکاح بہ اجازت و رضائے ولیِّ اقرب درست اور نافذ ہے اور اِس میں سیّدہ کی تخصیص نہیں۔ غیر سیّدہ کا بھی یہی حکم ہے۔ اب مُعاندین کا فتاوٰی مہریہ میں مذکور اِس فتاوٰی سے یہ ثابت کرنا کہ سیّدہ کا غیر سیّد ہاشمی بھی کفو نہیں اور سیّدہ کا نکاح غیر سیّد ہاشمی سے ناجائز ہے؛ خواہ ولیِّ اقرب اِس نکاح کی اجازت دے یا نہ دے؛ یہ نِری جہالت، کم عقلی، کتاب و سُنّت اور اجماع و قیاس کے خلاف ہے۔ نعوذ باللہ من شرورِ انفسنا و من سیّئاتِ اعمالنا۔

تو جب بندہ نے دلیل سے ثابت کر دیا کہ مسمّٰی محمّد خان جس نے سیّدہ سے بغیر اجازتِ ولیِّ اقرب اور ابعد کے نکاح کیا اور اُس کی قوم کی وضاحت بھی نہیں لہٰذا بہ سلسلۂ نکاح فقہائے احناف کی مذکورہ ہر دو روایات میں سے ایک روایت جوازِ قبیلِ نوادر ہے کے مطابق ایسا نکاح کالعدم ہے اور بندہ اِس کو تسلیم کرتا ہے۔

قارئین! بعض لوگ متن اور شرح کے اختلاف کا ذکر کرتے ہیں کہ متن کو شرح پر ترجیح ہے تو بندہ کی اِس مسئلہ پر پوری نظر ہے۔ یہ کوئی قاعدۂ کُلیّہ نہیں ہے اور نہ اِس سے وہ

مُراد ہے، جو بظاہر سمجھا جاتا ہے۔ اِس پر چند بحث ملاحظہ فرمائیں۔ علماء جانتے ہیں کہ متن اور شرح کے اختلاف کے وقت، متن کو ترجیح حاصل ہوتی ہے تو یہ قاعدہ خود شارحین کو بھی معلوم ہے اور شارح کو علم ہے کہ میرے اختلاف اور متن پر رد کے وقت، میرے اختلاف اور رد کی قارئین کے نزدیک کوئی وقعت نہیں ہوگی، قارئین اور دیگر علماء میری بات قاعدہ کے مطابق تسلیم نہیں کریں گے اور متن کو میری شرح پر ترجیح دیں گے، اور اُن کی اِس ترجیح اور عدمِ تسلیم کا اُن کو شریعت کی طرف سے حکم ہے، جبکہ میرا ردّ و اختلاف شرعی قاعدہ کے خلاف ہے۔ اِس سے لوگ گمراہ ہوں گے۔ تو اب غور فرمائیں کہ یہ جانتے ہوئے شارح ہرگز شرح تحریر نہیں کرے گا اور نہ متن سے اختلاف اور اُس کا رد کرے گا، کیونکہ یہ شرعی امر ہوگا۔ کتابیں تو اِس لیے لکھی جاتی ہیں کہ پڑھنے والوں کو فائدہ اور مصنّف کو ثواب ہو، تو جب متن سے اختلاف اور رد غیر شرعی اور ناقابلِ اعتماد ہے تو پھر اُس کے پڑھنے والوں کو کوئی فائدہ نہ ہوا اور مصنّف کو ثواب کے بجائے گناہ ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ کہنا کہ متن اور شرح کے اختلاف کے وقت، متن کو ترجیح ہے، یہ کوئی قاعدۂ کُلیہ نہیں ہے اور جو بظاہر اِس سے سمجھا جاتا ہے، وہ مُراد نہیں، بلکہ کچھ اور مُراد ہے۔

بحثِ دوم۔ درسِ نظامی میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، وہ متُون بھی ہیں اور شرُوح بھی، اور شارحین متُون پر اعتراض بھی کرتے ہیں، اگر اعتراض معقول ہو تو علماء اور مُدرّسین اُس کو تسلیم کر لیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ماتن سے خطا ہوئی اور اگر قاعدۂ مذکورہ درست اور صحیح ہو تو پھر مدرّس طلباء کو کہے گا کہ شارح کا اعتراض غلط ہے، اس لیے کہ قاعدہ کے مطابق متن کو ترجیح ہے، تو اب شارح نے جو متن پر اعتراض اور اختلاف کیا ہے یہ وقت ضائع کیا اور خود شارح کو بھی علم ہے کہ میں وقت ضائع کر رہا ہوں، کیونکہ متن پر اعتراض عُلماء کے نزدیک غیر مُعتمد ہے۔ بحثِ سوم: کنز الدّقائق میں ہے: فرض الوضوء غسل وجهه و يده و رجله و مسح ربع رأسه

ولحیتہ ۔ یہاں ماتن وضو کے فرائض ذکر کر رہا ہے اور لحیہ کا مسح بھی فرض قرار دے رہا ہے۔ اب ولحیتہ کا عطف یا تو راُس پر ہے یا صاحبِ کنز الدّقائق کا مختار ہے اور اُس نے کافی میں اِس کی تصریح کی ہے۔ اِس صورت میں رُبعِ لحیہ کا مسح فرض ہوگا۔ اور یا عطف رُبع رأسه پر ہے اور اس صورت میں تمام لحیہ کا مسح فرض ہوگا۔ شارحین نے کنز الدّقائق پر اعتراض کیا ہے کہ لحیہ کا مسح فرض قرار دینا نہایت ضعیف ہے۔ صحیح اور قوی یہ ہے کہ لحیہ کا دھونا فرض اور مسح سُنّت ہے اور یہی صحیح ہے۔ اب بحرالدّقائق نے اِن متُون پر اعتراض کیا ہے، جن سے لحیہ کا مسح فرض معلوم ہوتا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو: والعجب من اصحاب المتون فی ذکر المرجوع عنه وترك المرجوع الیه المصحح المفتٰی به ۔ خلاصۂ عبارت یہ کہ لحیہ کا مسح مرجُوع عنہ یعنی ضعیف اور لحیہ کا دھونا مرجوع الیہ یعنی قوی اور صحیح اور مفتٰی بہ ہے۔ اصحابِ متون پر تعجب ہے کہ ضعیف قول کو ذکر کرتے ہیں اور قوی اور صحیح قول کو ترک کرتے ہیں۔ اب غور فرمائیں کہ شارحِ بحرالرّائق نے ماتنِ کنز الدّقائق پر اعتراض اور اُس کا رد کیا ہے، حالانکہ مفتٰی بہ قول شارح کا ہے اور ماتن کا قول ضعیف ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا قول کلیّہ نہیں ہے۔ بعض جگہ پر شرح کو متن پر ترجیح ہے، جیسا کہ کنز الدّقائق اور بحرالرّائق کا معاملہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ بحثِ چہارم: یہ قول کہ اختلاف کے وقت متون کو ترجیح ہے۔ یہ اُس وقت ہے کہ تمام متون ایک طرف ہوں اور شرُوح اُن کا خلاف کریں۔ اگر کسی مسئلہ میں متون کے درمیان ہی اختلاف ہو تو پھر اُس متن کو ترجیح ہوگی، جس کی تائید شرُوح کریں۔ ہمارے مسئلۂ متنازعہ میں متون میں اختلاف ہے۔ تنویر الابصار میں ہے: العجمی لایکون کفوًا للعربیّة ولوکان العجمی عالمًا اوسلطانًا۔ غُرر الاحکام، جو ایک مُستند متن ہے، اُس کی عبارت ملاحظہ ہو: العجمی العالم کفوٌ للعربی الجاھل ۔ یعنی عجمی عالم، جاہل عربی کی کفو ہے۔ شارح الدّرر الاحکام

نے اِس کی یہ دلیل دی ہے: لان شرف العلم یقاوم شرف النسب۔ یعنی علم کی شرافت، نسب کی شرافت کا مقابلہ کرتی ہے۔ اب تنویر الابصار اور غرر الاحکام دونوں متون میں اختلاف ہے تو سیدہ کی کفو سے متعلق مسئلہ میں خود متون میں اختلاف ہے، نہ کہ صرف متن اور شرح میں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ شروح اور فتاویٰ نے کس متن کی تائید کی ہے۔ تو درِ مختار، شامی، فتح القدیر، قاضی خان، بزازیہ، ینابیع، فتاویٰ خیریہ اور بہت سے مشائخ نے عجمی عالم کو علویہ کا کفو قرار دیا ہے۔ تو اب متن غرر الاحکام کو متنِ تنویر الابصار پر ترجیح ہوگی۔ بحثِ پنجم: علّامہ شامیؒ نے کہا ہے کہ اختلاف کے وقت متن کو اُس وقت ترجیح ہوگی کہ ماتن اور شارح دونوں نے اپنے اپنے موقف پر دلائل دیے ہوں اور دلائل قوت میں برابر ہوں۔ یا ایک نے دلیل ذکر نہیں کی اور اگر ایک نے دلیل قائم کی اور دُوسرے نے دلیل قائم نہیں کی، تو ترجیح اُس کو ہوگی جس نے دلیل قائم کی ہے۔ بحثِ ششم: جن متون کو شروح پر ترجیح ہے مطلق متون نہیں۔ مثلاً آجکل اِس دَور میں کوئی عالم، علمِ فقہ میں کوئی متن لکھتا ہے اور اُس متن میں سابقہ مستند شروح کی مخالفت کرتا ہے تو اُس متن کو شرح پر ترجیح نہ ہوگی، بلکہ متون سے وہ متون مُراد ہیں جن کی صحت پر عُلماءِ احناف کا اجماع ہے، مثلاً نور الایضاح، قدوری، کنز الدقائق اور وقایہ وغیرہ۔

عبارتِ ملفوظات کا تجزیہ

قارئین! حضرتِ اعلیٰ گولڑویؒ کی عبارات پر مزید بحث کے ضمن میں پہلے ملفوظات کی عبارت کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ عبارتِ ملفوظات ملاحظہ ہو: راجہ محمد خان نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر میاں محمد صاحبؒ کی طرف سے سلام پیش کیا اور اُمتی مرد کے ایک سیدہ کے ساتھ نکاح کے متعلق ایک فتویٰ جواز کا ذکر کیا۔ حضورؒ نے سلام کا

جواب دینے کے بعد فرمایا کہ ایسے گستاخ اور بے ادب ہمارے پاس آنے کا حوصلہ نہیں رکھتے، جو لوگ عترتِ نبوت سے بے ادبی کرتے ہیں۔ وہ ازلی بدبخت ہیں۔ نہ وہ ہمارے پاس آتے ہیں اور نہ ہی ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اِس عبارت پر چند بحث ملاحظہ ہوں۔ اوّل: ملفوظات میں اُمّتی مرد اور سیّدہ عورت کے نکاح کے متعلق جواز یا عدمِ جواز کا سوال کیا گیا ہے، مرد کو اُمّتی کہا گیا اور عورت کو صرف سیّدہ کہا گیا، اُمّتی نہیں کہا گیا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ آجکل کے سادات اور جاہل عوام سادات کو اُمّتی نہیں کہتے۔ اُمّتی صرف غیر سیّد کو کہتے ہیں، یہ خیال باطل ہے؛ کیونکہ اُمّت سے مُراد آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی اُمّت ہے، تو جب سادات آپ کی اُمّت ہی نہیں ہیں اور اُمّتی ہونے کو اپنی ہتک سمجھتے ہیں تو اب دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ سادات کسی بھی نبی کی اُمّت نہیں ہیں۔ دوم یہ کہ سادات جب نبی علیہ السّلام کی اُمّت نہیں تو پھر کسی اور نبی کی اُمّت ہوں گے۔ مثلاً عیسیٰ یا موسیٰ علیہما السّلام کی اُمّت ہوں گے، اگر عیسیٰ علیہ السّلام کی اُمّت ہیں تو نصرانی ہوئے اور اگر موسیٰ علیہ السّلام کی اُمّت ہیں تو یہودی ہوئے۔ ہر دو صورت میں سادات کی توہین ہے، تو اب موجودہ سادات کو لازم ہے کہ وہ اپنے کو نہ صرف محمد مصطفےٰ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی اُمّت کہیں، بلکہ اِس پر فخر بھی کریں، ورنہ وہ شفاعت سے محروم ہوں گے[1] اب عوام کے غلط خیال کے مطابق یہ سوال کیا گیا ہے تو مرد اُمّتی سے سائل راجہ محمد خان کی مُراد غیر سیّد ہو گا۔

فتاوٰی مہریہ میں نکاحِ سیّدہ سے متعلّق قائم کردہ عنوان بھی محلِّ نظر ہے۔

جامعِ فتاوٰی نے نکاحِ سیّدہ سے متعلّق سوال اور اُس کے جواب کے لیے جو عنوان

---

[1] چنانچہ حضرت اعلیٰ گولڑوی نے فرمایا: سادات کو یہ مشورہ دیا کرتا ہوں کہ وہ محض اپنے نسب پر بھروسہ نہ کیا کریں، اور محض اِس امر کو اپنا ذریعۂ نجات نہ جانیں (ملاحظہ ہو ملفوظاتِ مہریہ، ملفوظ نمبر ۷، ص ۷۰، طبعِ دوم، سنِ طباعت ۱۹۷۴ء) ۱۲ منہ

تجویز کیا، وہ غلط ہے، کیونکہ قاری کو عنوان میں تحریر کردہ الفاظ سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید سیّدہ کے غیر کفو میں نکاح کا وہ حکم نہیں، جو عموماً کتبِ فقہ میں تمام عورتوں کے لیے پایا جاتا ہے، ہو سکتا ہے کہ سیّدہ کے لیے کوئی ایسا خاص حکم ہو، جس میں غیر سیّد شامل نہ ہو سکتے ہوں، حالانکہ عُلماء جانتے ہیں کہ فقہ میں سب عورتوں کا بشمولِ سیّدات حکم واحد ہے۔ صحیح عنوان یُوں ہونا چاہیئے تھا: ایک عاقلہ، بالغہ عورت کے غیر کفو میں نکاح کا حکم۔ جیسا کہ اُوپر ذکر کیا گیا' عِلمِ فقہ میں سادات کی مستورات اور غیر سادات کی مستورات کا الگ الگ حکم ہرگز نہیں ذکر کیا گیا؛ بلکہ جو حکم ایک عام عورت کا ہے، وہی حکم سیّدہ کا بھی ہے۔ لہٰذا ایسا عنوان قائم کرنا جو خصوصیّت پر دال ہو، اور ایک عام قاری کو وہم اور اُلجھن میں ڈال دے، ایک عالمِ دین کی شان کے خلاف ہے۔

ملفوظات کے متعلّق مُفتیِ درگاہ گولڑہ شریف کی ایک قابلِ توجّہ وضاحت

بندہ پر بعض حضرات نے یہ اعتراض وارد کیا کہ میں مشائخِ طریقت کے ملفوظات کو غیر مُستند سمجھتا ہوں، حالانکہ میرا موقف صرف یہ ہے کہ اگر ملفوظاتِ مشائخ میں کوئی ایسی بات پائی جائے، جو شریعت کے کسی حکم سے ٹکراتی ہو تو اُسے ناقل یا جامعِ ملفوظات کا سہو قرار دیتے ہوئے ترک کر دیا جائے، جیسا کہ خود حضرت اعلیٰ گولڑویؒ نے حضرت شمس الدّین سیالویؒ کی طرف منسوب ایک ملفوظ کو قبول نہیں فرمایا اور سائل کو کتاب و سُنّت کی طرف متوجّہ ہونے کی ہدایت فرمائی۔ بندہ نے آپ کا وہ ملفوظ اِسی کتاب میں نقل کر دیا ہے۔ لہٰذا بندہ کی نسبت یہ رائے رکھنا کہ میں مشائخِ طریقت کے اُن ملفوظات کو بھی غیر مُستند سمجھتا ہوں، جن کا مفہوم کتاب و سُنّت کے کسی حکم کے خلاف بھی نہ ہو، یہ محض بندہ پر افتراء ہے۔ میں نے ملفوظاتِ مشائخ کے متعلّق اِسی کتاب میں اپنا ذاتی نقطۂ نظر تفصیلاً ذکر کر دیا ہے۔ لہٰذا ملفوظاتِ مشائخ میں جو بات کسی شرعی حکم

کے خلاف ہو گی، وہ ناقل کی خطا یا حاشیہ آرائی متصوّر ہو گی۔ کیونکہ اہلِ علم مشائخ اُمت عمداً کوئی ایسی بات کر ہی نہیں سکتے۔ جس سے کسی شرعی حکم کا خلاف ثابت ہوتا ہو۔
چنانچہ اِس سلسلہ میں درگاہ گولڑہ شریف کے موجودہ مفتی مولٰنا فیض احمد صاحب ملفوظاتِ مہریہ کے تعارف میں لکھتے ہیں: "اور جو مسائلِ شریعت و طریقت آنجناب کی تصنیفات اور فتاوٰی میں تفصیلاً موجود ہیں، یہ مجموعہ اُن سب کا ایک اجمالی خاکہ ہے؛ جیسا کہ ابتدا میں اِس نیاز مند کی مرتب کردہ فہرست کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ عرض کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ملفوظات کے لفظ سے کسی صاحب کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ اِس مجموعہ کی عبارت بعینہٖ حضرت قبلہ عالم قدس سرہٗ کا کلام ہے: کیونکہ آپؒ اپنی مجالس میں عموماً مقامی زبان میں تکلّم فرمایا کرتے تھے۔ پھر جامعینِ ملفوظات نے اُسے فارسی کا جامہ پہنایا، بعد ازاں اِس کا اُردو ترجمہ کیا گیا، لہٰذا یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ الفاظ بعینہٖ آنجنابؒ کے الفاظ ہیں، البتہ آنجنابؒ کے مفہوم کو حتّی الامکان اِس طرح سے ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ زیادہ سے زیادہ حضرات اِس سے استفادہ کر سکیں۔ بہر حال اگر کسی مقام پر آنجنابؒ کے مفہوم کو ادا کرنے میں کچھ کوتاہی ہو گئی ہو تو اُسے آپؒ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے جامعینِ ملفوظات اور اِس نیاز مند مترجم کی طرف نسبت کریں، آپؒ کے مسلک و مشرب کے بیان میں آپؒ کی اپنی تصنیفات اور تحریرات و فتاوٰی کو اصل سمجھتے ہوئے۔ اِس مجموعہ کو اُن کی فرع تصوّر کریں۔ اگر بالفرض کسی مسئلہ میں اِس مجموعہ اور تصنیفات کے درمیان کچھ تعارض معلوم ہو تو وہاں تصنیفات ہی کو قابلِ اعتماد سمجھنا چاہیئے[1]"۔ یہ سلسلۂ ملفوظات مؤلّفِ مہرِ منیر کا موقف واضح کر دیا گیا۔

---

[1] قارئین! یہ تعارفی عبارت ملفوظاتِ مہریہ مطبوعہ نور آرٹ پریس راولپنڈی، ۱۰ مئی ۱۹۶۵ء میں بھی موجود ہے میرے محبوب الٰہی حضرت قبلہ بابوجی قدس سرہ العزیز اِس کے بعد کم و بیش آٹھ، نو برس زندہ رہے، لیکن حضورؒ نے کبھی اِس پر اعتراض نہیں فرمایا جو اِس امر کی واضح دلیل ہے کہ ملفوظاتِ مشائخ کے بارے میں آپؒ بھی اِسی نقطۂ نظر کے قائل تھے۔ ۱۲ منہ

اور اعلیٰ حضرت گولڑوی کا موقف بھی، تو اب بندہ پر یہ اعتراض غلط ہوگا کہ وہ مشائخ کے ملفوظات کا سرے سے اعتبار ہی نہیں کرتا۔ بلکہ مشائخِ طریقت کے کسی ملفوظ پر بندہ کو اُس وقت اعتراض ہوگا، جب اُس میں کوئی جملہ یا من حیث المجموع اُس کا مفہوم شریعت کے کسی حکم کے خلاف واقع ہو، ایسی صورت میں حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ بھی اپنے شیخ حضرت شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کسی ایسے ملفوظ کو قبول کرنے کے حق میں نہ تھے، جس کا مفہوم خلافِ شریعت تھا۔ جیسا کہ فقیر نے بحوالۂ ملفوظاتِ مہریہ آپ کے اِس موقف کو واضح کر دیا ہے۔

تو بندہ بھی اپنے شیخ کے اتباع میں صرف اُس ملفوظ کو قبول کرنے کے حق میں ہے، جس پر شرعاً کوئی اعتراض نہ ہوتا ہو۔ اور اگر کسی شیخ سے منسوب کسی ملفوظ میں کوئی قابلِ اعتراض بات ہو گی، تو اُسے شیخ کے بجائے ناقل یا جامعِ ملفوظ کی سہو و خطا سمجھ کر ترک کر دیا جائے گا۔ اِس وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی معاند بندہ پر اعتراض کرتا ہے تو اُس کا یہ اعتراض خود حضرت اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی وارد ہو گا۔ کیونکہ آپ نے بھی تو اپنے شیخ سے منسوب ایک ملفوظ کو خلافِ شرع پا کر قابلِ اعتبار نہیں سمجھا اور اُسے لائقِ استناد نہیں مانا، اور اگر کوئی اور عام ذہن کا آدمی ہوتا تو وہ اپنے شیخ کی طرف منسوب کسی بھی ملفوظ کو آنکھ بند کر کے تسلیم کرنا اپنے لیے معراجِ عقیدت سمجھتا، مگر اعلیٰ حضرت گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ جو خود علوم شریعت و طریقت کے ایک بحرِ ذخار تھے، آپ نے ایسے ناقابلِ تسلیم ملفوظ کو اپنے شیخ کی شانِ علم کے خلاف سمجھ کر ترک کر دیا۔ لہٰذا حضرت اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی کا دم بھرنے والوں کے لیے آپ کا یہ عمل قابلِ تقلید ہے، کہ وہ اپنے شیخ کی طرف منسوب عبارات اور ملفوظات کو جانچ پرکھ کے بعد تسلیم کیا کریں۔ گویا

ایسا کرنا خود حضرت اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی سُنّت ٹھہرا نہ کہ بے ادبی اور گستاخی، اور بزرگانِ دین کے ارشادات کی جانچ پرکھ کے لیے ناقابلِ تردید کسوٹی صرف شریعتِ مصطفیٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے۔ اسی سلسلے میں ایک مزید ثبوت یہ بھی ہے کہ حضرت اعلیٰ گولڑوی جب اپنے شیخ زادہ حضرت ثانی سیالوی کے حسب الارشاد حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لیے تونسہ شریف حاضر ہوئے تو دورانِ گفتگو حضرت تونسوی نے حضرت گولڑوی سے مقاماتِ تعلیم و اسماءِ اساتذہ کی تفصیل دریافت فرمائی، چنانچہ جب آپ نے اپنے ایک اُستاد مولانا احمد علی سہارنپوری کا نامِ نامی لیا تو اِس پر حضرت تونسوی نے فرمایا، وہ تو بہت بڑا وہابی تھا۔ حضرت گولڑوی نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اُن پر رحمت فرمائے وہ بہت بڑے حنفی تھے، البتہ صُوفیائے کرام کی رسوم کے پابند نہ تھے۔ (ملاحظہ ہو مہرِ منیر، ص ۳۰۵، طبعِ ششم، سنِ طباعت ۱۹۹۱ء) حضرت گولڑوی کے اِس مختصر جواب سے تین اہم نتائج نکلتے ہیں۔ اوّل یہ کہ نہ صرف آپ خود حنفی المسلک تھے، بلکہ آپ کے اساتذہ بھی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلّد تھے، علاوہ ازیں آپ کے نزدیک کسی کا حنفی المسلک ہونا بھی قابلِ ذکر اُمور میں سے تھا۔ دوم یہ کہ مشائخِ طریقت اور صوفیاءِ کرام کی رُسوم کی عدمِ پابندی کسی کی بدعقیدگی پر دلیل نہیں ہوسکتی۔ سوم: آداب کم عمری سے متعلق عام مروّجہ اخلاقی تقاضوں کے برعکس کسی سن رسیدہ شیخِ طریقت کے سامنے مبنی بر حقائق کلام کرنے کو بے ادبی اور گستاخی کے زُمرے میں ہرگز شمار نہیں کیا جاسکتا۔ فافھم وتدبّر ولاتکن من المنکرین۔

اِحتمالات

بحثِ دوم : مردِ اُمّتی اگرچہ کُلّی ہے اور اس کے بہت افراد ہو سکتے ہیں، لیکن یہاں مردِ اُمّتی سے مُراد ایک خاص مردِ جزئی حقیقی ہے، جس کی ایک خاص معیّن قومیّت ہے، ملفوظات میں اِس کا ذکر نہیں، کیونکہ سیّدہ کے ساتھ جس نے نکاح کیا، وہ صرف ایک مردِ جزئی حقیقی ہوگا، جس کی ایک معیّن قومیّت ہوگی، کیونکہ دو مرد ایک سیّدہ کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتے اور نہ ایک معیّن مرد میں دو قومیّتیں جمع ہو سکتی ہیں مثلاً اعوان بھی ہو اور پٹھان بھی۔ اب اِس مردِ اُمّتی کے تعیّن میں متعدّد احتمال ہیں۔

احتمالِ اوّل : وہ مرد غیر سیّد ہاشمی ہو۔

احتمالِ دوم : غیر سیّد ہاشمی لیکن قریشی ہو۔ اِن ہر دو صُورتوں میں مردِ اُمّتی سیّدہ عورت کی کفو ہے اور اِن میں نکاح جائز ہے، یا ولیِ اقرب کی اجازت اور رضامندی سے یا بغیر اجازت کے۔ اِس بغیر اجازت کو اغوا کہا جاتا ہے اور اِس میں سیّدہ کے اولیاء کی بے عزّتی اور ہتک ہے جس سے اولیاء کے احباب کو دلی صدمہ ہوگا اور اغوا کنندہ کی لوگ مذمّت کریں گے۔

احتمالِ سوم : وہ مردِ اُمّتی غیر سیّد، غیر ہاشمی، غیر قریش، لیکن عرب عالم ہے، یہ بھی کفو ہے اور اِن کے درمیان نکاح جائز ہے، خواہ سیّدہ کے ولیِ اقرب کی اجازت سے ہو یا بغیر اجازت کے، جس کو اغوا کہا گیا ہے؛ اگر نکاح اجازت سے ہے، پھر تو اس میں اولیاءً کی ہتک اور بے عزّتی نہیں اور اگر نکاح بغیر اجازتِ ولیِ اقرب ہوا ہے تو اس میں اولیاء کی بے عزّتی ہے اور اِس کی ہر سُننے والا مذّمت کرے گا۔

احتمالِ چہارم : وہ مردِ اُمّتی غیر سیّد، غیر ہاشمی، غیر قریش، لیکن عرب جاہل ہے، تو اِس صورت میں مردِ اُمّتی سیّدہ کی کفو نہیں ہے، اب اگر نکاح ولیِ اقرب کی اجازت سے ہے تو یہ نکاح درست ہے، کیونکہ غیر کفو میں ولیِ اقرب کی اجازت سے نکاح جائز ہے اور چونکہ

ولیِ اقرب نکاح پر راضی ہے۔ لہٰذا اِس میں اولیاء کی کوئی بے عزّتی نہیں ہے اور اگر غیر کفو میں یہ نکاح بغیر رضامندیٔ ولیِ اقرب ہے تو ظاہر الروایہ میں نکاح درست ہے۔ مگر چونکہ اغوا ہے اور اِس میں اولیاء کی بے عزّتی ہے۔ لہٰذا اولیاء کے مطالبہ پر قاضی اِس نکاح کو فسخ کرسکتا ہے۔ اور غیر ظاہر الرّوایہ میں نکاح کالعدم ہے۔ جائز ہی نہیں؛ لہٰذا فسخ کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ فسخ اُس چیز کا ہوتا ہے جس کا وجود ہو۔ تو یہاں چونکہ نکاح کا وجود ہی نہیں، لہٰذا فسخ کی ضرورت نہیں۔ یہ غیر ظاہر الرّوایہ حسن بن زیاد کی ابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت ہے اور کُتبِ فقہ میں جو یہ کہا گیا ہے: ویفتٰی فی غیر الکفوء بعدم جوازہٖ اصلاً تو اِس سے مراد یہی حسن بن زیاد کی روایت ہے۔

احتمالِ پنجم۔ وہ مردِ اُمّتی غیر سیّد، غیر ہاشمی، غیر قریشی، غیر عرب ہے لیکن عجمی عالم ہے تو اِس صُورت میں یہ مردِ اُمّتی سیّدہ کی کفو ہے اور اِن کے درمیان نکاح جائز ہے؛ خواہ نکاح ولیِ اقرب کی رضامندی سے ہو یا نہ۔ صورتِ اوّل میں ولیِ اقرب کی بے عزّتی نہیں اور صورتِ دوم میں نکاح جائز ہونے کے باوجود ولی کی ہتک اور بے عزّتی ہے، لہٰذا ولی اور اُس کے احباب کو دُکھ ہوگا اور وہ اِس کی مذمّت کریں گے۔ اغوا کنندہ اور اُن کے درمیان دُشمنی پیدا ہوگی اور اگر اُن کو موقع ملا تو وہ اغوا کنندہ کے قتل سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

احتمالِ ششم: وہ مردِ اُمّتی عجمی جاہل ہے، تو اِس صورت میں وہ مردِ اُمّتی سیّدہ عورت کی کفو نہیں، اب اگر اِن کے درمیان نکاح ولیِ اقرب کی رضامندی سے ہوا تو یہ نکاح جائز اور درست ہے اور چونکہ نکاح ولیِ اقرب کی رضامندی سے ہوا۔ لہٰذا اِس سے ولی کی بے عزّتی نہ ہوگی اور اِس صورت میں اگر نکاح ولیِ اقرب کی رضامندی کے بغیر ہوا، تو ظاہر الرّوایہ میں یہ نکاح جائز اور منعقد ہوگا مگر چونکہ ولی کی بے عزّتی ہوئی ہے، اِس لیے ولی کے مطالبہ پر قاضی اِس نکاح کو فسخ کرسکتا ہے؛ اور غیر ظاہر الرّوایہ میں یہ نکاح جائز ہی نہیں بلکہ کالعدم ہے۔ چنانچہ ویفتٰی فی غیر الکفوء بعدمِ جوازہٖ اصلاً کا تعلق بھی اِسی صورت ہی سے ہے۔ اب

اِس مردِ اُمّتی کے بہ ظاہر چھ احتمال ہیں، احتمال کی دو صورتیں یہ ہیں۔ اوّل نکاح ولیِ اقرب کی رضامندی سے ہوا۔ دوم: نکاح ولیِ اقرب کی رضامندی سے نہیں ہوا؛ تو اِس طرح مرد اُمّتی میں بارہ احتمال ہوگئے۔ یہاں یہ جاننا ازبس ضروری ہے کہ اگر نکاح ولیِ اقرب کی رضامندی سے ہوا تو پھر ولی کی بے عزّتی نہیں اور نہ اُسے دُکھ ہوگا اور نہ کوئی اِسکی مذمت کریگا اور نہ یہ اغوا ہوگا، لیکن اگر نکاح ولیِ اقرب کی رضامندی کے بغیر ہوا تو یہ اغوا ہے اور اس میں ولی کی بے عزّتی ہے۔ اُس کے احباب کو دُکھ ہوگا اور وہ اِس کی مذمت کریں گے۔

قارئین! اب غور فرمایئے کہ مردِ اُمّتی میں بارہ احتمال ہیں۔ اور تقریباً ہر احتمال کا حکم علیحدہ ہے، جب تک مردِ اُمّتی کا تعیّنِ قومیّت نہ کیا جائے تو کوئی فقہی جواب نہیں دیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ملفوظات شریف میں سوال تو اُمّتی مرد کے ساتھ سیّدہ کے نکاح کے جواز کا تھا، لیکن جواب نہ جواز کا دیا گیا اور نہ عدمِ جواز کا اور یہ طریقۂ افتار کے بالکل خلاف ہے۔ افتاء کا طریقہ تو یہ ہے کہ جو مسئلہ پوچھا جائے اُسکا جواب دیا جائے، پھر حیرت یہ ہے کہ سائل نے جب مردِ اُمّتی کا ذکر کیا تو مسئول عنہ مردِ اُمّتی کی معین قومیّت پوچھتا! تاکہ جواب میں آسانی ہوتی، لیکن سائل سے قومیّت دریافت نہیں کی گئی، اور یہ اعلیٰ حضرت قدّس سرہٗ العزیز کی شان کے بالکل خلاف ہے کہ مردِ اُمّتی جو مُبہم ہے، اُس کی تعیین کے متعلق دریافت نہ فرماتے۔ بحثِ سوم: ملفوظاتِ مہریہ میں راجہ محمّد خان کے سوال کے بعد یہ عبارت ہے: حضورؒ نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا کہ ایسے گستاخ اور بے ادب ہمارے پاس آنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ جو لوگ عترتِ نبوّت سے بے ادبی کرتے ہیں، وہ ازلی بدبخت ہیں، نہ وہ ہمارے پاس آتے ہیں اور نہ ہی ہم اُن کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ غور فرمایئے۔ راجہ محمّد خان کے کلام میں دو چیزیں ہیں۔ اوّل مقصود بالذّات کہ محمّد خان نے سوال کیا کہ ایک اُمّتی مرد نے سیّدہ کے ساتھ نکاح کیا۔ کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہ؟ دوم: مقصود بالتّبع کہ محمّد خان نے میاں محمّد صاحبؒ کا سلام اعلیٰ حضرت گولڑوی قدّس سرّہٗ العزیز کی خدمت میں پیش کیا، حضورؒ نے مقصود بالتّبع سلام کا جواب دے دیا، لیکن مقصود بالذّات کو گول کر دیا نہ نکاح

کے جواز کا فتویٰ دیا اور نہ عدمِ جواز کا۔ ایسا بے ربط کلام اعلیٰ حضرتؒ سے بعید تر ہے اور پھر جب راجہ محمد خان نے اُمتی مرد کے نکاح کے جواز اور عدمِ جواز کا سوال کیا اور اعلیٰ حضرتؒ نے سوال کا جواب ہی نہ دیا۔ تو راجہ محمد خان کے پلّے تو کچھ نہ پڑا۔ ایسی صورت میں راجہ محمد خان پر لازم تھا کہ وہ دوبارہ سوال کرتا کہ حضور! میں نے اُمتی مرد کے نکاح کے جواز اور عدمِ جواز کا سوال کیا ہے، آپ اس کی تصریح فرمائیں کہ یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز۔ لیکن ملفوظات میں دوبارہ سوال کا ذکر ہی نہیں اور آپؒ نے جو اُس مرد اُمتی کو گستاخ، بے اَدب اور بدبختِ ازلی فرمایا، یہ الفاظ بھی عدمِ جوازِ نکاح پر صراحتہً دلالت نہیں کرتے؛ کیونکہ قبل ازیں گذر چکا ہے کہ اگر اغوا کفو میں ہو تو نکاح جائز ہوتا ہے؛ لیکن اغوا میں چونکہ عورت کے اولیاء کی بے عزتی اور ہتک ہوتی ہے اس لیے اولیاء اور اُن کے احباب کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے اور وہ اغوا کنندہ کی مذمت کرتے ہیں، اُس کے دشمن ہو جاتے ہیں اور اُس کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے اور اس مرد اُمتی نے چونکہ سیّدہ کو اغوا کیا تو اِس میں سادات کی بے عزتی اور ہتک تھی اور چونکہ اعلیٰ حضرت بھی سیّد السادات ہیں، اِس لیے آپؒ کو بھی رنج اور صدمہ ہوا؛ لہٰذا اغوا کنندہ کی مذمت فرمائی۔

بحثِ چہارم: اِس ملفوظ ۸۱ میں یہ الفاظ بھی اعلیٰ حضرتؒ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں " ہمارے مفتی صاحبان بھی عجیب ہیں، اگر کوئی لفظِ عالم کو بصیغہ تصغیر عُولِم پڑھ دے یا عُلماء کے جُوتوں کی توہین کر دے، تو ایسا کرنے پر تو وہ فوراً کُفر کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں، مگر سفینہ محمّدی کی بے حُرمتی کرنے والے کو وہ کچھ نہیں کہتے۔ اس عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرتؒ علماء پر یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ جو اُمتی مرد سیّدہ کے ساتھ نکاح کرے علماء اُس پر بھی کفر کا فتویٰ لگائیں حالانکہ عُلماء کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے یہ علماء کی کمزوری ہے اور پھر اعلیٰ حضرتؒ خود بھی علماء سے ہیں؛ لہٰذا مرد اُمتی آپؒ کے نزدیک کافر ہے حالانکہ اعلیٰ حضرتؒ نے مسلمانوں کے کسی مکتبہ فکر پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا[۱]۔ صرف مرزا قادیانی کی تکفیر کی۔

[۱] بلکہ آپؒ نے یہاں تک لکھا ہے کہ شیعہ کو بالاجماع کسی نے کافر نہیں کہا۔ (ملاحظہ ہو اعلاء کلمۃ اللہ، از حضرت اعلیٰ گولڑوی ؒ ص ۱۵۴ طبع پنجم، مطبوعہ لاہور سنِ طباعت جنوری ۱۹۸۵ء۔ (۱۲ منہ)

ان تمام اُمورِ مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملفوظ ۱۸۱ جعلی ہے اور اگر اِسے آپؒ کا ملفوظ تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس میں قطع و برید کی گئی ہے۔ حضرتؒ نے اُمتی مرد کی قومیت راجہ محمد خان سے پوچھی ہو گی اور اُس نے اُس کی قومیت بتائی ہو گی اور اعلیٰ حضرتؒ نے نکاح کا فتویٰ جواز یا عدمِ جواز میں دیا ہو گا؛ لیکن جس صاحب نے یہ ملفوظات جمع کیے ہیں۔ اُس نے ملفوظ کے ضروری اجزاء ہضم کر لیے۔ عفا اللہ عنہ۔

بحثِ پنجم حیرت ہے کہ ملفوظات جمع کرنے والے کو یہ نہیں سوجھا کہ اِس مُجمل سوال و جواب سے قارئین کو کیا فائدہ حاصل ہو گا اور اسطرح تو اُنکی ساری سعی بیکار ہو گی۔ بحثِ ششم۔ ملفوظاتِ مہریہ کی جو عبارت ماقبل ذکر کی گئی ہے، اُس میں سوال بالکل مجمل ہے۔ سوال میں صرف مرد اُمتی کا ذکر ہے۔ جس میں بارہ[۱۲] احتمال ہیں جن کا تفصیلاً ذکر گزر چکا ہے۔ جب تک مرد اُمتی کی قومیت کا تعیّن نہیں ہوتا اور یہ بیان نہیں کیا جاتا کہ نکاح ولیِ اقرب کی رضامندی سے ہوا، یا بغیر رضامندی کے، تو اس سوال کا جواب ممکن ہی نہیں اور پھر مرد اُمتی کا مصداق چونکہ جزئی حقیقی ہے، جس میں تکثّر محال ہے، تو مرد اُمتی کی قومیت بھی صرف ایک مُعیّن ہو گی۔ متعدد نہیں ہو سکتیں۔ تو سوال خاص مُعیّن قوم کے کسی مرد کے ساتھ سیدہ کے نکاح کا ہو گا، نہ کہ ہر قومیت کے نکاح کا، اور اعلیٰ حضرتؒ نے اِس سوال کا بالکل جواب تک نہیں دیا۔ تو پھر نام نہاد مفتیوں کا اِس عبارت سے یہ استدلال کرنا کہ اعلیٰ حضرتؒ کے نزدیک غیر سید ہاشمی اور قریشی بھی سیدہ کا کفو نہیں اور اِنکے درمیان نکاح کالعدم ہے۔ یہ اعلیٰ حضرتؒ پر محض بہتان اور افتراء ہے۔ کسی آدمی پر بھی افتراء اور بہتان منع ہے۔ چہ جائیکہ اعلیٰ حضرت گولڑوی پر یہ بہتان باندھا جائے؛ یہاں تک ملفوظاتِ مہریہ کی عبارت پر بحث کی گئی کہ اِس عبارت سے نام نہاد مفتیوں کا یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کہ سیدہ فاطمیہ کی کفو غیر سید ہاشمی اور قریشی بھی نہیں اور اِن کے درمیان

---

[۱] حالانکہ صدیقی، فاروقی، عثمانی، عباسی، علوی یعنی اعوان، سیال، اور قریش کے جملہ بطون بنو ہاشم یعنی سادات فاطمیہ کے کفو ہیں، علاوہ ازیں پاک و ہند میں ایسی تمام اقوام جو مذکورہ خاندانوں سے نسباً تعلق رکھتی ہیں؛ چاہے اُن پر مقامی زبان کے الفاظ ہی بولے جاتے ہوں۔ جیسے سیال وغیرہ وہ سب کی سب سادات فاطمیہ کی کفو ہیں۔ ۱۲ منہ

نکاح کالعدم یا ناجائز ہے۔

فتاویٰ مہریہ کی عبارت پر بحث

قارئین ! اب بندہ فتاویٰ مہریہ کی عبارت پر بحث کرتا ہے۔ فتاویٰ مہریہ میں سوال یہ ہے کہ مسمّٰی محمد خان ساکن ملہوٹ بہ یکے از ہاشمیات، سیّدات، فاطمیات عقدِ نکاح وازدواج نمود بغیر مسترضی من احد من الولاۃ القریبۃ او البعیدۃ ھل یجوز ھٰذا النّکاح ام لا؟ اس سوال پر بھی چند ابحاث ہیں۔ اوّل : سوال میں محمد خان کی قومیّت کا تعیّن مذکور نہیں، جو مسئلہ زیرِ بحث کا اہم ترین پہلو ہے البتّہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ نکاح اولیاء کی مرضی اور رضامندی سے نہیں ہوا۔ اِس سوال کے جواب کی عبارت یہ ہے : مُتونِ فقہ مملو اند ومشحون از عدمِ ایں چنیں نکاح لعدم الکفاءۃ یعنی متونِ فقہ میں بہ کثرت موجود ہے کہ ایسا نکاح کالعدم ہے اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ محمّد خان سیّدہ کی کفو نہیں ہے۔ اب فتاویٰ مہریہ میں محمّد خان کے سیّدہ کی کفو نہ ہونے پر درِّ مختار کی عبارت سے استدلال کیا گیا ہے اور وہ عبارت یہ ہے۔ العجمی لا یکون کفوًا للعربیّۃ ولو کان عالمًا او سلطانًا وھو الاصحّ۔ درّ مختار۔ اب فتاویٰ مہریہ میں دعویٰ تو یہ ہے کہ محمّد خان سیّدہ کی کفو نہیں ہے اور دلیل یہ دی گئی کہ عجمی عربیہ کی کفو نہیں، خواہ عجمی عالم ہو، یا غیر عالم سلطان، اور یہ کفو نہ ہونا اصح ہے۔

قارئین! غور فرمایئے کہ دلیل دعویٰ کو متلزم ہوتی ہے اور دلیل سے دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ اب اِس دلیل سے محمّد خان کا سیّدہ کی کفو نہ ہونا تب ثابت ہو گا کہ محمّد خان عجمی ہو اور سیّدہ عربیّہ ہو تو اب اِس دلیل سے صراحتہً دلالتِ مُطابقی کے ساتھ ثابت ہوا کہ محمّد خان عجمی ہے اور یہ نکاح بغیر رضامندیِ اولیاء کے ہوا، تو اِس طرح محمّد خان عجمی سیّدہ کی کفو نہیں اور چونکہ یہ نکاح بغیر رضامندیِ اولیاء کے ہے تو یہ نکاح کالعدم ہے۔ اب فتاویٰ مہریہ کا یہ جواب بالکل درست ہے اور اِس سے کسی کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا؛ لیکن نام نہاد مفتیوں کا اِس فتویٰ سے یہ ثابت کرنا کہ ہاشمی

اور قریشی بھی سیدہ کی کفو نہیں، یہ نری جہالت، کج فہمی اور ہٹ دھرمی ہے۔ اس فتوای سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ عجمی سیدہ کی کفو نہیں ہے اور زیر سوال میں چونکہ صراحتہً یہ مذکور ہے کہ محمد خان عجمی کا نکاح سیّدہ کے ساتھ بغیر رضامندئ اولیاء کے ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر عجمی کے ساتھ نکاح رضامندئ اولیا سے ہو تو یہ نکاح جائز ہے؛ کیونکہ احناف کے نزدیک کتابوں میں مفہوم مخالف معتبر ہے۔

بحثِ دوم: فتاوٰی مہریہ میں محمّد خان کا سیّدہ کی کفو نہ ہونے پر درِ مختار کی اس عبارت کے ساتھ استدلال کیا گیا ہے؛ اگرچہ یہ عبارت قبل ازیں ذکر کی جا چکی ہے، لیکن چونکہ اس پر خصوصی بحث کرنا ہے، اس لئے دوبارہ لکھی جاتی ہے، ملاحظہ ہو: العجمی لا یکون کفوًا للعربیّة ولو کان عالمًا او سلطانًا و ھو الاصحّ درّ مختار کی اس عبارت میں چند چیزوں کا ذکر ہے، جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا؛ اوّل: عبارت میں عجمی میں تعمیم ہے کہ عالم ہو یا سلطان، چونکہ عطف اَو کے ساتھ ہے، لہٰذا سلطان سے مراد غیر عالم ہوگا، اس امرِ اوّل سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ دوم: فتاوٰی مہریہ نے ساری عبارت کو درِ مختار کی عبارت قرار دیا ہے، اسی لئے آخرِ عبارت میں درِ مختار کا حوالہ ہے۔ اس سے بھی انکار ممکن نہیں۔ سوم: اس عبارت سے جو درِ مختار کی طرف منسوب ہے، فتاوٰی مہریہ میں اس عبارت سے عدمِ کفو پر استدلال کیا گیا ہے، اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا، چہارم: اس عبارت میں جو جملہ وھو الاصحّ ہے، یہ بھی درِ مختار کا ہوگا؛ کیونکہ یہ درِ مختار کی جُزء ہے۔ پنجم: درِ مختار کی عبارت میں جو جملہ وھو الاصحّ ہے اس میں جو ضمیر ھُوَ ہے، اس کا مرجع عبارت کا پہلا حصّہ ہے یعنی العجمی لا یکون کفوًا للعربیّة ولو کانَ عالمًا او سلطانًا۔ ششم: درِ مختار کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ درِ مختار کا مختار یہ ہے کہ عجمی خواہ عالم ہو یا غیر عالم سلطان، یہ عجمی عربیّہ کی کفو نہیں ہے۔ یعنی درِ مختار کا مختار عجمی میں تعمیم ہے۔ یہ جو چھ چیزیں ذکر کی گئی گئیں، ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

فتاویٰ کے اِستدلال پر اعتراضات

قارئین ! اب فتاویٰ مہریہ کے استدلال پر چند اعتراضات پیشِ خدمت ہیں، جواب شاید ہی کسی کے پاس ہو۔ اوّل : فتاویٰ مہریہ نے مذکورہ بالا عبارت کو درِ مختار کی عبارت قرار دیا۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ یہ عبارت درِ مختار کی نہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا فاضل بھی اس کو درِ مختار کی عبارت ثابت نہیں کرسکتا۔ یہ عبارت تنویر الابصار کی ہے، جو درِ مختار کا متن ہے اور اگر کسی تاویل سے اِس کو درِ مختار کی عبارت قرار دیا بھی جائے تو یہ غلط ہے؛ کیونکہ فتاویٰ مہریہ نے اِس عبارت سے استدلال کیا ہے اور استدلال واضح چیز سے ہوتا ہے، نہ کہ تاویلات سے۔ آخر اِس میں کیا حکمت ہے کہ جب یہ عبارت تنویر الابصار کی ہے تو حوالہ تنویر الابصار کا کیوں نہیں دیا گیا اور جو حوالہ درِ مختار کا دیا گیا، وہ خلافِ واقع ہے۔ مزید برآں درِ مختار کا حوالہ دینا اِس لئے بھی نامناسب ہے کہ درِ مختار پر فتوٰی دینا درست نہیں۔ کتبِ فقہ میں اِس پر تصریح موجود ہے۔ ملاحظہ ہو شامی میں ہے: لایجوز الافتاء عن الکتب المختصرة کالنھر وشرح الکنز للعینی، والدر المختار شرح تنویر الابصار، فلا یجوز الافتاء من ھٰذا الآ اذا علم المنقول عنه واخذه منه فلا یأمن المفتی من الوقوع فی الغلط اذا اقتصر علیھا فلا بدّ له من مراجعة ما کتب علیھا من الحواشی اوغیرھا۔ عبارتِ محوّلہ کا مطلب یہ ہے کہ درِ مختار وغیرہ پر فتوٰی دینا ناجائز ہے، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ انہوں نے یہ مسئلہ کہاں سے اخذ اور نقل کیا ہے اور جب تک درِ مختار وغیرہ کے حواشی اور شرح کا مطالعہ نہ کیا جائے، اُن پر فتوٰی دینا جائز نہیں؛ کیونکہ مفتی غلطی میں پڑ جائے گا۔

جامعِ فتاویٰ کا ظلمِ عظیم

قارئین! فتاویٰ مہریہ میں جس عبارت کو درِ مختار کی عبارت قرار دے کر اُس سے استدلال

کیا گیا ہے، یہ دو وجوہ سے درست نہیں۔ اوّل: یہ درِّ مختار کی عبارت نہیں۔ دوم: اُس کتاب کی عبارت سے استدلال کیا گیا ہے، جس پر بغیر مطالعۂ حواشی و شروح فتوٰی ناجائز ہے اور حواشی و شروح میں اِس عبارت کو رد کیا گیا ہے اگر عبارتِ زیرِ بحث کو بحوالۂ تنویر الابصار ذکر کیا جاتا، تو کوئی اعتراض نہ ہوتا، یہی وجہ ہے کہ یہ فقیر عطا محمد چشتی گولڑوی اِس فتوٰی نمبر ۶۲ کو اعلیٰ حضرت گولڑوی قدس سرہ العزیز کا فتوای اور تحریر تسلیم نہیں کرتا؛ بلکہ جامع فتاوٰی نے اِسے اعلیٰ حضرتؒ کی طرف منسوب کر کے ظلمِ عظیم کیا ہے۔ بعض اکابرین نے بندہ پر اعتراض کیا ہے کہ اگر دلائل کی بنا پر اعلیٰ حضرتؒ کے فتوٰی سے اختلاف کیا جاتا تو قابلِ برداشت تھا۔ میرے خیال میں یہ اعتراض کچھ مناسب نہیں ہے۔ اس لیے کہ اِس کا تو یہ مطلب ہوا کہ معترضین (اکابرین) کے نزدیک جامع فتاوٰی کا مرتبہ اعلیٰ حضرتؒ گولڑوی کے مرتبہ سے زیادہ ہے؛ لیکن اِس فقیر کے نزدیک اعلیٰ حضرتؒ کا رُتبہ اور شان اِن مفتیوں سے کہیں بالاتر ہے اور اعلیٰحضرت گولڑوی جیسے فاضلِ روزگار فقیہ العصر، علاّمۂ دوراں اور وارثِ علمِ لدنّی سے یہ بالکل بعید ہے کہ خلافِ واقع عبارات سے ایسا استدلال کرے؛ جس پر مذکورہ بالا اعتراضات وارد ہوتے ہوں۔ اِس پر مزید تفصیل انشاءاللہ العزیز بعد میں آئے گی۔ فانتظر و تفتّش۔ اعتراضِ دوم: فتاوٰی مہریہ نے جو عبارتِ مذکورہ کو درِّ مختار کی طرف منسوب کیا ہے، اس عبارت میں تعمیم ہے کہ عجمی خواہ عالم ہو یا غیر عالم سُلطان یہ عربیّہ کی کفو نہیں، اس تعمیم کو خُود درِّ مختار نے رد کیا ہے کہ اگر عجمی عالم ہے تو عربیّہ بلکہ علویّہ کی بھی کفو ہے۔ البتہ اگر عجمی عالم نہیں، لیکن صاحبِ عزت اور صاحبِ مرتبہ مثلاً سُلطان ہے تو یہ بے شک علویّہ کی کفو نہیں۔ تو اب فتاوٰی مہریہ نے جس عبارت کو درِّ مختار کی عبارت قرار دے کر اُس سے استدلال کیا ہے خود درِّ مختار کے نزدیک وہ عبارت مردُود ہے؛ لہٰذا اِس عبارت سے بحوالۂ درِّ مختار استدلال کرنا، استدلال بالمردُود ہے۔ کیونکہ استدلال سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ درِّ مختار کے نزدیک یہ عبارت مقبول ہے، حالانکہ درِّ مختار نے اِس عبارت کے مضمون کو رد کیا ہے؛ تو

یہ عبارت درِّ مختار کے نزدیک مردُود ہے۔ تو اِس عبارتِ مردُودہ کو درِّ مختار کی عبارت قرار دیکر استدلال بحوالہ درِّ مختار، استدلال بالمردود ہے اور اِس میں کسی صاحبِ علم، بلکہ ذی عقل کو بھی شک وشبہ نہیں۔ اب بعض فضلاء کا یہ کہنا کہ یہ استدلال بالمرُدود نہیں ہے، تو یہ قول عدمِ تدبّر پر مبنی ہے۔ اِس لیے کہ اِس عبارت کا صرف درِّ مختار نے ہی رد نہیں کیا؛ بلکہ علامہ شامی، قاضی خان، فتح القدیر اور بزّازیہ نے بھی رد کیا ہے۔ اعتراضِ سوم: فتاوٰی مہریہ نے جس عبارت کو درِّ مختار کی عبارت قرار دیکر اُس عبارت سے عدمِ کفو پر استدلال کیا ہے، اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت اور اس کا مضمون درِّ مختار کے نزدیک مقبول ہے؛ حالانکہ درِّ مختار نے اِس عبارت اور اس کے مضمون کو رد کیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ عبارت اور اِس کا مضمون درِّ مختار کے نزدیک مردُود ہے، جب کہ فتاوٰی مہریہ کے استدلال سے لازم آیا کہ یہ عبارت اور اِس کا مضمون درِّ مختار کے نزدیک مقبول بھی ہے اور مردود بھی، اور یہ تناقض ہے، جو باطل ہے۔ لہٰذا استدلال باطل ٹھہرا۔ اعتراضِ چہارم: فتاوٰی مہریہ نے جس عبارت کو درِّ مختار کی عبارت قرار دے کر استدلال کیا ہے، اگر یہ استدلال درست اور صحیح ہے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ درِّ مختار کے نزدیک عجمی عالم، عربیّہ عورت کی کفو نہیں اور بعد میں درِّ مختار نے اس عبارت کو رد کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ عجمی عالم عربیّہ کی کفو ہے تو لازم آئے گا کہ درِّ مختار کے نزدیک عجمی عالم، عربیّہ عورت کی کفو ہے بھی اور کفو نہیں بھی۔ اِن ہر دو میں تضاد اور تناقض ہے تو اجتماعِ نقیضین لازم آئے گا، جو باطل ہے۔ چونکہ یہ استدلال اجتماعِ نقیضین کے ساتھ ہے جو کہ باطل ہے اِس لیے فتاوٰی مہریہ کا یہ استدلال باطل ٹھہرا۔ اعتراضِ پنجم: فتاوٰی مہریہ نے جس عربی عبارت کو درِّ مختار کی عبارت قرار دے کر استدلال کیا ہے، اُس عبارت میں یہ جملہ بھی ہے وھو الاصحّ۔ تو اِس سے یہ بات واضح ہوتی کہ عبارتِ مذکورہ کا مضمون درِّ مختار کے نزدیک اصح اور درِّ مختار کا مختار ہے اور بعد میں درِّ مختار نے اِس عبارت اور اِس کے مضمون کا رد کیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ عبارت کا مضمون درِّ مختار کا مختار اور اصح نہیں ہے؛ تو اِس طرح

تین خرابیاں لازم آئیں گی۔ اول یہ کہ عبارت کا مضمون درِ مختار کے نزدیک اصح بھی ہے اور غیر اصح بھی دوم: عبارت کا مضمون درِ مختار کا مختار بھی ہے اور غیر مختار بھی۔ دونوں صورتوں میں اجتماعِ نقیضین ہے۔ سوم: اگر اس عربی عبارت کو درِ مختار کی عبارت قرار دیا جائے تو بعد میں جب درِ مختار نے اس عبارت کو رد کیا ہے تو لازم آئے گا کہ درِ مختار نے اپنا ہی رد کیا ہے اور کوئی عاقل اپنا رد نہیں کرتا۔ ان تمام اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ فتاویٰ مہریہ نے جس عبارت کو درِ مختار کی عبارت قرار دیا ہے، اس میں دو احتمال ہیں۔ اول فی الواقع یہ درِ مختار کی عبارت ہے۔ دوم: یہ درِ مختار کی عبارت نہیں۔ اگر درِ مختار کی عبارت ہے تو اس پر آخری چار اعتراض وارد ہوں گے اور اگر فی الواقع یہ درِ مختار کی عبارت نہیں تو پھر اعتراضِ اول ہوگا کہ جب مذکورہ بالا عربی عبارت درِ مختار کی عبارت ہی نہیں ہے تو پھر فتاویٰ مہریہ نے اس عبارت کو درِ مختار کی طرف منسوب کیوں کیا۔ اعتراضِ ششم: قبل ازیں اکثر اعتراضات اس پر ہیں کہ یہ عربی عبارت مردود ہے درِ مختار، شامی، قاضی خان فتح القدیر اور بزازیہ وغیرہم نے اس کو رد کیا ہے۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ اس عبارت کا مضمون صحیح اور درست ہے تو پھر تو اس عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عجمی مرد، عربیہ عورت کی کفو نہیں اور نام نہاد مفتیوں کا دعوای تو یہ ہے کہ سیدہ کی کفو غیر سید ہاشمی اور قریشی بھی نہیں؛ یہ باطل دعوای تو اس عربی عبارت سے ثابت ہی نہیں ہوتا اور اس باطل دعوای کو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرنا بہتان اور افتراءِ محض ہے۔ ان چھے اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ فتاویٰ مہریہ میں جس عربی عبارت کو درِ مختار کی طرف منسوب کر کے عجمی اور عربیہ کے عدمِ کفو پر استدلال کیا گیا ہے کیا اس عربی عبارت کا مضمون صحیح اور مقبول ہے یا غیر صحیح اور مردود؟ اگر مردود اور غیر صحیح ہے تو پھر اس سے استدلال باطل اور مردود ہے اور اگر مضمون صحیح اور مقبول ہے تو پھر اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ عجمی مرد خواہ عالم ہو یا غیر عالم، یہ عربیہ عورت کی کفو نہیں ہے اور جاہل مفتی تو اس عربی عبارت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہاشمی اور قریشی بھی سیدہ فاطمیہ کی کفو نہیں۔ یہ دعوای اس عربی عبارت سے ثابت نہیں ہوتا

اور اِس دعوٰی کو حضرتؒ کی منسوب کرنا محض کذب ہے۔ بعض نادان فنا تراشیدہ مجہریہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اِس فقیہ نے اعلیٰ حضرتؒ اور آپ کے فتوٰی کا رد کیا ہے حاشا و کلاّ۔ یہ اِس نیا مند پر افتراء ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز اور آپؒ کے فتوٰی کے رد کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بندہ نے تو اعلیٰ حضرتؒ پر معاندین کے باندھے ہوئے افتراء اور بہتان کو دفع کیا ہے۔ بندہ کے علم کے مطابق سیدہ کے کفو کا متنازعہ مسئلہ اعلیٰ حضرتؒ گولڑوی کی صرف دو کتابوں میں ہے۔ یعنی ملفوظاتِ مہریہ اور فتاوٰی مہریہ میں میں نے ہر دو کتابوں کی عبارات پر خالی الذہن ہو کر بحث کی ہے۔ بات یہ ہے کہ فتاوٰی مہریہ میں جو عربی عبارت دُرِّ مختار کی طرف منسوب کی گئی ہے، اُس کو خود دُرِّ مختار، علامہ شامی اور دوسرے مستند فقہاء نے رد کیا ہے۔ پہلے دُرِّ مختار کا رد ملاحظہ ہو: لكن فى النهران فسر الحسيب بذى المنصب والجاه فغير كفوء للعلوية كما فى الينابيع وان العالم كفوٌ لان شرف العلم فوق شرف النسب ولذا قيل ان عائشة افضل من فاطمة رضى الله تعالى عنهما قهستانى۔ شامی میں ہے: ولذا قيل اى لكون شرف العلم اقوى قيل ان عائشة افضل لكثرة علمها۔ تنویر الابصار میں تھا کہ عجمی مرد خواہ عالم ہو یا غیر عالم، عربیہ عورت کی کفو نہیں۔ دُرِّ مختار نے اِس کو رد کیا ہے۔ رد کی تفصیل یہ ہے کہ ایک حسیب ہوتا ہے اور دوسرا نسیب۔ حسیب وہ ہے جس کے اخلاق قابلِ ستائش ہوں: اِس حسیب کی دو قسمیں ہیں۔ اول جو عالمِ دین ہے۔ دوم: عالم نہیں، لیکن ذی رتبہ اور صاحبِ عزت ہے اور لوگ اُس کو بنگاہِ عزت و احترام سے دیکھتے ہیں اور نسیب وہ ہے جو نسب کے لحاظ سے شریف ہے جیسے ساداتِ کرام۔ تنویر الابصار نے کہا کہ عجمی خواہ عالم ہو یا عالم تو نہ ہو لیکن ذی مرتبہ و صاحبِ منصب ہو تو یہ دونوں عجمی، عربیہ عورت کی کفو نہیں ہیں اور دُرِّ مختار نے اِس کو رد کیا کہ اگر حسیب عالم نہیں ہے لیکن ذی منصب اور صاحبِ مرتبہ ہے تو یہ علویہ کی کفو نہیں اور اگر حسیب سے مُراد عالم ہے

تو یہ علویہ یعنی اولادِ علیؓ بہ شمولِ سیّداتِ فاطمیہ کی کفو ہے۔

شرافتِ علمی کو شرافتِ نسبی پر فوقیت حاصل ہے۔ (مسئلہ تفضیلِ عائشہؓ)

قارئین! اس کی دلیل یہ ہے کہ علم کی شرافت کو نسب کی شرافت پر فوقیت حاصل ہے اور درِّ مختار نے اس پر دلیل یہ دی ہے کہ چونکہ حضرت عائشہؓ کا علم زیادہ ہے اس لیے اُن کو شرافتِ علمی حاصل ہے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شرافتِ نسبی حاصل ہے چونکہ شرافتِ علمی کو نسبی شرافت پر فوقیت حاصل ہے لہٰذا حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پر فضیلت ہے۔ اب درِّ مختار کی عبارت سے تین مسائل ثابت ہوئے۔ اوّل: جو عجمی عالم ہے وہ اولادِ علیؓ کی کفو ہے اور اولادِ علیؓ عام ہے، خواہ حضرت فاطمہؓ سے ہو یا کسی اور زوجہ سے۔ تو ثابت ہوا کہ عجمی عالم، سیّدہ فاطمیہ کی کفو ہے اور یہی مسئلہ یہاں بیان کرنا مقصود ہے۔ دوم: علمی شرافت کو نسبی شرافت پر فوقیت حاصل ہے، یعنی یہ دونوں شرافتیں باہم برابر نہیں؛ بلکہ اوّل کو دوم پر فوقیت حاصل ہے اور یہ مسئلہ یہاں بالتّبع ذکر کیا گیا۔ مسئلہ سوم، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت فاطمہ زہراؓ سے افضل ہیں۔ یہ مسئلہ بھی بالتّبع ذکر کیا گیا۔ اب نام نہاد مفتی نے دربار گولڑہ شریف میں حضرت غوثِ اعظمؒ کے عُرس پر تقریر میں جو کہا کہ شرافتِ نسبی کو علمی شرافت پر فوقیت ہے اور حضرت فاطمہ زہراؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل ہیں۔ تو یہ دونوں نظریات تصریحاتِ احناف کے خلاف ہیں۔ صرف درِّ مختار اور شامی نے ہی اِس شرافت اور افضلیت کو ذکر نہیں کیا، بلکہ دیگر مستند کتبِ فقہ میں بھی اِسی کے مطابق تصریح ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ بعد میں آئے گی۔ یہاں تک یہ بیان کیا گیا کہ جو عربی عبارت فتاویٰ مہریہ میں درِّ مختار کی عبارت قرار دی گئی، درِّ مختار نے اُس کا رد کیا ہے اس لیے اُس کے نزدیک یہ مردود ہے۔ لہٰذا اِس مردود عبارت سے استدلال ہا استدلال بالمردود ہے، جس میں کسی عاقل کو شک نہیں ہو سکتا۔ عبارت یہ ہے: العجمی لا یکون کفوًا للعربیۃ ولو کان عالمًا

او سلطاناً وھو الاصحّ درِّ مختار۔ اِس عبارت کا رد علاّمہ شامیؒ نے بھی مستند فقہاء کے حوالہ سے کیا ہے۔ شامی کی عبارت ملاحظہ ہو: اقُولُ حیث کان ما فی الینابیع من تصحیح عدم کفائۃ الحسیب للعربیّۃ مبنیّاً علیٰ تفسیر الحسیب بذی المنصب والجاہ لم یصح ماذکرہ المصنّف من تصحیح عدم الکفائۃ فی العالم وذکر الخیر الرّملی عن مجمع الفتاوٰی العالم یکون کفوءاً للعلویّۃ لانّ شرف الحسب اقوٰی من شرف النّسب وعن ھٰذا قیل انّ عائشۃ افضل من فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما لانّ لعائشۃ شرف العلم کذا فی المحیط وذکر ایضاً انّہٗ جزم بہٖ فی المحیط والبزّازیہ والفیض وجامع الفتاوٰی وصاحب الدّرر۔ خلاصہ اس طویل عبارت کا یہ ہے کہ جب ینابیع والے نے یہ کہا کہ جو حسیب عالم نہیں اور صاحبِ منصب و مرتبہ ہے وہ عربیّہ عورت کی کفو نہیں اور یہ صحیح ہے تو مصنّف یعنی تنویر الابصار نے جو اس کی تصحیح کی کہ حسیب بمعنیٰ عالم بھی علویہ کی کفو نہیں تو تنویر الابصا کا یہ کہنا صحیح نہیں بلکہ غلط ہے۔

عُلماءِ احناف کا موقف، عجمی عالم عربیّہ کی کفو ہے

خیر الدّین رملیؒ جو کہ صاحبِ درِّ مختار کا اُستاد ہے، اُس نے بحوالہ مجمع الفتاوٰی ذکر کیا کہ عالم علویّہ کی کفو ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حسب یعنی شرفِ علم، نسب کے شرف سے قوی تر ہے اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ سیّدہ عائشہ صدّیقہ، حضرتِ فاطمہؓ سے افضل ہیں؛ کیونکہ عائشہؓ کے لیے علم کا شرف ہے اور خیر الدّین رملیؒ نے یہ بھی ذکر کیا کہ محیط، بزّازیہ، فیض، جامع الفتاوٰی اور صاحبِ دُرَر نے اِسی مسئلہ کے ساتھ جزم کیا ہے اور مسئلہ سے مراد یہ ہے کہ علم کی شرافت، نسب کی شرافت سے بہت قوی ہے اور حضرتِ عائشہ، حضرت فاطمہ سے افضل ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ قارئین! اب غور فرمایئے کہ قبل ازیں درِّ مختار، اور

شامی کے حوالہ سے ذکر کیا گیا اور اب خیرالدین رملی، مجمع الفتاوٰی، محیط، بزّازیہ، فیض، جامع الفتاوٰی اور صاحب دُرر کے حوالہ سے یہ دونوں مسئلے ذکر کئے گئے؛ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام اکابر فقہاء اِن دو مسئلوں میں متّفق ہیں کہ شرف العلم اقوٰی من شرف النّسب اور حضرتِ عائشہ صدّیقہ، جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل ہیں، تو نام نہاد منبع فساد مفتی علیہ ما علیہ کا عُرس کے موقع پر اِن تصریحات کے خلاف تقریر کرنا، بے سند اور خلافِ تصریحاتِ مذکورہ ٹھہرا، اعاذنا اللہ منہ۔ اِس کے بعد علامہ شامیؒ نے فرمایا: کتب العلماء طافحة بتقديم العالم على القرشي ولم يفرّق سُبحانه تعالیٰ بين القرشي وغيره - فی قوله هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْن - خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ عُلماء کی کتابیں بھری پڑی ہیں کہ عالم غیر قرشی مقدّم ہے قرشی پر؛ اور اللہ تعالیٰ نے بھی قرشی اور غیر قرشی کے درمیان فرق نہیں فرمایا؛ اِس ارشاد میں کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں۔ مطلب یہ کہ عالم، غیر عالم سے افضل ہے، خواہ عالم قرشی ہو یا غیر قرشی، اور اسی طرح غیر عالم قرشی ہو یا غیر قرشی؛ تو نصِّ قرآنی سے ثابت ہُوا کہ عجمی عالم عربیہ عورت سے افضل اور اُس کی کفو ہے؛ اس طرح قرآنِ مجید سے ثابت ہوا کہ شرفِ علم، شرفِ نسب سے اقوٰی ہے۔ اب نادان مفتی کا مجلسِ عُرس میں یہ کہنا کہ شرافتِ نسبی، شرافتِ علمی سے بہتر اور افضل ہے، یہ قول قرآنِ حکیم اور تصریحاتِ فقہاء کے سراسر خلاف ہے۔ اِس کے بعد علاّمہ شامیؒ نے فرمایا: والعرب اکفاء ای لا یکافئهم غیرهم ولا یخفی ان هٰذا وان کان ظاهره الاطلاق لٰکن قیده المشائخ بغیر العالم وکم له من نظیر فان شان مشائخ المذهب افادة قیود وشرائط لعبارات مطلقة استنباطًا من قواعد کلّیة او مسائل فرعیّة او ادلّة نقلیّة وهنا کذٰلك۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عجمی خواہ عالم ہو، یا غیر عالم عربیّہ عورت کی کفو نہیں ہے،

اُن لوگوں کو مغالطہ اس سے ہوا کہ مُتون میں یہ عبارت ہے کہ عرب ایک دوسرے کی کفو ہیں اور غیر عرب اُن کی کفو نہیں؛ اگرچہ اس عبارت میں غیر عرب مُطلق ہے، خواہ عالم ہو یا غیر عالم، لیکن مشائخ نے غیر عرب کو غیر عالم کے ساتھ مقیّد کیا ہے؛ جس کا مطلب یہ ہے کہ غیر عرب اور عجمی جو عالم نہیں، یہ عرب کی کفو نہیں ہے اور جو عجمی عالم ہے وہ عرب کی کفو ہے۔ اس کے بعد علّامہ شامیؒ نے فرمایا کہ جو مشائخ مذہب ہیں، اُن کی یہ شان ہے کہ مطلق عبارات کو مقیّد کرتے ہیں اور اُن کے شرائط ذکر فرماتے ہیں اور یہ تقیید مشائخ قواعدِ کلیہ اور مسائلِ فرعیہ اور دلائلِ نقلیہ سے مستنبط کرتے ہیں اور یہاں مشائخ نے جو غیر عرب عجمی کی تقیید غیر عالم کے ساتھ کی ہے یہ اسی قبیل سے ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ عجمی عالم عربیہ عورت کی کفو ہے تو فتاویٰ مہریہ میں جو عربی عبارت درِّ مختار کی قرار دی گئی ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ عجمی خواہ عالم ہو خواہ غیر عالم، یہ عربیہ کی کفو نہیں یہ باطل ہے۔ اس کے بعد علّامہ شامیؒ نے فرمایا: فحیث کان شرف العلم اقوٰی من شرف النسب بدلالۃ الاٰیۃ وتصریحھم بذالک اقتضٰی تقیید ما اطلقوہ اعتمادًا علٰی فہمہ من محل اٰخر خلاصہ عبارت یہ ہے کہ جب آیۂ مذکورہ بالا اور تصریحِ علماء سے ثابت ہو گیا کہ شرافتِ علمی شرافتِ نسبی سے بہت قوی ہے تو جن کتابوں میں یہ کہا گیا کہ مطلق عجمی، خواہ عالم ہو یا غیر عالم، عربیہ عورت کی کفو نہیں، تو اس عجمی سے مُراد غیر عالم ہے اور عجمی عالم عورت عربیہ اور علویہ کی کفو ہے اور یہ دوسرے مقام سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد علّامہ شامیؒ نے اس پر ایک عجیب دلیل دی ہے کہ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ عجمی خواہ عالم ہو یا غیر عالم، عربیہ کی کفو نہیں ہے، علّامہ شامی کی دلیل ملاحظہ ہو: وکیف یصح لاحد ان یقول ان مثل ابی حنیفۃ او الحسن البصری رحمہما اللہ تعالٰی وغیرہما ممن لیس بعربی انہ لایکون کفوًا لبنت قرشی جاھل او لبنت عربی بوّال علٰی عقبیہ فلاجرم

انه جزم بما قاله المشائخ صاحب المحیط وغیرہ کما علمت وارتضاہ المحقق ابن الھمام وصاحب النھر وتبعھم الشارح فافھم واللّٰہ سبحانہ اعلم۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ عجمی عالم بھی عربیہ کی کفو نہیں تو لازم آئے گا کہ امام ابو حنیفہؒ اور حسن بصریؒ اور دوسرے ائمہؒ، جو عربی نہیں، عجمی ہیں ایک قریشی جاہل اور عربی جو اڑیوں پر پیشاب کرتا ہے، مذکورہ بالا عجمی ائمہ اِن ہر دو یعنی قریشی جاہل اور عربی کی لڑکیوں کے کفو نہیں اور یہ کہنا بالکل غلط ہے تو ثابت ہوا کہ عجمی عالم قریشیہ اور عربیہ کی کفو ہے تو تنویر الابصار کا یہ کہنا بالکل غلط ٹھہرا کہ عجمی عالم ہو یا سلطان غیر عالم، عربیہ عورت کی کفو نہیں۔ اِس طویل عبارت کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ فتاوٰی مہریہ میں جو عربی عبارت درِّ مختار کی قرار دی گئی ہے وہ دراصل تنویر الابصار کی ہے، جسے خود درِّ مختار، شامی اور دُوسرے مشائخ نے ردکیا ہے اور یہ عبارت درِّ مختار اور دوسرے عُلماء کے نزدیک مردُود ہے۔ اِس طرح اِس مردود عبارت کو درِّ مختار کی عبارت قرار دے کر اِس سے استدلال کرنا کہ عجمی خواہ عالم ہو، عربیہ، قرشیہ اور علویہ کی کفو نہیں، یہ استدلال درِّ مختار کے نزدیک بھی استدلال بالمردود ہے اور اس میں کسی عاقل کو شک نہیں ہوسکتا، فضلاً عن عالم۔ اِسی مسئلہ پر ایک اور دلیل ملاحظہ ہو، شامی میں ہے: وفی جامع قاضی خان قالوا الحسیب یکون کفوًا للنسیب فالعالم العجمی یکون کفوًا للجاھل العربیّ والعلویة لان شرف العلم فوق شرف النسب وارتضاہ فی فتح القدیر وجزم بہ البزّازی وزاد والعالم الفقیر یکون کفوًا للغنیّ الجاھل والوجہ فیہ ظاھر لانّ شرف العلم فوق شرف النسب، فشرف المال اولٰی نعم الحسیب قدیرادبہ المنصب والجاہ کما فسرہٗ بہ فی المحیط عن صدر الاسلام وھٰذا لیس کفوأ للعربیة کما فی الینابیع۔

مذکورہ بالا طویل عربی عبارت کا خُلاصہ یہ ہے کہ قاضی خان نے کہا کہ مشائخ نے کہا کہ حسیب، نسیب کی کفو ہے اور قبل ازیں گذر چکا ہے کہ حسیب جو عالم ہے اور عجمی ہے یہ نسیب کی کفو ہے؛ اِس عبارت میں جس حسیب کو نسیب کی کفو قرار دیا گیا ہے، اِس سے مُراد عجمی عالم ہے اور نسیب سے مُراد عرب اور علوی ہے۔ اب قاضی خان نے اِس قاعدہ پر یہ مسئلہ متفرّع کیا کہ عجمی عالم، جو حسیب ہے، یہ عربی جاہل اور علویّہ کی کفو ہے، اور اِس کی دلیل یہ ہے کہ شرافتِ علمی، شرافتِ نسبی سے برتر ہے اور فتح القدیر اور بزّازیہ کا بھی یہی مختار ہے اور اِسی قاعدہ کی بنا پر بزّازیہ والے نے یہ مسئلہ زیادہ کیا کہ عالم فقیر جاہل غنی کی کفو ہے، اور اِس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب علمی شرافت، نسبی شرافت سے برتر ہے تو مالی شرافت سے بطریقِ اولیٰ برتر ہو گی؛ کیونکہ حسب کا مرتبہ مال سے برتر ہے۔ اِس کے بعد بزّازیہ والے نے محیط اور صدر الاسلام اور ینابیع کے حوالہ سے کہا کہ حسب کا ایک اور معنیٰ بھی ہے کہ عجمی عالم تو نہیں ہے، لیکن ذی منصب اور صاحبِ مرتبہ اور ذی عزّت ہے، یہ حسیب عربیّہ علویّہ کی کفو نہیں ہے۔ اب اِس تفصیل سے ثابت ہوا کہ عجمی حسیب دو قسم ہے۔ اوّل عالم اور دوم غیر عالم ذی عزّت اور صاحبِ مرتبہ۔ قسمِ اوّل عربیّہ اور علویّہ کی کفو ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ علمی شرافت، نسبی شرافت سے برتر ہے۔ البتّہ عجمی حسیب کی قسمِ دوم، عربیّہ کی کفو نہیں۔ اب اِسی مسئلہ پہ ایک اور دلیل ملاحظہ ہو۔ الدّرر الاحکام شرح غُرر الاحکام متن اور شرح میں ہے: العجمی العالم کفوٌ للعربیّ الجاھل لان شرف العلم یقاوم شرف النّسب والعالم الفقیر کفوء للجاھل الغنیّ وللعلوی لما عرفت ان شرف العلم یقاوم شرف النّسب: خلاصہ عبارتِ متن اور شرح کا یہ ہے کہ عجمی عالم، عربی جاہل کی کفو ہے اور اِس کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ عربی جاہل میں شرافتِ نسبی ہے، لیکن عجمی عالم میں شرافتِ علمی ہے، جو شرافتِ نسبی کا مقابلہ کرتی ہے اور عالم فقیر جاہل غنی اور اولادِ حضرت

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفو ہے اور اِس کی دلیل بھی وہی ہے، جو ذکر ہو چکی ہے کہ شرافتِ علمی، شرافتِ نسبی کا مقابلہ کرتی ہے۔ ابنِ شامیؒ نے اِسی مسئلہ کے متعلق تصریح کی ہے :۔

ولذا قیل ای لکون شرف العلم اقوٰی قیل ان عائشۃ افضل لکثرۃ علمہا وظاھرہ انہ لا یقال ان فاطمۃ افضل من جھۃ النسب لان الکلام مسوق لبیان ان شرف العلم اقوٰی من شرف النسب فما نقل عن اکثر العلماء من تفضیل عائشۃ محمول علی بعض الجھات کالعلم وکونہا فی الجنۃ مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفاطمۃ مع علی رضی اللہ تعالٰی عنہما ولھٰذا قال فی بدء الامالی ؎

ولصدیقۃ الرجحان فاعلم علی الزھراء فی بعض الخلال : خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ چونکہ شرافتِ علمی نسبی سے اقوٰی ہے اور حضرتِ عائشہؓ کا علم زیادہ ہے، تو حضرتِ عائشہ، حضرتِ فاطمۃُ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل ہیں اور اکثر علماء کا یہی مذہب ہے، اِس کی دو دلیلیں ہیں۔ اوّل : حضرتِ عائشہؓ کا علم زیادہ ہے۔ دوم : حضرتِ عائشہؓ کے بدنِ پاک کے ساتھ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے جسمِ اطہر نے مساس کیا ہے، جبکہ حضرتِ فاطمہ زہراؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کے بدن نے مساس کیا ہے اور آنحضرتؐ کا جسمِ اطہر، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے بدن مُبارک سے افضل ہے۔ اِس طرح حضرتِ عائشہؓ دو وجہ سے حضرت فاطمہ زہراؓ سے افضل ہیں اور بدا الآمالی کے شعر میں اِسی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عائشہ صدّیقہؓ کو حضرت زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بعض وجہ سے فضیلت ہے اور اِن بعض وُجوہ سے مراد وہی دو وجُوہات ہیں، جن کا ذکر اُوپر شامی کی عبارت میں ہے۔ اب دُرِّ مُختار، علامہ شامی، قاضی خان، ابنِ ہمام اور دیگر مستند فقہاء کی مذکورہ بالا عبارات کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

عجمی عالم، علویہ اور ساداتِ فاطمیّہ کی کفو ہے

قارئین! یہ خلاصہ چند اُمور پر مشتمل ہے۔ امرِ اوّل : عجمی عالم بھی علویہ اور سادات کی

کفو ہے؛ اور ان کے درمیان نکاح جائز ہے، خواہ ولی راضی ہو یا نہ۔ تو نادان مفتی کا یہ کہنا بکل باطل ہے کہ سادات اور اولادِ فاطمہ کا غیر سید ہاشمی بھی کفو نہیں ہے، خواہ ولی راضی ہو یا نہ اور اگر سیدہ نے غیر ہاشمی کے ساتھ نکاح کیا تو وطی زنا ہوگی۔ یہ حلال کو حرام کرنا ہے؛ جو انتہائی قابلِ مذمت ہے۔ امر دوم: شرافتِ علمی، شرافتِ نسبی سے برتر ہے اور یہ نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ قولہ تعالیٰ (ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون) تو مفتی ماجن کا یہ کہنا کہ شرافتِ نسبی، شرافتِ علمی سے برتر ہے، نصِ قرآنی کے خلاف ہے تو گویا نام نہاد مفتی پر مرزا قادیانی کی طرح شیطان نے یہ الہام کیا ہے: والذین لا یعلمون ھم افضل واشرف من الذین یعلمون اور یہ صریح بے دینی ہے۔ امرِ سوم: اکثر علماء کا یہ فتویٰ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل ہیں اور یہ امرِ دوم پر مبنی ہے اور بزعمِ خود مفتی نے عرس پر اپنی تقریر میں اس کا اُلٹ بیان کیا ہے کہ حضرت زہراؓ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل ہیں۔ ع ناطقہ سر بگریباں ہے اِسے کیا کہیے۔

مفتی ماجن کے مبنی بر جہالت دلائل

امرِ چہارم: بے خبر مفتی نے یزید کے متعلق کہا کہ یزید لعنتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مفتی نے یزید پر لعنتِ شخصی کی اور یہ بھی خلافِ تحقیق ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں: شرح عقائد نسفی میں ہے: وانما اختلفوا فی یزید بن معاویہ حتّٰی ذکر فی الخلاصۃ کتاب معتمد فی الفقہ الحنفی انہ لا یجوز اللعن علیہ لان النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نھٰی عن لعن المصلین ومن کان من اھل القبلۃ؛ محولہ عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ یزید کی لعنتِ شخصی معتمد کتبِ احناف کے لحاظ سے ناجائز ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز پڑھنے والوں کی لعنت سے

منع فرمایا اور جو لوگ کعبہ شریف کو اپنا قبلہ مانتے ہیں، اُن کی لعنت سے منع فرمایا۔ علامہ تفتازانی ؒ نے چونکہ یزید کی لعنت کا قول کیا، تو صاحبِ نبراس نے اِس کا رد کیا۔ ملاحظہ ہو:

ان الشّارح بنیٰ کلامه علیٰ جواز لعن الفاسق وان لم يتحقّق موته على الكفر وهٰذا خلاف التّحقيق والّذی حقّقه المحققون انّ اللّعن ثلٰثة اقسام احدها اللّعن بالوصف العام نحو لعن الله على الكفار واليهود وهٰذا جائز۔ ثانيها اللّعن على الشّخص المعيّن الذی صحّ موته على الكفر باخبار الشّارع كفرعون وابی جهل وابليس وهو جائز ايضاً ثالثها على شخص لم يعلم موته على الكفر وهو بحسب الظاهر مؤمن اوكافر لجواز ان يوفّق الله سبحانه وتعالىٰ الكافر الاسلام ودليلهم انّ الشّارع نهٰى عن اللّعن وشدّد عليه ففى الحديث لا يكون المؤمن لعّاناً رواه التّرمذی وقال من لعن شيئاً ليس له باهل رجعت اللّعنة عليه رواه التّرمذی ثم قد صحّ عنه اللّعن بالوصف العام وعلى الشّخص الهالك على الكفر فوجب الاقتصار عليهما وبقى القسم الثّالث محظوراً لا سيّما اذا كان الشّخص مؤمنا على الظاهر لقوله عليه الصّلوٰة والسّلام سباب المسلم فسوق رواه البخاری، فاحفظ ولا تكن من الّذين لا يراعون قواعد الشّرع ويحكمون بان من نهٰى عن لعن يزيد فهو من الخوارج نعم قبح افعاله مشهور وحبّ اهل البيت واجبٌ ولٰكن النّهى عن لعنه ليس للقصور فى حبّهم بل لقواعد الشّرع۔ اِس طویل عربی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ تفتازانی نے جو یزید کی شخصی لعنت کا قول کیا ہے، یہ اِس پر مبنی ہے کہ جس فاسق کی موت یقینی طور پر کفر پر نہیں ہے، اُس فاسق پر شخصی لعنت جائز ہے اور یہ بات خلافِ تحقیق ہے، تو یزید پر لعنتِ شخصی خلافِ تحقیق ہے؛ اگرچہ وہ فاسق تھا اور

اِس کی دلیل یہ ہے کہ محققین کے نزدیک لعنت کی تین قسمیں ہیں۔ قسمِ اوّل: لعنت وصفِ عام پر جو کہ شرع شریف میں وارد ہے؛ جیسے اللہ کی لعنت کُفّار اور یہود پر۔ خلاصہ یہ کہ اِس وصفِ عام پر لعنت جائز ہے اور جس وصفِ عام پر شرع میں لعنت نہیں کی گئی ہم بھی اُس وصفِ عام پر لعنت نہیں کر سکتے۔ بہرحال اِس وصفِ عام پر لعنت جائز ہے، جو شریعت میں وارد ہے۔ دوم: اُس شخصِ مُعیّن پر لعنت جس کے کفر پہ موت کی خبر شارع نے دی ہے۔ شارع سے مُراد اللہ جلّ شانُہٗ اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہیں، جیسے فرعون، ابُوجہل اور ابلیس کی موت۔ اِن تینوں کی موت کُفر پر قرآنِ پاک اور حدیث شریف سے ثابت ہے لعنتِ شخصی کی یہ قسم بھی جائز ہے۔ قسمِ سوم: اُس شخص پر لعنت جس کی موت کُفر پہ یقینی طور پہ ثابت نہیں ہے یعنی نہ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِس شخص کی موت کفر پہ ہے اور نہ ہی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے، ایسے شخص پہ لعنتِ شخصی ناجائز ہے، خواہ وہ زندہ ہو یا مُردہ اور ظاہر کے لحاظ سے مومن ہو یا کافر اِس لیے کہ ہو سکتا ہے، اُس کافر کو موت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق عطا فرمادی ہو اور اُس کی موت اسلام اور ایمان پہ ہوئی ہو، تو جاہل مُفتی نے یزید کی لعنتِ شخصی پر یہ دلیل دی کہ یزید شراب کو حلال جانتا تھا۔ یہ دلیل جہالت پر موقوف ہے، کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یزید شراب کو حلال جانتا تھا، تو زیادہ سے زیادہ کافر ہوگا، لیکن جس کافر کی موت کُفر پہ یقینی صورت میں معلوم نہیں ہے، اُس پہ لعنتِ شخصی منع اور ناجائز ہے اور یزید کی موت پہ کُفر کی خبر نہ اللہ تعالیٰ سُبحانہٗ نے فرمائی اور نہ ہی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے۔ قارئین! غور فرمائیے کہ گاندھی اور نہرو یقینی طور پہ کافر تھے، لیکن اِن پہ بھی لعنتِ شخصی جائز نہیں، اِس لیے کہ اِن کی موت کُفر پہ یقینی طور پر معلوم نہیں ہے۔ نہ تو شارع جلّ جلالہٗ اور نہ ہی شارع علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کُفر پہ اِن کی موت کی اطلاع ہمیں دی۔ مختصر یہ کہ قسمِ اوّل و دوم جائز اور صرف آخری ناجائز ہے، اِس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے سختی کے

ساتھ لعنت سے منع فرمایا۔ ترمذی شریف میں ہے کہ مومن لعنت نہیں کرتا، تو نام نہاد مفتی نے جو یزید پر لعنتِ شخصی کی تو مذکورہ بالا حدیثِ ترمذی کے مطابق اپنے ایمان کا حکم معلوم کرے۔ نیز ترمذی شریف میں ہے کہ اگر کسی نے کسی شے پر لعنتِ شخصی کی، جب کہ وہ شے لعنت کی اہل اور مستحق نہ تھی، تو وہ لعنت لوٹ کر لعنت کنندہ پر پڑ جاتی ہے اور لعنت کنندہ ملعون ہو جاتا ہے۔ اَب نادان مفتی غور کریں کہ انہوں نے یزید پر شخصی لعنت کی، جبکہ مفتی کو یقیناً معلوم نہیں کہ یزید کی موت کفر پر ہے، تو اب اگر یزید لعنت کا اہل نہ ہوا تو نادان مفتی خود ملعون ہو جائے گا۔ اِس سے نادان زیادہ کون ہوگا، جو خود اپنے ملعون ہونے کی سعی کرے۔ اِس کے بعد صاحبِ نبراس نے فرمایا: کہ جو آدمی یزید پر لعنتِ شخصی کرتا ہے وہ قواعدِ شرع کی رعایت نہیں کرتا اور جو آدمی اُس کو لعنتِ یزید سے منع کرتا ہے اُسے وہ خارجی کہتا ہے۔ اس کا یہ رویّہ غلط ہے۔ ہاں یزید کے بُرے اور قبیح افعال مشہور ہیں اور ہم اُس کو فاجر کہتے ہیں۔ اہلِ بیتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی محبّت واجب ہے اور یزید پر لعنت نہ کرنا قواعدِ شریعت کی رعایت ہے اور اِس سے محبّتِ اہلِ بیت میں قصور اور کوتاہی ثابت نہیں ہوتی۔ علاّمہ شامیؒ نے بھی یزید کی لعنتِ شخصی پر صاحبِ نبراس کی طرح بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو، شامی میں ہے: حقیقة اللّعن المشهورة هی الطّرد عن الرّحمة وهی لاتکون الّا لکافر ولذالم تجز علٰی معیّن لم یعلم موته علی الکفر بدلیل وان کان فاسقاً مشهوراً کیزید علی المعتمد بخلاف نحوابلیس وابی لهب وابی جهل فیجوز۔

مقبولانِ حق کی خانقاہوں میں اللہ کی رحمت سے دُوری کی باتیں نازیبا ہیں

قارئین! علاّمہ شامیؒ کی محوّلہ بالا عربی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ لعنت کا حقیقی معنیٰ کسی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور کرنا ہے اور رحمتِ الٰہی سے دُور صرف وہ کافر ہے جس کی موت کفر پر دلیل سے ثابت ہے۔ دلیل سے مراد اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کا فرمان، یا پھر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد۔ یعنی جس آدمی کا قرآنِ حکیم میں ذکر ہے کہ اِس کی موت کفر پر ہے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہو کہ اس کی موت کفر پر ہے، ایسے معیّن آدمی پر نام لے کر لعنتِ شخصی جائز ہے اور اگر کسی خاص شخص کی موت کفر پہ دلیل سے ثابت نہیں ہے تو اُس پر لعنتِ شخصی جائز نہیں، خواہ وہ بڑا سرکش اور یزید کی طرح فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ بلاشُبہ یزید بڑا سرکش اور فاسق تھا، لیکن چونکہ قرآن یا حدیث سے کفر پر اُس کی موت ثابت نہیں لہٰذا معتمد اور محقّق یہ ہے کہ یزید پر لعنتِ شخصی جائز نہیں اور جنکی موت کفر پہ کتاب وسُنّت سے ثابت ہے، اُن پر لعنت جائز ہے، جیسے ابلیس، ابولہب اور ابوجہل۔ تو مفتیٔ مذکور نے یزید پر لعنتِ شخصی کی ہے، یہ مذہبِ احناف اور قولِ معتمد اور تحقیق کے خلاف[1] ہے۔

حیرت ہے کہ مشائخ کرام کے دربار، جہاں رحمتِ الٰہی نازل ہوتی ہے وہاں لعنت اور رحمتِ الٰہی سے دُوری کی باتیں کی جاتی ہیں۔ اِس لیے آج کل کے ایسے خطیبوں اور مقررین کو بندہ موضوعاتِ کبیر کہتا ہے۔

میرے اعتراضات حضرت اعلیٰ کی ذاتِ مقدسہ پر نہیں بلکہ فتاوٰی کی طرف منسوب ہیں

قارئین! چونکہ فتاوٰی مہریہ کی عربی عبارت پر شدید اعتراض ہیں، جن کا کوئی جواب نہیں اور فتاوٰی کا مذکورہ عربی عبارت سے بحوالۂ درِ مختار استدلال نہایت کمزور اور ضعیف ہے اور ایسا استدلال معمولی علم والا بھی نہیں کرسکتا، چہ جائیکہ حضرت اعلیٰ گولڑوی اِس طرح کا کمزور اور خلافِ واقع استدلال پیش کرتے کہ جو عبارت درِ مختار کی نہیں ہے، اُس کو دُرِّ مختار کی عبارت قرار دیتے اور جو مسئلہ درِ مختار کے نزدیک مردُود ہے اُس کو درِ مختار کا مختار قرار دے کر استدلال کرتے، جبکہ

[1] چنانچہ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ سے جب بہ سلسلۂ لعنِ یزید سوال کیا گیا تو آپؒ نے اقوالِ سلف بیان کرنے کے بعد اس سلسلہ میں اپنے نقطۂ نظر کو اس طرح بیان فرمایا: بہتر ہے کہ بہ حکمِ عام فرمودۂ حق تعالےٰ فلعنۃ اللّٰہ علی الظّٰلمین پر کفایت کی جائے، بجائے لعن کرنے کے اللہ اللہ کرنا اوّلین وآخرین کے حق میں بہتر کام ہے۔ ملاحظہ ہو ملفوظاتِ مہریہ، ص ۱۲۴، طبعِ دوم، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت ۱۹۷۴ء آپ کے مندرجہ بالا ارشاد سے واضح ہے کہ آپ بھی لعنِ شخصی کے حق میں نہیں تھے۔ ۱۲ منہ۔

حضورؒ علم کا ایک بحرِ ناپیدا کنار تھے اور آپؒ علمِ لَدُنی کے وارث تھے۔ لہٰذا ان حقائق کی بنیاد پر بندہ کو یقین ہے کہ فتاویٰ مہریہ کا یہ فتویٰ جس میں مذکورہ بالا عربی عبارت موجود ہے، یہ حضرت اعلیٰؒ کی تحریر نہیں، بلکہ بعد کے کسی مفتی (جامع) کی تحریر ہے، جو یا تو اُس سے سہواً لکھی گئی، یا پھر اُس نے اعلیٰ حضرتؒ کو بدنام کرنے کے لیے عمداً اِس فعلِ شنیع کا ارتکاب کیا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ فتاویٰ مہریہ کا یہ فتویٰ اعلیٰ حضرتؒ کے تبرّکات میں محفوظ ہے، جیسے آپؒ کے دوسرے فتوے تبرّکات میں محفوظ ہیں، اِس لیے یہ اعلیٰ حضرتؒ ہی کی تحریر ہے، تو جواب یہ ہے کہ تبرّکات میں تمام فتاویٰ کا محفوظ ہونا، اِس اَمر کی ہرگز دلیل نہیں بن سکتا کہ یہ فتویٰ بھی آپ ہی کی تحریر ہے، اِس لیے کہ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: الخطّ یشبه الخط والصّوت یشبه الصّوت یعنی خط دوسرے خط سے مماثلت رکھتا ہے اور آواز دوسری آواز کے مشابہ ہوتی ہے، ہو سکتا ہے کہ کسی مفتی کا خط اعلیٰ حضرتؒ کے خط کے مشابہ ہو اور اُس مفتی نے یہ فتویٰ لکھ کر اعلیٰ حضرتؒ کی طرف منسوب کر دیا ہو۔

قارئین! غور فرمایئے کہ ایک اعلیٰ حضرتؒ قدس سرہ العزیز کی ذاتِ مقدسہ ہے، جو غیر متنازعہ ہے دوسرا فتاویٰ مہریہ ہے جو آپؒ کی ذات کے برابر نہیں۔ یہ فتاویٰ آپ کے وصال کے کئی سال بعد مفتیوں نے جمع کیا، اِس میں تغیرّ و تبدّل ہو سکتا ہے، جس کے احتمال کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ اِس فتاویٰ کی صداقت کا معیار یہ ہے کہ جو فتویٰ کتاب و سُنّت اور مستند کُتبِ احناف کے موافق ہے، وہ تسلیم کیا جائے گا کہ یہ اعلیٰ حضرتؒ کی تحریر ہے اور جو فتویٰ کتاب و سُنّت اور مستند کُتبِ احناف کے خلاف ہے، وہ تسلیم نہیں کیا جائے گا کہ یہ اعلیٰ حضرتؒ کی تحریر ہے، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ کسی مفتی کی خطا یا عمداً عیّاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بندہ تمام اعتراضات فتاویٰ مہریہ کی طرف منسوب کرتا ہے، نہ کہ اعلیٰ حضرتؒ اور آپ کے فتاویٰ کی طرف۔ اِس مضمون سے کسی صاحب کا رد مقصود نہیں، بلکہ حقیقی مقصد احقاقِ حق، اظہارِ حق اور اپنے پیر و مرشد قدس سرہٗ پر لگائے گئے افتراء و بہتان کو دفع کرنا ہے تو

یہ العیاذ باللہ اعلیٰ حضرتؒ کی گستاخی نہیں، بلکہ آپ کی عزت و ناموس کا اندفاع ہے بندہ کو معلوم ہوا ہے کہ بعض اکابر نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر مولوی عطاء محمدؒ دلائل کی بنا پر اعلیٰ حضرتؒ کے فتوای سے اختلاف کرتا، تو ہمیں رنج نہ ہوتا، لیکن اُس نے مفتیوں پر جو الزام لگائے اور اُن کے متعلق سخت الفاظ استعمال کئے ہیں، ہمیں اِس سے رنج ہوا ہے، تو بندہ نہایت عجز و انکسار سے مؤدبانہ اپنی صفائی پیش کرتا ہے۔ ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف، ورنہ جو سزا تجویز کی جائے بندہ تیار ہے۔ اعتراض کے جواب سے قبل ایک مثال پیش کی جاتی ہے تاکہ جواب سمجھنے میں آسانی ہو۔ قرآنِ پاک میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہے۔ داؤد علیہ السلام کا ذکر ان الفاظ میں ہے وظنّ داؤدُ انّما فتنّاہ فاستغفر ربّہٗ ۔ الآیہ معنی یہ ہے کہ حضرت داؤد سمجھے کہ ہم نے یہ اُن کی جانچ کی تھی، تو اپنے رب سے معافی مانگی۔ تفاسیر میں اِس آیت کے متعلق ہے کہ داؤد علیہ السلام نے جو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی تو اُن سے کونسا جرم صادر ہوا تو ایک قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک ایسی عورت پر عاشق ہو گئے، جو ایک اور مسلمان کی منکوحہ تھی تو داؤد علیہ السلام نے اُس عورت کے شوہر کو کسی حیلہ سے قتل کرایا اور پھر اُس عورت سے نکاح کر لیا۔ اِس قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کے نبی کی طرف قبیح ارتکاب منسوب کیا گیا۔ اِس طرح حضرت سلیمانؑ کا ذکر قرآن پاک میں ان الفاظ کے ساتھ ہے: اذ عُرِضَ علیہ بالعشیّ الصّافنات الجیاد: یعنی پچھلے پہر سلیمان علیہ السلام پر گھوڑے پیش کیے گئے، اِس کے بعد یہ الفاظ ہیں: حتّٰی توارت بالحجاب، بعض مفسّرین نے اِس کا یہ معنیٰ کیا کہ سورج غروب ہو گیا اور سلیمانؑ پر عصر کی نماز فرض تھی اور گھوڑوں کا سلیمان علیہ السلام منظر دیکھتے رہے اور عصر کی نماز قضا ہو گئی، تو یہ بات بھی قبیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی گھوڑوں کا تماشہ دیکھتا رہے اور فرض نماز قضا ہو جائے۔ اب اگر مذکورہ بالا دو آیات کی تفسیر کو جو مفسّرین نے کی ہے، صحیح تسلیم کیا جائے تو اللہ تعالےٰ

کے نبیوں کی طرف تقبیح از تکابات کی نسبت کرنے سے یہ بہتر ہے کہ جن راویوں نے یہ تفسیر کی ہے، اُن کے متعلق کہا جائے کہ اُنھوں نے غلط بیانی کی ہے اور راوی ثقہ اور مُعتمد نہیں ہیں۔ اِس مثال کے بعد بندہ عرض کرتا ہے کہ فتاوٰی مہریہ میں جس عربی عبارت سے استدلال کیا گیا ہے، وہ استدلال بالمردود اور بے حد ضعیف ہے، اس پر کئی اعتراضات کیے جا چکے ہیں، پس اِس استدلال بالمردود اور ضعیف کی نسبت اعلیٰ حضرت گولڑوی کی طرف کرنا آپ کی شان کے خلاف ہے۔ لہٰذا بندہ کہتا ہے کہ فتاوٰی مہریہ کا یہ فتویٰ اعلیٰ حضرتؒ کی تحریر نہیں، بلکہ یہ بعد کے کسی مفتی کا عمداً یا سہواً کارنامہ ہے۔ بندہ قبل ازیں ذکر کر چکا ہے کہ اعلیٰ حضرتؒ کی ذات اور فتاوٰی مہریہ کے درمیان عظیم فرق ہے، اِس لیے بندہ تمام اعتراضات فتاوٰی مہریہ کی طرف منسوب کرتا ہے، نہ کہ اعلیٰ حضرتؒ کی طرف، جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام اعتراضات مفتیوں پر ہیں، نہ کہ اعلیٰ حضرتؒ پر۔ بندہ پر ایک اور اعتراض بھی ہے کہ مولوی عطا محمد نے مفتی صاحبان کے متعلق ذرا سخت الفاظ استعمال کیے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ علماء کا پُرانا طریقہ ہے کہ مباحثِ علمیہ میں ایک دوسرے پر جب ردّ و قدح کرتے ہیں، تو سخت اور تلخ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اِس کی ایک مثال حاضر ہے۔ عالمِ اسلام میں دو بڑے عالم فاضل علّامہ گزرے ہیں۔ ایک میر سیّد شریف اور دوسرے علّامہ تفتازانی رحمہما اللہ تعالیٰ اِن دونوں کا ایک زمانہ ہے۔ دونوں تیمور لنگ کے مصاحب تھے اِن کی تصنیفات آجکل درسِ نظامی میں شاملِ نصاب ہیں اور ان ہر دو کا کلام حُجّت تصور کیا جاتا ہے۔ میر سیّد کی مندرجہ ذیل تخلیقات درسِ نظامی میں داخل ہیں۔ نحو میر، میر ایساغوجی، میر قطبی، شرح مواقف، اور علّامہ تفتازانی کی جو کتابیں درسِ نظامی میں داخل ہیں: مختصر معانی، مُطوّل، تلویح، شرح توضیح، شرح عقائد نسفی۔ کتاب قطبی کا مصنّف قطب الدین رازی میر سیّد شریف کا اُستاد ہے اور علّامہ تفتازانی نے قطبی پر اعتراض کیے ہیں اور میر سیّد شریف نے اُستاد کی طرف سے میر قُطبی میں علّامہ تفتازانی کو جواب دیے ہیں اور علّامہ کے متعلق بڑے سخت

الفاظ استعمال کیے ہیں، لیکن علامہ تفتازانی کا نام نہیں لیا، صرف اشارہ کیا ہے۔ فاضل لاہوری[1] مولانا عبدالحکیمؒ نے اپنے حاشیہ میں ذکر کیا کہ یہ اشارہ علامہ تفتازانی کی طرف ہے، لیکن میر سید پر کوئی اعتراض نہیں کیا کہ میر سید نے اتنے بڑے عالم پر سخت الفاظ میں اعتراض کیا ہے اور وہ نامناسب ہے۔ اب میر سید کے سخت الفاظ ملاحظہ ہوں: وامثال ھٰذہ الاسولۃ تخییلات یتعظم بھا عند العامۃ ویفتضح بھا عند الخاصۃ نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ علامہ تفتازانی نے قطبی والے پر اعتراض کیے ہیں، یہ محض تخیلات ہیں، عام لوگ تو معترض کو بڑا سمجھیں گے کہ اس معترض نے علامہ قطب الدین پر اعتراض کیے ہیں، لہٰذا یہ بڑا علامہ ہے، لیکن خواص کے نزدیک یہ معترض رسوا ہوگا۔ اب عبارتِ مذکورہ بالا میں میر سید نے علامہ تفتازانی کا سخت الفاظ میں رد کیا ہے۔ لہٰذا اگر میرے کلام میں ایسے مفتیوں کے متعلق تلخ الفاظ استعمال ہوئے ہیں، تو اسے اقتدائے علمائے سلف سمجھا جائے نہ کہ ایک فعلِ شنیع۔

اسناد اور سند کی اہمیت

بندہ نے اسناد اور سند کی اہمیت کا ذکر کیا تھا اور عرض کیا تھا کہ ننانوے فیصد مفتیوں کے پاس فقہ کی سند نہیں اور پنجابی محاورہ میں بے سند آدمی کو بے سنتا کہا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ننانوے فیصد مفتی بے سنتے ہیں، بے سنتا اُسی کو کہا جاتا ہے جس میں نہ ادب ہو اور نہ تہذیب و شائستگی اور اس کا مظاہرہ گزشتہ عُرس پر ہوا۔ اسناد کی اہمیت حضرت عبداللہ بن مبارک اور حضرت سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ کے کلام سے ثابت کی گئی۔ جو تقریباً امام ابو حنیفہؒ کے ہم عصر اور بڑے محدث ہیں، اِن کا مرتبہ امام بخاریؒ سے برتر ہے اور یہ ہر دو[2] مصنفینِ صحاحِ ستہ کے اُستاد ہیں۔ اِن کے کلام کا خُلاصہ یہ ہے کہ اسناد دینِ اسلام

---

[1] مراد حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ ہیں۔ آپ سیالکوٹ میں مدفون ہیں۔ ۱۲ منہ

کا حصہ ہے اور اِن کے بغیر کوئی آدمی اُمورِ دینیہ اسلامیہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جیسے سیڑھی کے بغیر مکان کی چھت تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ جس مفتی کے پاس علومِ دینیہ شرعیہ کی سند نہیں ہے، اُس کا دین ناقص ہے اور اسناد و سند کے ساتھ استہزاء کرنے والے مفتی گویا دین و شریعت کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں۔ اِن کا حکم انشاءاللہ آئندہ سطور میں آئے گا۔ اِن بے سند مفتیوں کے لیے مناسب تو یہ تھا کہ اپنی کمزوری اور نقصانِ دین کا اعتراف کرتے، جیسا کہ صالحین کا طریقہ ہے، لیکن اِنہوں نے خیال کیا کہ اِس اعتراف میں ہماری ہتک ہے، اِس لیے اِنہوں نے اسناد اور سند کے ساتھ استہزاء کرنا شروع کر دیا، چنانچہ ایک نام نہاد مفتی اور خطیب نے گولڑہ شریف کے عُرسِ مُبارک کی پاکیزہ مجلس میں اسناد و سند کا تمسخر اُڑاتے ہُوئے کہا کہ اسناد اور سند مولویوں نے بنا رکھی ہے اور وہ اِس کو اہمیت دیتے ہیں، ہم لوگ تو صوفیوں کے مسلک پر ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ صوفیوں کے نزدیک اسناد اور سند کی کوئی اہمیت نہیں! یہ کہہ کر اُس مفتی نے صُوفیوں کی بھی ہتک کی ہے، اِس لیے کہ جس مفتی یا صُوفی کے پاس اسناد اور سند نہیں ہے وہ غدّار اور غادر ہے، جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے۔ قولہٗ علیہ السّلام: لِکلّ غادر لواء یوم القیامۃ علیٰ استہٖ۔ او کما قال علیہ الصّلوٰۃ والسّلام۔ یہ مفتی اتنا کم علم ہے کہ اِسے اسناد و سند کا علم تک نہیں۔ غور فرمایئے کہ سلاسل اربعہ کے متوسلین ہر روز اپنے مسلک کا سلسلہ پڑھتے ہیں، اور خود سے لے کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تک تمام مشائخ کے نام ذکر کرتے ہیں، یہی صُوفیاء کا اسناد اور سند ہے، جو صُوفی اِس سلسلہ میں داخل نہیں وہ غادر ہے۔ حدیث شریف اور فقہ شریف کا اسناد اور سند یہی ہے کہ اپنے سے لے کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تک تمام مشائخ اور اساتذہ محفوظ ہوں، اِس کے بغیر غدّار ہے۔

شریعتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا السّلام، علماء اور مشائخ کے ساتھ مُفتی کا استہزاء

مسخرے مفتی نے اسناد اور سند کے ساتھ جو استہزاء کیا ہے، یہ دین اور شریعت صُوفیا

اور عُلما یعنی عبداللہ بن مبارک اور حضرت سفیان ثوری رحمہما اللہ کے ساتھ استہزاء ہے اور سیدنا حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز کی بھی سندات ہیں، جو آپ نے اپنے اساتذہ سے حاصل کی ہیں، جن کے عکس مہرِ مُنیر میں بھی موجود ہیں۔ اِس طرح اِس ناہنجار اور بدبخت مفتی نے حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز اور آپ کی سندات کے ساتھ بھی استہزاء کیا۔ قارئین! اب انصاف کیجئے کہ جو مفتی اپنے پیر و مُرشد کا تمسخر اُڑائے، کیا اُسے یہ کہنے کا حق ہے کہ فلاں میرا پیر و مرشد ہے؟ قبل ازیں ذکر کیا گیا کہ جو آدمی کسی کمال سے محروم ہو، جیسا کہ آجکل کے اکثر نام نہاد اور برائے نام مفتی اسناد اور سند کے کمال سے محروم ہیں، تو یہ اپنی محرومی کو چُھپانے کے لیے اِس کمال کی مذمّت کرتے ہیں اور اسناد و سند کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اِس کی مثال قرآنِ پاک میں ہے جس کو مفسّرین نے بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ قرآنِ پاک کی سُورہ یُوسف میں تفصیل سے مذکور ہے۔ کہ شاہِ مصر کو خواب آیا کہ سات موٹی گائیں اور سات دُبلی گائیں اور سات خشک خوشے ہیں۔ اُس نے اپنے تنخواہ دار نجومیوں سے اِس خواب کی تعبیر پُوچھی تو نجومی چونکہ اس سچّی خواب کی تعبیر سے جاہل تھے، اگر وہ شاہِ مصر کو یہ کہتے کہ اِس خواب کی تعبیر سے ہم جاہل ہیں، تو بادشاہ ناراض ہوتا اور اُن کی ملازمتیں جاتی رہتیں۔ اِس لیے اُنھوں نے اپنی جہالت چُھپانے کے لیے خواب کی مذمّت کی اور کہا: اَضغاثُ احلامٍ کہ یہ خواب بُخارِ گندم ہے اور خیالِ محض ہے۔ ہم تو اصلی اور سچّی خوابوں کی تعبیر جانتے ہیں، نہ کہ محض خواب و خیال کی۔ علّامہ سیّد سلیمان جُمَل نے حاشیہ جلالین میں اِس سوال پر کہ جب شاہِ مصر کی خواب بالکل سچّی تھی، تو نجُومیوں نے اُس کی مذمّت کیوں کی اور اُس کو اضغاث و اَحلام کیوں کہا۔ جواب یہ دیا کہ نجُومیوں نے اپنی جہالت چُھپانے کے لئے سچّی خواب کی مذمّت کی تھی۔

کسی کمال کی مذمّت اُس سے محرومی کی بیّن دلیل ہوتی ہے

یہ عام قاعدہ ہے کہ جو آدمی کسی علم و کمال سے محروم و جاہل ہوتا ہے تو وہ اپنی جہالت

پر پردہ ڈالنے کے لیے اُس علم وکمال کی مذمّت کرتا ہے۔ جیساکہ منطق ایک شریف علم ہے اور جو لوگ اِس شریف علم سے کورے ہوتے ہیں، وہ اپنی جہالت کو چھپانے کے لیے علمِ منطق کی مذمت اور اُس کے متعلق بُرے اور غلیظ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ منطق علمِ شریف اِس لیے ہے کہ اگر اِس میں مہارت نہیں تو وہ بندہ اپنے ایمان کو نہیں جانتا اور جس کو اپنے ایمان کا پتا نہیں وہ مومن نہیں۔ اِس کی دلیل یہ ہے کہ منطق میں تصوّر اور تصدیق سے بحث ہوتی ہے اور چونکہ ایمان تصدیق ہے، اِس لیے جب تک تصدیق کا پُورا پُورا علم نہ ہو تو ایمان سمجھ نہیں آسکتا اور تصدیق کی پُوری تحقیق علمِ منطق میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایمان کو سمجھنا تصدیق پر موقوف ہے اور تصدیق کا سمجھنا علمِ منطق پر منحصر ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ ایمان کا سمجھنا علمِ منطق پر موقوف ہے، جو مفتی علمِ منطق سے جاہل ہے وہ اپنے ایمان سے بھی جاہل ہے۔ صرف زبانی کلامی خود کو مومن کہتا ہے، اِس کی حقیقت سے ناواقف ہے۔ جیسے طوطا کہتا ہے: میاں مٹھو چُوری کھا، لیکن وہ اِس کے معنٰی سے واقف نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں فرمایا کہ ایمان وہ تصدیق ہے، جو علمِ منطق میں تصوّر کے مقابل آتی ہے کہ علم دو قسم ہے تصوّر اور تصدیق اور تصدیق موقوف ہے تصوّر پہ تو اب خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایمان کا سمجھنا تصدیق پہ موقوف ہے اور تصدیق تصوّر پہ، تو ایمان کا سمجھنا تصدیق اور تصوّر ہر دو پہ موقوف ہے اور اِن ہر دو یعنی تصوّر اور تصدیق کی بحث علمِ منطق پہ موقوف ہے، تو پھر ثابت ہوا کہ ایمان کی سمجھ علمِ منطق پہ موقوف ہے اب علُومِ شرعیہ سے ناواقف، نابلد اور کورے یہاں ایک جاہلانہ اعتراض کرتے ہیں کہ تم نے کہا کہ ایمان کا سمجھنا علمِ منطق پہ موقوف ہے، حالانکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے علمِ منطق نہیں پڑھا تھا، تو لازم آیا کہ وہ بھی اپنے ایمان کو نہیں جانتے تھے اور یہ کہنا بڑی گستاخی ہے۔ اِس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ علمِ حکمت میں نفس کی دو قسم ہیں۔ اوّل: صاحبِ قوّتِ قدسیہ اور واجدِ قوّتِ قدسیہ، دوم: فاقدِ قوّتِ قدسیہ یعنی جس کو قوّتِ قدسیہ حاصل نہیں۔ قسمِ اوّل کو علمِ منطق اور دوسرے علوم پڑھنے کی ضرورت

نہیں ہوتی اِس لئے کہ بغیر پڑھے منطقی مسائل جن پر ایمان اور تصدیق موقوف ہے، اُن کے سینہ پر منقّش ہو جاتے ہیں۔ قسمِ دوم۔ یعنی فاقدِ قوّتِ قدسیّہ کو پڑھنے کی ضرورت ہے، اِسی لئے کُتبِ منطق میں تصریح ہے کہ صاحبِ قوّتِ قدسیّہ کو تمام نظری مسائل بدیہی طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم صاحبِ قوّتِ قدسیّہ تھے اِس لئے اُن کو علمِ منطق وغیرہ پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی، بغیر پڑھے یہ مسائل منطقیہ اُن کے ذہنوں پر منقّش تھے اور اُنہیں اپنے ایمان اور تصدیق کا پُورا پُورا علم تھا۔ چونکہ ہم لوگ فاقدِ قوّتِ قُدسیّہ ہیں لہٰذا ہمیں اپنا ایمان اور تصدیق سمجھنے کے لیے علمِ منطق حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

؏ شرم "اُس کو" مگر نہیں آتی

یہاں اِس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے، وہ یہ کہ ہم عجمی لوگ عربی بولنے اور عربی لکھنے پڑھنے میں علمِ نحو پڑھنے کے محتاج ہیں۔ ہمارا عربی بولنا، لکھنا پڑھنا علمِ نحو پڑھنے پر موقوف ہے۔ بخلاف صحابہ کرام کے کہ چونکہ عربی زبان اُن کی مادری زبان تھی، اِس لئے وہ بغیر علمِ نحو پڑھے سلیقۂ طبع سے صحیح عربی بولتے، لکھتے اور پڑھتے تھے، یہی حال علمِ منطق کا ہے ایمان اور تصدیق سمجھنے کے لئے علمِ منطق پڑھنے کے ہم لوگ محتاج ہیں، نہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اس وضاحت کے بعد زیرِ بحث موضوع کی طرف آتا ہوں۔

اعلیٰ حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ قدّس سرّہٗ العزیز کے ملفوظات میں ہے کہ یہ مولوی لوگ بھی عجیب قسم کے ہیں کہ عالم کو عُویلم یعنی تصغیر کہنے والے اور عالم کی جُوتی کو جُتڑی کہنے والے کو تو کافر کہتے ہیں، لیکن اہلِ بیتؓ کی ہتک اور بے ادبی کرنے والے پر فتویٰ نہیں لگاتے، بلکہ جواز کا قول کرتے ہیں۔ اوکما قال رحمہ اللہ تعالیٰ اِس عبارت کا واضح مطلب یہ ہے کہ عالم کی تحقیر پر مولوی لوگ جو کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے، تو عالم کی تحقیر کرنے والا اعلیٰ حضرتؒ کے نزدیک کافر ہے اور مفتیٔ مذکور نے اسناد اور سند کے ساتھ

استہزاء کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے کہ اسناد اور سند کی اہمیت مولویوں نے بنا رکھی ہے، صوفیا کے نزدیک اِس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اِس طرح اُس نے استہزاء کیئے۔ اوّل اسناد اور سند کے ساتھ، دوم اُن مولویوں کے ساتھ جنہوں نے اسناد اور سند کو اہمیت دی۔ اور وہ مولوی عبداللہ بن مُبارک اور مولوی سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ ہیں، جو نہ صرف معروف عالِم دین ہی تھے، بلکہ بہت بڑے محدّث اور فقیہ بھی تھے۔ مُفتی نے ہر دو کے ساتھ بھی استہزاء کیا اور ان کی توہین کی۔ اِس نام نہاد مُفتی نے اگرچہ مجھے حقیر ثابت کرنے کے لیئے لفظِ مولوی کے ساتھ مذاق کیا، لیکن حقیقت میں اُس نے اپنے شیخ حضرت پیر مہر علی شاہ قدّس سرّہٗ العزیز کی بھی توہین اور گستاخی کا ارتکاب کیا۔ اگر اُسے اپنے شیخ کی تصانیف کے مطالعہ کی اہلیّت حاصل نہیں تو کم از کم آپؒ کی سوانح حیات مہرِ مُنیر ہی کا مطالعہ کر لیتا، وہ تو سند اور اسناد کا منکر ہے اور مولویوں کو حقیر جانتا ہے، مگر اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ مولوی ہونا ایک ایسا اعزاز ہے جسے بڑے بڑے عُلماء اور مشائخ نے حاصل کرنے میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں، جب میرے پیر و مُرشد حضرت اعلیٰ گولڑوی قدّس سرّہٗ کُتبِ متداولہ مکمّل کر چکے تو آپؒ کے اُستاد حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے آپ کی سند میں دانا اجیز للمولوی مہر شاہ کے الفاظ لکھے، اِسی طرح آپ کے دوسرے اُستاد حضرت مولانا محمد لطف اللہ صاحب علی گڑھیؒ نے لمولوی سید محمد مہر علی شاہ کے الفاظ تحریر کیئے۔ اِن ہر دو سندوں کا عکس مہرِ مُنیر میں موجود[1] ہے۔ یہ لفظ اگر اِتنا ہی حقیر ہے تو حضرت اعلیٰ گولڑوی قدّس سرّہٗ نے اپنی تصنیف اعلاء کلمۃ اللہ کی وجوہاتِ تالیف کے ضمن میں اپنے اُستادِ گرامی حضرت مولانا محمد شفیعؒ کے لیئے کئی القاب لکھنے کے بعد اُن کے نام سے پہلے صرف مولوی محمد شفیع کیوں تحریر فرمایا؛ آخر آپؒ اُن کے لیئے مولانا کا لفظ بھی تو لکھ سکتے تھے۔ مگر آپؒ نے صرف مولوی لکھنے پر ہی اکتفا کیا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ آپؒ کے نزدیک لفظِ مولوی، مولانا کے لفظ سے کچھ کم نہ تھا۔

---

[1] عکس کے لیئے ملاحظہ ہو، مہرِ مُنیر ص ۸۰ طبع ششم، ۱۹۹۱ء

اس کے علاوہ مولانا جامیؒ کی طرف منسوب یہ شعر جو انہوں نے مولانا جلال الدین رومیؒ کی تعریف میں کہا تھا، اِس میں بھی مولانا رومیؒ پر لفظِ مولوی کا اطلاق کیا گیا۔ شعر یہ ہے ؎

مثنویِّ مولویِّ معنوی ہست قرآں در زبانِ پہلوی

علاوہ ازیں ؏ مولوی ہرگز نشد مولائے رُوم کا مصرعہ مشہور ہے جس میں مولانا رومیؒ کو صرف مولوی کہا گیا۔ لفظِ مولوی کی اہمیت و عظمت کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ خود مولانا رومیؒ کا تخلص مولوی تھا اور آج بھی ایران اور ترکی میں آپ کو لفظِ مولوی سے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قونیہ شریف میں آپ کے مزار پر آج تک جو رقص کیا جاتا ہے، وہ بھی رقصِ مولوی سے موسوم ہے۔ علاوہ ازیں آپؒ سے منسوب سلسلہ طریقت کو طریقۂ مولویہ یا سلسلۂ مولویہ کہا جاتا ہے، جس کا ذکر تصوّف اور تاریخ کی متعدّد کتابوں میں موجود ہے۔ ثابت یہ کرنا تھا کہ لفظِ مولوی کو جس قدر مفتیٔ ماجن نے گھٹیا اور حقیر سمجھ لیا ہے، وہ ایسا نہیں، بلکہ معاملہ اِس کے برعکس ہے مفتی پر یہ بھی واضح ہو کہ ہمارے عُرف میں لفظِ مولٰنا کا استعمال اعزازاً اور مجازاً ہے، ورنہ اِس لفظ کی حقیقی مستحق صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اس پہ دلیل وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا کی آیۂ مبارکہ ہے۔ سوم۔ چونکہ اسناد دین کا حصّہ ہے، اس لیے اسناد کے ساتھ استہزاء دین و شریعت کے ساتھ استہزاء ہوگا۔ چہارم۔ صُوفیاء کے ساتھ استہزاء اور توہین کہ ان کے نزدیک اسناد اور سند کی کوئی اہمیّت ہی نہیں۔ حالانکہ بے سند صُوفی غادر ہے۔ پنجم: سیّدنا پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسناد اور سند کی اہمیّت ہے، اسی لیے آپؒ نے مختلف اساتذہ سے اسانید حاصل کیں، جیسا کہ اُوپر تفصیلاً ذکر کیا گیا۔ لہٰذا اِس برائے نام مُفتی نے اپنے پیر و مُرشد اور انکی اسناد کے ساتھ بھی استہزاء کیا، اِس کے باوجُود وہ بڑا مخلص مُرید ہونے کا دعوٰی کرتا پھرتا ہے ؏ شرم اُس کو مگر نہیں آتی۔ ششم: یہ بدنہاد میری تحقیر کرتے کرتے مذکورہ اکابرِامّت سمیت اپنے مرحُوم باپ پر بھی چار حرف بھیج گیا، کیونکہ عہدۂ مولویّت صرف مجھ ہی سے مختص نہیں بلکہ اسکا دائرہ اطلاق چودہ سو سال پر محیط ہے، جس میں اس ناخلف کے والدِ مرحوم بھی داخل ہیں کیونکہ

وہ بھی یا تو کم از کم صرف مولوی یا پھر زیادہ سے زیادہ مولنا ہی تھے۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ اسکی زد میں کون کون لوگ آ گئے۔

یہاں تک تو حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز کی عبارت سے استہزاء کنندہ کے حکم کا بیان تھا۔ اب اس حکم پر اور دلیل ملاحظہ ہو عقائدِ نسفی میں ہے والاستھزاء بالشریعۃ کفر: یعنی شریعت اور اسکے کسی مسئلہ کیساتھ استہزاء کفر ہے اور اسنادِ دین کا حصہ ہے اور دین اور شریعت کا مصداق ایک ہے جُزء کے ساتھ استہزاء کُل کے ساتھ استہزاء ہوتا ہے علامہ تفتازانی نے شرح عقائدِ نسفی میں اس پر دلیل دی ہے کہ شریعت کے ساتھ استہزاء کیوں کفر ہے۔ فرمایا: لِاَنّ ذٰلکَ من امارات التکذیب۔ یعنی شریعت کیساتھ استہزاء اس امر کی علامت ہے کہ اس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے اور مُفتی مذکور عبارتِ مذکورہ کا پُورا پُورا مصداق ہے۔

منطق سے نابلد مفتی جواب تو دے (ایک چیلنج)

یہاں کتاب و سنت کے متعلق تین سوال کئے جا رہے ہیں جن کا جواب صرف اور صرف منطق اور معقولات سے دیا جا سکتا ہے۔ اِن سوالات کا جواب یا تو اِس ناچیز کے پاس ہے، یا اُن لوگوں کے پاس جن کا مجھ سے رابطہ تلمذ رہا ہے، یا جنہوں نے مجھ سے یا میرے تلامذہ سے سُنا ہے۔ اِس کے علاوہ کسی کے پاس نہیں۔ سوالِ اوّل: قرآنِ پاک میں ارشاد ہوا: كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ۔ الآیہ۔ اِس آیۂ مبارکہ میں دو موتوں کا اور دو حیاتوں کا ذکر ہے۔ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا میں پہلی موت کا ذکر ہے۔ فَاَحْيَاكُمْ میں پہلی حیات کا ذکر ہے اور فعل میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ میں دوسری موت کا ذکر ہے اور ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ میں دوسری حیات کا ذکر ہے اور ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے خلاصہ یہ کہ ہر دو حیاتوں میں مُحیی کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو زندہ کیا، یا زندہ کرے گا، لیکن دو موتوں میں دوسری موت میں مُمیت کا ذکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمکو موت دے گا۔ لیکن پہلی موت میں مُمیت کا ذکر نہیں کہ تمہیں کس نے موت دی؛ بلکہ صرف یہ فرمایا کہ تم مُردہ تھے۔ خلاصہ یہ کہ دونوں حیاتوں میں مُحیی کا ذکر ہے، لیکن دو موتوں میں صرف دوسری میں مُمیت ذکر کیا گیا، نہ کہ موتِ اوّل میں، ایسا کیوں

ہے ؟ اِس کا جواب دیں اور اس کا جواب صرف علمِ منطق کا ماہر ہی دے سکتا ہے۔ سوالِ دوم:
قولہٗ علیہ السّلام: ماشاء اللّٰہ کانَ وَمَا لم یشاء لم یکن۔ اِس حدیث میں
ایک لفظ کَانَ ہے، جس کا معنٰی موجود ہے اور دوسرا لفظ لم یکن ہے، جس کا معنٰی
عدم ہے اور یہ واضح ہے کہ وجود و عدم دونوں مشیّتِ الٰہی کے تابع ہیں، لیکن وجود کے
ساتھ تو مشیّت کا ذکر ہے ماشاء اللّٰہ کان جب کہ عدم کے ساتھ مشیّت کا ذکر نہیں
بلکہ عدمِ مشیّت کا ذکر ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ عبارت اِس طرح ہوتی مَاشاء اللّٰہ کانَ
و ماشاء اللّٰہ لم یکن۔ اِس سوال کا جواب بھی کوئی ماہر منطقی ہی دے سکتا ہے۔ سوالِ
سوم: قرآنِ پاک میں ہے: وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا
بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ تفسیرِ کشّاف اور بیضاوی شریف میں مِن مِّثلہٖ کی دو ترکیب ذکر
کی گئی ہیں۔ ترکیبِ اول: مِن مِّثلہٖ سُورہ کی صفت ہے اور جار ہ کا متعلّق محذوف
ہے۔ معنٰی یہ ہوگا۔ سُورۃ جو ہونے والی ہے اُس کی مثل سے۔ اِس ترکیب میں مِثلہٖ
کی ضمیر میں دو احتمال ہیں؛ یہ ضمیر ما نزّلنا کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے اور عبد کی طرف
بھی۔ صُورتِ اوّل میں معنٰی یہ ہوگا مَانزّلنا یعنی قرآن کی مثل سے۔ دوسرے احتمال میں
معنٰی یہ ہوگا کہ عبد کی مثل سے۔ ترکیبِ دوم میں مِن مِّثلہٖ متعلق ہے فَأْتُوا کے۔ اب
معنٰی یہ ہوگا کہ لاؤ تم اِس کی مثل سے۔ اِس ترکیب میں مِثلہٖ کی ضمیر مَانزّلنا کی طرف کیوں
راجع نہیں ہوسکتی، دوسری ترکیب میں ضمیر مَانزّلنا کی طرف راجع ہو تو اگر کوئی خرابی لازم
آتی ہے تو پہلی ترکیب میں ضمیر مَانزّلنا کی طرف راجع کریں تو وہ خرابی کیوں لازم نہیں
آتی۔ اب بندہ مفتی ماجن کو چیلنج کرتا ہے کہ ان سوالات کا جواب دے۔

آخری سوال کے جواب میں کتاب حمد اللّٰہ کو شدید دخل ہے اور جو نام نہاد مفتی
یا مدرّس حمد اللّٰہ سے جاہل ہے، اُسے اگر جواب بتا یا بھی جائے تو وہ نہیں سمجھ سکتا، جیسے
کہ اِس بلید الطبع مفتی کی ذہنی حالت ہے۔ حمد اللّٰہ میں دو اصطلاحات ہیں جن کو سوالِ ثالث

کے جواب میں دخل ہے، وہ اصطلاحات یہ ہیں رفع المقید اور الرّفع المقیّد: نام نہاد مفتی دوبارہ جنم لے کر بھی نہیں بتاسکتا کہ رفع المقید کس صورت میں ہے اور الرّفع المقیّد کس صورت میں۔ بندہ نے تو صرف یہ کہا تھا کہ مصروفیت کی بنا پر یہ فقیر حضرت اعلیٰ علیہ الرحمۃ کی عبارت نہیں پڑھ سکا۔ مطالعہ کر کے پورے غور و فکر کے بعد کوئی رائے قائم کر سکوں گا کہ حضرت اعلیٰ گولڑوی کی عبارت کا کیا مطلب ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مولوی سے پوچھتا ہے کہ فلاں آیت یا فلاں حدیث کا کیا مطلب ہے تو مولوی جواباً کہتا ہے کہ میں آیت یا حدیث پر غور کر کے بتاؤں گا، تو یہ کوئی جرم نہیں۔ بلکہ اعترافِ عجز ہے۔ میرے غور و فکر کا ذکر کرتے ہوئے اس بے لگام مفتی نے کہا کہ کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربا یہ محاورہ کتنا بے محل بولا گیا۔ اعترافِ عجز کی صورت میں اس کا استعمال نری جہالت ہے۔ البتہ اگر میں یہ کہتا کہ حضرت صاحبؒ کا فتویٰ یا عبارت غلط ہے تو پھر یہ محاورہ مناسب ہوتا۔ بندہ پہلے بھی کہتا رہا اور اب بھی کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرتؒ کی عبارت بالکل درست ہے۔ قرآنِ پاک میں ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا۔

یعنی مومن کی یہ شان ہے کہ جب اُسے اللہ تعالیٰ کی آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ اُن پہ اندھا بہرہ ہو کر نہیں گر پڑتا، بلکہ اُن پر پورا پورا غور کرتا ہے۔ قارئین! اللہ تعالیٰ تو اپنی آیات کے متعلق یہ فرماتا ہے کہ ان میں غور کرو اور اندھے بہرے ہو کر ان پر نہ گرو، لیکن یہ نام نہاد ایمان فروش، کاسہ لیس اور بے ضمیر مفتی حضرت اعلیٰ گولڑویؒ کی صرف عبارت پر غور کرنے کو ممنوع قرار دیتے ہیں، گویا وہ حضرت صاحبؒ کی عبارت کو اللہ تعالیٰ کی آیات سے بھی بلند جانتے ہیں، اسی کو قرآن میں اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ[1] کہا گیا، اس نام نہاد مفتی کو ایمان فروش اور بے ضمیر اس لیے کہا گیا کہ مجھے مستند ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اس بدبخت نے یہ سب کچھ حصولِ قرب اور جلبِ منفعت کیلئے کیا۔ قارئین! غور فرمایئے کہ مسئلہ متنازعہ میں نہ میں نے جواز کا قول کیا اور نہ عدمِ جواز کا، پھر اس پالتو نے جو مجھے کاٹا تو یہ کس جرم کی سزا تھی۔ ایک بڑے مجمع میں مجھے بے عزت کیا۔

[1] ترجمہ آیت، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو (اپنا) رب بنا لینا۔ ۱۲ منہ

حدیث شریف میں ہے: کہ مومن پر لازم ہے کہ اپنی عزت کا دفاع کرے اور پھر حیرت ہے کہ اس یاوہ گو اور ہرزہ سرا کو کھلی چھٹی دی جاتی ہے کہ شرفا کی پگڑی اچھالے۔ یہ فقیر آدابِ مجلس کو ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے خاموش رہا اور اس آیت پر عمل کیا قولہ تعالیٰ: وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا یعنی مومن کی یہ شان ہے کہ جب وہ اپنے متعلق لغو باتیں سُنے تو سُنی اَن سُنی کر دے۔ اِس مفتی بے خرد نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ کہتا ہے کہ میری بیعت ہے۔ کوئی بیعت نہیں ہے۔ بندہ کہتا ہے کہ اِس ناہنجار اور ناخلف کو کس نے بیعت کا ٹھیکیدار بنایا ہے کہ وہ لوگوں کی بیعت کے فیصلے کرتا پھرے۔ یہاں مُفتی کے باپ کا ایک قصّہ پیشِ خدمت ہے اُس نے میرے محبُوبِ الٰہی حضرت بابوجی قدس سرّہٗ العزیز سے کئی بار عرض کیا کہ مجھے خلافت عطا کی جائے، لیکن جب حضورؒ نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو اُس نے حضرت متولّی صاحب اجمیری علیہ الرحمۃ سے سفارش کی درخواست کی چنانچہ حضرت متولّی صاحب نے بڑا مختصر مگر نہایت پُرمعنیٰ جواب دیتے ہوئے فرمایا: مولانا! خلافت دی جاتی ہے، لی نہیں جاتی۔ معلوم ہوا کہ اِن لوگوں کی بیعت حصُولِ خلافت کیلئے تھی تاکہ پیری مریدی چمکائیں چنانچہ مفتی کے باپ نے کسی اور جگہ سے خلافت حاصل کر لی۔ مگر اس فقیر نے بیعت خلافت کیلئے نہیں کی، بلکہ اس لیے کی تھی کہ حضرت سیدنا غوث اعظمؒ اور سیدنا غریب نوازؒ اجمیریؒ کے غلاموں میں داخل ہو جائے۔ ہمارے مشائخ کا یہ طریقہ ہے کہ اگر انہیں اپنا شیخ خلافت عطا فرمائے تو وہ لینے سے معذرت چاہتے ہیں اور انکار کر دیتے ہیں لیکن آجکل کے مُتصوّفین کا یہ حال ہے کہ خلافت حاصل کرنے کے لیے شیخ کی منّت سماجت کرتے ہیں اور شیخ کے پاس سفارشی لاتے ہیں، لیکن اِس کے باوجود ناکام و نامُراد رہتے ہیں۔

میری کردارکُشی کی وُجُوہات

بندہ نے جب غور کیا کہ جب آج تک مجھ سے کوئی جرم صادر نہیں ہوا تو پھر مجھے سزا کیوں دی جا رہی ہے تو غور و فکر کرنے سے معلوم ہوا کہ اِس کی دو تین وجوہات ہیں۔

اوّل: صفر کے عُرس پر یہ مُضلُّ المشائخ مُفتی میرے ڈیرے پر آیا تو میں نے کہا کہ اِس متنازعہ مسئلہ کے متعلق میں فی الحال خاموش ہوں، تا حال مسئلہ کی تحقیق نہیں کر سکا اِس لیئے میری طرف سے نہ نَعَم یعنی ہاں منسوب کرنا، نہ لا، یعنی نہ۔ باقی رہی حضرت اعلیٰ رحمہ اللہ کی عبارت تو اُس کا جو مطلب تم لوگ سمجھتے ہو، وہ بے شک بیان کرو، لیکن اُس مطلب میں مجھے ملوّث نہ کرو کہ وہ بھی ہم سے متفق ہے۔ میں تم سے اپیل کرتا ہوں کہ اِس مسئلہ کو اُچھال کر حضرت اعلیٰ قدس سرّہٗ العزیز کی اولاد میں فتنہ و فساد پیدا نہ کرو۔ لیکن اِس ذاتِ شریف نے سرِ عام حضرت اعلیٰ گولڑوی کے عُرس کی مجلس میں مسئلہ مذکور میں اِس فقیر کو ملوّث کیا اور یہ ظاہر کیا کہ یہ بھی اُس کی رائے سے متفق ہے۔ یہ بہت بڑی بد دیانتی، سفید جھُوٹ اور خالص افتراء تھا اور یہ افتراء میں نے بذریعہ عریضہ اپنے موجودہ حضرت مدّظلّہ العالی کی خدمت میں پیش کر دیا اور یہ مفتی اِس پر مطلع ہو گیا؛ اب دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ مفتی اِس افتراء کا جواب دیتا، لیکن چونکہ یہ افتراء حقیقت تھا اور اِس کا جواب مفتیٔ بے ضمیر کے پاس نہیں تھا اِس لیے اُس نے اِس کا بدلہ لینے کے لئے عرسِ غوثِ اعظمؓ میں سرِ عام میری مذمّت اور بے عزّتی کر دی۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ جس عریضہ میں بندہ نے اِس مفتیٔ رشوت خور کے افتراء کو ظاہر کیا تھا اُس میں بندہ نے ذکر کیا تھا کہ جس علم کی سند کسی عالم کے پاس نہیں ہے، اُس علم میں اُس عالم کو کلام اور بحث کرنے کا ہرگز حق نہیں ہے اور اِس میں اُس بے سند عالم کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس مفتی کے پاس فقہ کی سند نہیں ہے، اُس کو علمِ فقہ میں بحث کا حق نہیں ہے، اور فقہ کے متعلق اُس بے سند کا قول معتبر نہیں ہے اور سند یہ ہے کہ آج کے مُفتی سے لے کر امامِ اعظم رحمہ اللہ تک اور پھر امام سے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تک متصل طور پر تمام اساتذہ اور مشائخ اُس مفتی کے پاس محفوظ ہوں، جیسا کہ حدیث شریف کی سند کا حکم ہے۔ میں نے اپنے خط میں ذکر کیا تھا کہ حدیث شریف کی سند تو علماء اور مفتیوں کے پاس ہے، لیکن فقہ شریف کی سند سے ننانوے فیصد علماء اور مُفتی محروم ہیں۔ لہٰذا مسائلِ فقہ

میں نہ اُنہیں بحث کا کوئی حق ہے اور نہ اُن کے قول کا کوئی اعتبار، تو مُفتی نے حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عُرس پہ غیر سیّد کے ساتھ سیّدہ کے نکاح کے متعلق جو خطاب کیا، وہ سب کا سب لغو، باطل اور محض ضراط الابل ہے اور اِس کا پرکاہ کے برابر بھی اعتبار نہیں اِس لیے کہ اِس مُفتی کے پاس علمِ فقہ کی سند ہی نہیں۔ اگر ہوتی تو سند اور اسناد کا یوں مذاق نہ اڑاتا۔ بندہ دُور چلا گیا، بحث اِس میں ہو رہی تھی کہ میں نے جو خط اپنے موجودہ حضرت کو تحریر کیا تھا۔ اُس میں صرف یہ لکھا تھا کہ آجکل کے ننانوے[99] فی صد علماء اور مفتی علمِ فقہ کی اتّصالی سند سے محروم ہیں، مگر میں نے کسی مُفتی کا نام نہیں لیا تھا لیکن بمصداق چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔ چونکہ مفتیِ مذکور اور اِس کے اسلاف علمِ فقہ کی سند سے محروم تھے لہٰذا مفتی نے اپنی علمی بے بضاعتی اور نقصانِ دین کا اعتراف کرنے کے بجائے اِسے اپنی ہتک سمجھا اور اِس کا بدلہ لینے کے لئے بغیر جُرم کے مجلسِ عُرس میں بندہ کی مذمّت کی۔ وجہِ سوم یہ تھی کہ چونکہ بندہ نے مُفتیِ مذکور کے خیالِ باطل سے انکار کیا تو اُس کو کسی نے سمجھایا کہ تم سرِ عام اِس کی مذمّت کرو اور اِس مذمّت کے ذریعے اِس پر دباؤ ڈال تاکہ یہ تمہارے خیالِ باطل اور فاسد رائے سے اتّفاق کر لے، لیکن اِس ایمان فروش کاسہ لیس کو یہ معلوم نہیں کہ اِس فقیر کا ایمان بحمداللہ کوہِ ہمالیہ سے بھی زیادہ مضبوط ہے یہ کسی سے مرعُوب ہو کر حق سے نہیں پھر سکتا اور یہ حربے اِس پر اثر انداز نہیں ہو سکتے اور نہ آسمان و زمین اور ما بینھما اِس کی قیمت ہو سکتے ہیں۔ بندہ نے جو یہ عرض کیا ہے کہ مفتیِ مداہن علیہ ما علیہ نے کسی کے کہنے پر لتنے بڑے مجمع میں سرِ عام میری توہین اور بے عزّتی کی اور میرے لیے نہایت ہی سُوقیانہ الفاظ استعمال کئے۔ یہ بندہ نے فراستِ ایمانی سے معلوم کیا؛ پنجابی کا مشہور مقولہ ہے۔ "کُتّا کلّے کے زور پہ کُودتا ہے"، اگرچہ اُس دن یہ پالتو کُتّا بظاہر خوب کُودا، مگر ذی علم حضرات دیکھ رہے تھے کہ آج شریعت کی حبلُ المتین اِس کی گردن میں نہیں، بلکہ اب یہ میدانِ خطابت میں صرف ضراط الابل کی فوج لے کر اُترا ہوا ہے۔ اب اِس واعظِ خائن کی ایک اور بددیانتی کی بدترین مثال

پیش کی جاتی ہے۔ بندہ نے اُس وقت تک نکاح سیّدہ با غیر سیّد کے مسئلہ میں نہ جواز کا قول کیا تھا اور نہ عدمِ جواز کا۔ ممکن تھا کہ میری رائے جواز کی طرف جاتی اور ہو سکتا تھا کہ عدمِ جواز کی طرف جاتی، بہر حال موافقت اور عدمِ موافقت دونوں کا احتمال تھا، اِس لئے کہ اُس وقت تک بندہ نے حضرت اعلیٰ گولڑوی قدّس سرّہٗ کے اِس فتویٰ کا بغور مطالعہ ہی نہیں کیا تھا۔ تقریباتِ عُرس میں شمولیّت اور وقت کی قلّت کے سبب میرے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ آپؒ کے فتویٰ اور ملفوظ کے بارے میں کوئی حتمی رائے پیش کر سکتا۔ دوسری طرف شاہ غلام نصیر الدّین نصیر اطال اللہ بقائہٗ زید مجدہٗ و سلّمہ ربّہٗ ہیں کہ انہوں نے اِس سے تقریباً چار سال قبل کتاب نام و نسب تصنیف کی، جس میں موصوف نے اپنے جدّ امجد حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدّس سرّہٗ العزیز کے فتویٰ متعلقہ نکاحِ سیّدہ با غیر سیّد کا تجزیہ پیش کیا، اگر اُن کا تحریر کردہ تجزیہ اِس پر رائے نام مفتی کے نقطۂ نظر یا تحقیق کے خلاف تھا تو اِس پر لازم تھا کہ یاوہ گوئی سے کام لینے کے بجائے مہذّب و شائستہ اہلِ علم کی طرح نام و نسب میں پیش کردہ تجزیہ کا احناف کی مُستند و مُعتبر کُتبِ فقہ کے ناقابلِ تردید حوالہ جات اور دلائل کے ساتھ مُستحسن اور عالمانہ انداز میں ردّ پیش کرتا کہ فلاں امامِ مجتہد کے فلاں قول اور شرع شریف کی فلاں دلیل کی رُو سے ولیِ اقرب کی رضامندی کے باوجود بھی سیّدہ کا نکاح، غیر کفو میں سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا، یا احناف کی فلاں کتاب کے مطابق یا فلاں آیۂ قرآنی یا حدیثِ صحیح کی رُو سے سیّدہ کا نکاح ولیِ اقرب کی رضامندی کے باوجود بھی غیر کفو میں حرام یا ناجائز ہے، تو ایک بات بھی تھی۔ ظاہر ہے کہ اُمورِ شرعیّہ سے متعلق کسی مسئلہ کا جواب سنجیدہ اور مدلّل انداز میں دینا اہلِ علم کا وطیرہ چلا آیا ہے، خرافات اور بکواسات کی زبان میں صرف بازاری ذہن کے وہی لوگ جواب دیتے اور چیختے چلّاتے ہیں، جن کے پاس اُس مسئلہ کا صحیح اور ٹھوس جواب نہیں ہوتا، یا وہ تحقیقِ مسائل کی اہلیّت نہیں رکھتے اور صرف چیخ چلّا کر عوام النّاس کو مرعوب کرنے کی سعیٔ ناکام کرتے ہیں، چنانچہ اِس مفتیٔ بے لگام نے بھی یہی کیا۔ مگر اپنی علمی کم مائگی

کے سبب نام ونسب میں پیش کردہ تجزیہ کا تو کوئی ایسا فقیہانہ اور محققانہ رد پیش نہ کر سکا، جس سے اہلِ علم حاضرین متاثر ہوتے۔ البتہ کسی کے اشارے پر لاکھوں کے مجمع میں سرِ عام بندہ کی لگاتار بے عزتی کرتا رہا اور بغیر کسی جرم کے میری توہین کی۔ اگر اس میں علم کی کچھ رمق بھی ہوتی تو وہ چوہڑے چماروں کا لب ولہجہ اپنانے کے بجائے عالمانہ انداز میں کلام کرتا، جس سے علماء نام ونسب میں پیش کردہ تجزیہ کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم کر سکتے کہ وہ تجزیہ اس ننگِ سلف کے پیش کردہ دلائل کی روشنی میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ صحیح ہے یا غلط مگر اس بدنہاد نے انتہائی بددیانتی، کتمانِ حق اور مداہنت سے کام لیتے ہوئے مجھے موردِ لعن وطعن بنائے رکھا۔ اسے اپنی اس دریدہ دہنی پر بہت فخر ہوگا اور اس کے ہم خیال طبقہ نے بھی اسے بہت سراہا ہوگا، مگر ان سب کو غالباً یہ احساس آج تک نہیں ہو سکا کہ جس مقام پر کھڑے ہو کر اس نے یہ سب کچھ کیا یا کہتا ہے وہ محض کسی دنیادار کا دربار نہیں، بلکہ علمِ شریعت کے ایک عظیم ترین پاسدار، علم وعرفان کے ایک بحرِ ناپیدا کنار اور اللہ تعالیٰ کی ایک مقبول ومحبوب شخصیت کی بارگاہِ پاک ہے، جہاں اپنے بیگانے سب آتے ہیں۔ باشعور سامعین وناظرین کیا سوچتے ہوں گے کہ صوفیاء کے ان مقدس درباروں میں شریعت کے سنجیدہ موضوعات کے لئے ایسی ہی غلیظ اور بازاری زبان استعمال کی جاتی ہے اور کیا شرعی دلائل کی بنا پر اختلاف کرنے والوں کو اہلِ خانقاہ اسی طرح ذلیل کروایا کرتے ہیں؟ حضرت اعلیٰ گولڑوی چونکہ خود ایک بہت بڑے عالمِ دین تھے، اس لئے آپ نے اپنے معاصر معاندین کے ناشائستہ الفاظ کا جواب بھی اپنی شانِ علمی کے مطابق نہایت سنجیدہ اور مہذب انداز میں دیا۔ علماء کی ہمیشہ عزت افزائی فرمائی اور ایک بدتمیز سائل کو بھی اپنے اخلاقِ عالیہ کے حوالے سے سوال کرنے کا سلیقہ اور جواب کا طریقہ سکھایا۔ اگر یہ عمل کسی دنیادار کی اسٹیج پر کیا جاتا تو باعثِ تعجب نہ تھا، کیونکہ ایسے لوگ دینی حیثیت کے حامل نہیں ہوتے اور پھر مجھ جیسا فقیر ایسوں کو وہیں اٹھ کر ترکی بہ ترکی جواب دے سکنے کی جرأت

بھی رکھتا ہے۔ اس لئے کہ مَیں کسی بادشاہ یا امیر و وزیر کا کاسہ لیس اور خوشامدی مولوی نہیں ہوں کہ اُس کے اشارۂ ابُرو پہ حرام کو حلال، اور حلال کو حرام کہہ گزُروں۔ سارے مولوی اور مفتی بے ضمیر نہیں ہوتے کہ وہ شریعت مطہّرہ کے احکامات کو پسِ پُشت ڈال کر دولت مندوں سے اپنے اِس عمل کا صلہ وصُول کر کے اپنی عاقبت خراب کر لیں۔ بحمداللہ میں گدا ہُوں اپنے کریم کا مرادین پارۂ ناں نہیں۔ اِس مفتیِٔ بد کلام نے مجھے بھی اپنی ذاتِ شریف پر قیاس کرنے کی حماقت کی۔ میں اُس روز اگر مجلس میں خاموش بیٹھا رہا تو اِس کا واحد مقصد یہ تھا کہ میرے شیخ طریقت غوثِ زماں نوّر اللہ مرقدہٗ کے دربارِ گہُربار پہ منعقد اِس بابرکت رُوحانی محفل کا تقدّس مجروح نہ ہونے پائے۔ بقولِ کسے

سرِ نیاز کا کیا ہے رہا رہا نہ رہا   خُدا کرے کہ ترا آستانِ ناز رہے

خُدا گواہ ہے کہ صرف اِسی ایک خیال کی بنا پہ کی جانے والی یا کرائی جانے والی اِس ساری بے عزّتی کو بہ تحمّلِ تمام برداشت کیا اور زہرِ ہلاہل کے اِس گھُونٹ کو خاموشی سے پی لیا۔ ہم نے کتابوں میں پڑھا اور پڑھایا ہے کہ پہلے وقتوں میں جو زائرین صُوفیاء اور مشائخ طریقت کے درباروں میں حاضر ہوا کرتے تھے، اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم وہ شریعتِ مصطفیٰ کا ادب سیکھ کر گھر لَوٹا کرتے تھے، مگر اب معاملہ اِس کے بَرعکس ہو گیا۔ بعض اوقات جب کسی عالِم دین یا کسی سجّادہ نشین سے کسی مسئلہ میں میرا اختلاف ہو جاتا تو میرے بعض شاگرد اور دوست کہتے کہ دو ٹوک الفاظ میں اظہارِ اختلاف سے آپ کو گریز کرنا چاہیئے تھا۔ میرا جواب ہوتا کہ یاد رکھّو! ہم مولوی اور مشائخ دونوں شریعت کے نمک خوار ہیں اِس لیے کہ ہم دونوں کی عزّت و توقیر شریعت سے ہماری وابستگی کے حوالے اور سبب سے ہے تو اَب آپ خُود ہی سوچ لیں کہ اگر بالفرض میں ایک خلافِ شریعت مسئلہ کو محض کسی کے کہنے پر سوچے سمجھے بغیر تسلیم کر لوں تو کیا میں نے شریعت کا حقِّ نمک ادا کیا؟ اس پہ وہ سب خاموش ہو جاتے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اِس ننگِ دین و ملّت مفتی جیسے مطلب پرست، کاسہ لیس، خوشامدی، ایمان فروش اور بے ضمیر قاضیوں مولویوں اور مفتیوں نے درباروں پر شرعی مسائل کے بیان کو یہ کہتے ہوئے ترک کر دیا کہ مشائخ

مسائل کے ذکر پہ ناراض ہوتے ہیں۔ افسوس کہ ع ایمان فروختند وچہ ارزاں فروختند۔ اِن جاہلوں کو غالباً یہ معلوم نہیں کہ جب مشائخ کا اپنا ایمان اور عوامُ الناس میں اُن کی یہ ساری عزّت وتوقیر اور پذیرائی ومقبولیت خود اُن کی پاسداریٔ شریعت کی مرہونِ منّت ہے تو وہ شریعت کے کسی حکم سے کیسے سرتابی واعراض کرسکتے ہیں۔ یہ اِس قماش کے بے ضمیر اور ایمان فروش قاضیوں مفتیوں اور خطیبوں کے خودساختہ مفروضے ہیں۔ بس ایسوں کو آنا جانا تو کچھ نہیں، صرف قصّے کہانیوں سے سامعین کا دل بہلا کر معاوضہ وصُول کرلیتے ہیں۔ تو اس بے لگام اور یاوہ گو بازاری مفتی نے پوری طرح کتمانِ حق سے کام لیا اور اِس حدیث شریف کا پُورا پُورا مصداق بنا: قوله علیه السّلام: الساکت عن الحقّ هوالشّیطان الاخرس۔ کہ اظہارِ حق پر خاموش رہنے والا گُونگا شیطان ہے۔ ومن سکت عن الحقّ اُلجم بلجام النّار او کما قال صلّی الله علیه وسلّم کہ جو شخص حق بات کے اظہار سے خاموش رہا، اُسے آگ کی لگام دی جائے گی، مؤخّر الذکر حدیث اِس بے لگام مفتی کو دنیا ہی میں لگام لینے کی طرف متوجّہ کر رہی ہے، ورنہ آخرت میں تو اِس کا انتظام موجود ہے ہی۔

مُفتی کی ٹیپ شدہ تقریر کے ایک مرکزی موضوع پر چند جواب طلب اعتراضات

قارئین! جیسا کہ فقیر نے عرض کیا کہ تملّق شعار مفتی نے اپنی اس تقریر میں علم الانساب اور فقہ کے تمام مُسلّمہ اصُولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اعلان کیا کہ قریش تو قریش، غیرفاطمی بنو ہاشم بھی سیّدہ فاطمیہ کے کفو نہیں ہیں، تو اس پر چند جواب طلب اعتراضات پیشِ خدمت ہیں:

اعتراض اوّل: مفتی کے اِس دعوٰی کے مطابق تو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ الکریم بھی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کفو نہیں بنتے، کیونکہ آپ مُطلقاً خاندانِ بنو ہاشم کے فرد ہیں، تو پھر

کیا مفتی کے نزدیک اِن کے درمیان ہونے والا نکاح غیر کفو میں ہوا ؟ اگر غیر کفو میں ہوا تو پھر اُسے یہ حقیقت بھی تسلیم کرنا پڑے گی کہ سیّدہ کے نکاح کی ابتداء ہی غیر کفو میں نکاح سے ہوئی، جیسا کہ سیّدہ فاطمہ اور سیّدنا علیّ المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے نکاح سے ظاہر ہے۔ تو اس بنا پر بعد میں آنے والی سیّداتِ فاطمیہ کے لیے غیر کفو میں نکاح کے جواز کا ثبوت موجود ہُوا، پھر خواہ مخواہ سیّدہ کے غیر کفو میں عدمِ جوازِ نکاح کے اعلانات اور فتوٰی بازی سے کیا فائدہ، جبکہ اس کے جواز کا ثبوت سادات کے اُس اوّلیں گھر ہی میں پایا جاتا ہے، جس گھرانہ سے نسبی نسبت ہی قیامت تک پیدا ہونے والے سادات کی سیادت کا مُوجب ہے اور اگر جنابِ سیّدہ فاطمہؓ کا نکاح کفو میں ہوا تو پھر بنو ہاشم کو سیّدہ فاطمہ کا غیر کفو کہنے کی کیا تُک بنتی ہے ؛ لہٰذا مفتی اور اُس کے ہم خیالوں کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بنو ہاشم ساداتِ فاطمیہؓ کے نہ صرف کفو ہیں بلکہ یہ ایک ہی گھرانہ ہے[1]۔ کیونکہ کُتبِ فقہ میں بنو فاطمہ کے لئے علویات یا بنو ہاشم کے علاوہ کوئی دوسرا لفظ استعمال نہیں ہُوا، جو اُن کے الگ تشخّص پہ دال ہو۔ چنانچہ کتبِ فقہ میں علویّات سے سیّدنا علیؓ کی وہ تمام اولاد مُراد لی جاتی ہے، جو سیّدہ فاطمہؓ کے بطنِ پاک سے ہو یا آپؓ کی دوسری ازواج سے۔ پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ انبیاءؑ

---

[1] سادہ لوح مفتی نے سادات اور بنو ہاشم کے آپس میں غیر کفو ہونے کا قول کر کے حضرت اعلیٰ گولڑوی کے نقطۂ نظر کی واضح مخالفت کی کیونکہ جب بنی ہاشم پر حرمتِ صدقاتِ فرضیہ سے متعلق آپؒ سے سیّد حسین شاہ صاحب نے سوال کیا تو آپ نے بحوالۂ فقہِ حنفی اس کے جواز کا فتوٰی دیا اور وجوہِ جواز بھی تحریر فرمائیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مہرِ منیر ص ۵۷۶، طبعِ ششم سنِ طباعت ۱۹۹۱ء) اس میں قابلِ غور امر یہ ہے کہ سوال کُنندہ سیّد حسین شاہ کو بھی معلوم تھا کہ سادات دراصل بنو ہاشم ہی سے نسبی تعلق رکھتے ہیں اور پھر حضرت گولڑویؒ نے بھی اِس کی تردید نہ فرمائی ورنہ آپؒ یہ لکھ دیتے کہ سیّد صاحب! آپ کا ایک الگ نام اور ایک الگ خاندان ہے، جس کا بنو ہاشم سے کوئی نسبی تعلق نہیں یا سادات پر بنو ہاشم کا اطلاق نہیں ہو سکتا، لہٰذا آپ کا یہ سوال بنو ہاشم کے بارے میں تو ہو سکتا ہے۔ مگر سادات کے بارے میں نہیں ہو سکتا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت گولڑویؒ کے نزدیک عُرفِ عام میں سیّد کہلانے والے اور بنو ہاشم ایک ہی چیز تھے، چنانچہ آپؒ نے سیّد حسین شاہ کو بنو ہاشم ہی کا ایک فرد سمجھ کر ان پر بنو ہاشم کے نسبی اطلاق کو درست تسلیم کرتے ہوئے۔ استفتاء کا جواب مرحمت فرمایا۔ ۱۲ منہ

مُرسلین کا مرتبہ سب سے بلند ہوتا ہے، یہاں تک کہ ان کے اپنے گھر کے افراد میں سے کوئی بھی فردِ اُن کے اُس مُفوّض من اللہ مقام و مرتبہ کا کفو نہیں ہو سکتا۔ البتہ نسبی اعتبار سے تمام افرادِ خانہ نبیؐ مُرسل کے ہم کفو ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی دوسری وجہ کفاءت کے سبب سیّدہ فاطمہؓ کا جناب علیؓ سے نکاح ہوا اور جنابِ عثمانؓ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں آئیں۔ اگر حضور علیہ السلام کے رتبہ اور منصبِ نبوّت کو معیارِ کفاءت بنایا جائے تو انبیاء و مرسلین کے بغیر آپؐ کا کوئی شخص ہم کفو نہیں ہو سکے گا۔ ثابت ہوا کہ منصبِ نبوّت پر فائز ہونے کے باوجود اُمّت کے افراد پر نبی کی بیٹیاں برائے نکاح حلال اور جائز ہیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا جو مرتبہ بھی ہو، وہ بہرحال دوسرے افرادِ اُمّت کی طرح آپ کی اُمّت کے فرد بھی ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنی اُمّت کے مذکورہ بالا دو افراد کے نکاح میں اپنی بیٹیاں دی تھیں۔ اگر ایک نبی کی بیٹی اُمّت کے کسی فرد پر حلال ہو سکتی ہے، جب کہ وہ اُمّتی اُس نبی کے ایک کلمہ گو غلام کی حیثیت رکھتا ہے تو پھر جنابِ فاطمہؓ کی اولاد یعنی سیّدات کو افرادِ اُمّت پر حرام کہنے یا سمجھنے پر کونسی شرعی دلیل موجود ہے۔ یہاں دو صورتیں سامنے آتی ہیں کہ یا تو یہ کہا جائے کہ حضور علیہ السلام نے مرتبۂ نبوّت کے اعتبار سے افرادِ اُمّت یعنی جنابِ علیؓ اور جنابِ عثمانؓ کے نکاح میں اپنی صاحبزادیاں دیں تو اِس اعتبارِ مرتبہ کے مطابق یہ ہر دو حضرات حضورؐ کے کفو نہیں تھے، لیکن اِس کے باوجود آپؐ نے غیر کفو کے اِن دو حضرات کو اپنی لڑکیاں بیاہ دیں تو اس سے غیر کفو میں سیّدات کے نکاح کے جواز کا ثبوت پایا جائے گا اور اگر یہ کہا جائے کہ حضور علیہ السلام نے نسبی کفاءت کے اعتبار سے ان ہر دو حضرات سے اپنی صاحبزادیوں کے نکاح کئے تھے، تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بنی ہاشم اور قریش حضور علیہ السلام کے کفو ہیں، جبکہ حضرت علیؓ بنو ہاشم کے فرد اور جنابِ عثمانؓ اموی قریشی تھے۔ لہٰذا یہ دونوں خاندان حضور علیہ السلام کے کفو ہیں۔ اگر یہ دونوں خاندان یعنی

بنو ہاشم اور قریش حضور علیہ السّلام کے کفو ہو سکتے ہیں، جیسا کہ اُوپر واضح کیا گیا تو پھر یہ خاندان آپ کی صاحب زادیوں کی اولاد یعنی ساداتِ فاطمیہ کے کفو کیونکر نہیں ہو سکتے؛ اگر نہیں ہو سکتے تو اِس پر کوئی دلیل؟ بعض کم فہم غیر کفو میں نکاحِ سیّدہ کے عدمِ جواز پر ایک حدیث بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں اور عدمِ جوازِ نکاح کی علّت سیّدہ کا اصطفیٰ و امتیاز ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ یہ استدلال بہ سلسلۂ نکاح غلط ہے۔ وہ حدیث یہ ہے انّ اللّٰہ اصطفیٰ کنانۃ من ولد اسمٰعیل واصطفیٰ قریشاً من کنانۃ واصطفیٰ من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم۔ ترجمۂ حدیث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السّلام کی اولاد سے کنانہ کو چُنا اور بنو کنانہ سے قریش کو چُنا اور قریش سے بنو ہاشم کو چُنا اور مجھے بنو ہاشم سے چُن لیا۔ یہاں اِس حدیث کے متعلق چند ابحاث ملاحظہ ہوں۔ بحثِ اوّل: چونکہ اِن لوگوں کے نزدیک حدیثِ ہٰذا کے مطابق قریش دوسری اقوامِ عرب سے اور بنی ہاشم قریش سے اور پھر واصطفانی کے تخصیصی لفظ سے بنو فاطمہ اِن سب سے افضل ہیں، لہٰذا فاضل مفضول کا کفو نہیں ہو سکتا، پس اِن کے درمیان مناکحت جائز نہیں، کیونکہ غیر کفو میں نکاح کرنے سے صاحبِ فضیلت خاندان کی توہین اور ہتک ہوتی ہے، حالانکہ یہ عقیدہ یا نقطۂ نظر قطعاً غلط اور خلافِ منشاءِ حدیث و فقہِ احناف ہے جیسا کہ علّامہ عینیؒ اور دیگر اکابر فقہاء کی عبارات اور حوالوں سے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ بنو فاطمہ، بنو ہاشم، بنو عبّاس، بنو اُمیّہ، بنو عقیل، بنو جعفر، صدّیقی، فاروقی، عثمانی اور علوی یعنی اعوان اور دُنیا میں بسنے والے وہ تمام خاندان جن کا نسبی رشتہ مذکورہ بالا خاندانوں سے ملتا ہے۔ یہ تمام آپس میں کفو ہیں اور بسلسلۂ نکاح اِن میں تفاضل کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اکفاء کے درمیان فقہِ حنفی کے مطابق نکاح کا حکم بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ حدیثِ مذکورہ کے آخری جملہ واصطفانی من بنو ھاشم میں اصطفیٰ سے مراد بہ اعتبارِ خصائلِ حمیدہ آپؐ کا اِصطفیٰ اور انتخاب[1] ہے نہ کہ

---

[1] مزید تفصیل کے لیے حدیثِ ہٰذا سے متعلق مرقاۃ حاشیہ مشکوٰۃ شریف پر ملاحظہ ہو۔ ۱۲ منہ

بہ اعتبارِ نبوّت و دیانت، تقویٰ اور صالحیت کے۔ اور یہ امر متفق علیہ ہے کہ حضور علیہ السلام خصائل حمیدہ کے اعتبار سے تمام بنو ہاشم، قریش اور سائرِ عرب و عجم پر کُلّی فضیلت رکھتے ہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ واصطفانی کے اِس تخصیصی لفظ سے یہ ہرگز مراد نہیں لی جاسکتی کہ آپ کے رُتبۂ نبوّت پر فائز ہونے کے بعد، اپنی قوم قریش یا بنو ہاشم سے آپ کا نسبی سلسلہ انقطاع پذیر ہوگیا، حالانکہ نبوّت و رسالت کے اس منصب عُظمیٰ پر فائز ہونے کے بعد بھی آپ کے اُسی قوم و خاندان سے ہونے کی صراحت خود آیاتِ قرآنیہ میں موجود ہے۔ جس سے انکار موجب کفر ہے۔ ارشاد ہوا وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ کہ آپ اپنے قریب ترین عشیرہ کو ڈرایئے۔ عشیرۃٌ کا لفظ عربی زبان میں انسان کے باپ کی طرف سے قریبی رشتہ پر مشتمل جماعت کے لئے بولا جاتا ہے، کیونکہ اُن سے انسان کثرتِ عدد حاصل کرتا ہے اور وہ گویا اس کے لئے بمنزلہ عددِ کامل کے ہیں، کیونکہ عشرۃٌ کا عدد ہی کامل ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے وَازواجکم وعشیرتکم یعنی عورتیں اور خاندان کے آدمی۔ لہٰذا عشیرۃٌ انسان کے رشتہ داروں کی اُس جماعت کو کہتے ہیں جس سے انسان کثرت اور قوّت حاصل کرتا ہے۔ تفصیلِ مزید کے لئے ملاحظہ ہو (مفرداتِ امام راغب اصفہانی) اِس وضاحت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آیتِ محوّلہ میں عشیرتک میں واقع خطاب سے واضح فرمادیا کہ آپ کا عشیرہ موجود ہے، جو ہمجد ہونے میں بلحاظِ نسب آپ کے برابر ہے کہ عشیرتک الاقربین کے مرادِ اوّل بنی ہاشم اور تمام بطونِ قریش ہی ہوسکتے ہیں۔ نہ یہ کہ انذار کے مخاطب اہلِ بیت النّبی ہی ہیں۔ لہٰذا مُفتی اور اس کے ہم نواؤں کو حدیثِ واصطفانی کے علاوہ ایک اور حدیث شریف بھی پیشِ نظر رکھنا ہوگی، جس میں اہلِ بیت کے بارہ ائمہ پر بنی ہاشم کے بجائے صرف لفظِ قریش کا اطلاق کیا گیا۔ چنانچہ میرے حضرت اعلیٰ گولڑوی شیعہ سے متعلق چند سوالات کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد بارہ اماموں

کا ہونا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے؛ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے سنا کہ بارہ امیر ہوں گے (اگلا کلمہ وہ نہ سن سکے تو ان کے والد نے بتایا کہ آپؐ نے فرمایا: وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ مہریہ، صفحہ ۱۴۵، طبع سوم، سنِ طباعت ۱۹۸۸ء) مفتیٔ شر انگیز اور اُس کے ہمنواؤں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ اِن مذکورہ ہر دو احادیث میں تطبیق پیدا کرتے ہوئے وجہِ تطبیق بھی بیان کریں۔ اوّل الذکر حدیث میں قریش پر بنو ہاشم کو فضیلت دی گئی اور بنو ہاشم پر خود کو۔ چونکہ فاطمۃ الزہراؓ اور آپ کی دُوسری صاحبزادیاں اور صاحبزادے آپؐ کی صلبی اولاد ہیں، لہٰذا اگر بقولِ مخالفین واصطفانی کی تخصیص کا اعتبار نسبی معاملہ میں بھی لیا جائے تو حسنؓ و حسینؓ و سیّدہ فاطمہؓ و رقیہؓ وغیرھم دیگر بنو ہاشم سے افضل ٹھہرے اور قریش تو پہلے ہی اِس حدیث کے مطابق بنو ہاشم سے کم درجہ رکھتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں اُس فضیلت کا مفہوم سمجھایا جائے جس کی بنا پر اولادِ اسمٰعیل سے بنو کنانہ، بنو کنانہ سے قریش اور قریش سے بنو ہاشم کو افضل قرار دیا گیا، اور کیا یہ فضیلت من حیث المرتبہ ہوگی یا من حیث النّسب؟ اگر اِس فضیلت کو من حیث المرتبہ کہا جائے تو کیا ایسی فضیلت فاضل اور مفضول طبقہ کے مابین نکاح کی مشروعیت پہ اثر انداز ہو کر نامشروع بنا سکتی ہے۔ تو اِس پہ کوئی شرعی دلیل؟ اور اگر اِس فضیلت کو من حیث النّسب کہا جائے تو کیا بنو ہاشم قریش بنو کنانہ اور اولادِ اسمٰعیل ہمجد اور ہم نسب نہیں؟ اگر کہا جائے کہ نہیں تو پھر اِس کا کوئی تاریخی ثبوت؟ اِس لئے کہ حدیثِ محوّلہ میں وُلدِ اسمٰعیل سے لے کر و اصطفٰی تک کے تمام مختلف الاسماء خاندان، اولادِ اسمٰعیل ہونے کے اعتبار سے متحد النّسب قرار دیئے گئے ہیں تو حدیثِ مذکور میں بیان کردہ نسبی اشتراک و اتّحاد کے باوجود اِن تمام کے درمیان عدمِ کفاءت کی ناقابلِ قبول منطق کو کس دلیل کی بنا پر تسلیم کیا جائے، جب کہ کتبِ فقہ میں کفاءت کے چھ مراتب میں ایک درجہ نسب کا بھی موجود ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی بتایا جائے کہ آخر کس بنا پہ حدیثِ محوّلہ میں مذکورہ خاندان ایک طرف ترقی

اور دوسری جانب تنزّل یافتہ قرار دیئے گئے؟ نیز یہ کہ حضور علیہ السلام نے واصطفانی کے اعتبار سے بنو ہاشم اور قریش کو خود مفضول ٹھہرا کر انہی مفضول خانوادوں کے افراد سے اپنی دختران پاک نہاد کے نکاح بھی فرما دیئے۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟ بندہ اوراقِ سابق میں عرض کر چکا ہے کہ جو لوگ اِس معاملہ میں نظریۂ ضرورت یا خاصۂ رسول علیہ السلام کا قول بہ طورِ حجت پیش کرتے ہیں، اُن پر واضح ہو کہ یہ اُن کا خود ساختہ خاصۂ اور نظریۂ ضرورت ہے اگر وہ اپنے اِس دعویٰ میں صادق ہیں تو اُن پر لازم ہے کہ ائمۂ مجتہدین کے اگر کسی قولِ مختار سے نہیں تو از کم از کم صرف کسی قول ہی سے ثابت کریں۔

اسی طرح جو لوگ واصطفانی کی حدیث کو اہلِ بیت کے بنو ہاشم سے افضل ہونے پر بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں، اُن پر واضح ہو کہ مؤخر الذکر حدیث میں بارہ ائمہ اور خلفاء کے لئے بنو ہاشم کے بجائے علامتِ نسب کے طور پر صرف لفظِ قریش وارد ہوا ہے؛ اب ایک قاری اہلِ بیت کے خلفاء (مثلاً حضرتِ علی رض اور امام حسن رض) کو محوّلہ بالا ہر دو احادیث کے تناظر میں بنو ہاشم کے افراد سمجھے یا صرف قریش کے؟ کیونکہ مؤخر الذکر حدیث مرویۂ بخاری میں واقع لفظِ قریش اُن بارہ[1] اماموں کے نسب کی نشاندہی پر بولا گیا، جن میں دو خلفاء جنابِ علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ اور سیّدنا امامِ حسن مجتبیٰ رض بھی شامل ہیں، جن کا شمار بلا شبہ فاطمی سادات کے مورثانِ اعلیٰ میں ہوتا ہے؛ حدیثِ ہٰذا کے حوالے سے موجودہ ساداتِ فاطمیہ کو حضور علیہ السلام کے اِس واضح ارشاد کی تعمیل میں بہ سلسلۂ نسب اپنے اسماء کے ساتھ سیّد کے بجائے صرف قریشی کا لفظ لکھنا اور بولنا چاہیئے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے یہ لفظ ان کے آباؤ اجداد امام حسن رض، امام حسین رض، امام زین العابدین رض امام محمد باقر رض اور امام جعفر صادق وغیرھم کے لئے بہ طورِ علامتِ نسب ارشاد فرما کر تخصیص کر دی۔ لہٰذا جو نسب باپ کا ہو وہی اولاد کا ہونا چاہیئے۔ مفاد پرست مُفتی جیسے کم علم اور کاسہ لیسوں نے ساداتِ فاطمیہ کو ان تاریخی حقائق سے آگاہ کرنے کی کبھی جرأت نہیں کی، یا پھر ایسے سطحی الذہن مفتیوں کے اپنے دماغ اِن علمی موشگافیوں کے لائق

[1] ان ائمہ سے کون مراد ہیں، اِس پر حضرت اعلیٰ گولڑوی کا محققانہ جائزہ قابلِ مطالعہ ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ مہریہ، ص ۱۴۰
طبعِ سوم بہ سنِ طباعت ۱۹۸۸ء - ۱۲ منہ

ہی نہیں۔ یہ برائے نام مفتی بندہ کی پیش کردہ اِن ہر دو احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے مفتی کہلانے کے حوالے سے یہ دلائلِ قویّہ اپنا فیصلہ دے کہ سیّد کا لفظ جو ایک الگ قومیّت کے وُجود کو ظاہر کرنے کیلئے ہمارے عُرف میں مستعمل ہے؛ کیا حضور علیہ السّلام کی کسی حدیث سے اسکا ثبوت ملتا ہے کہ آپ نے سیّد یا سادات میں سے کوئی لفظ من حیث القوم بہ طورِ علامتِ نسب کسی خاندان کے لیے تجویز فرمایا ہو۔ اگر کوئی مستند ثبوت موجود ہو تو سامنے لایا جائے تاکہ اُسے بہ طورِ حجّت پیش کرتے ہوئے ساداتِ بنو فاطمہ پر من حیث القوم لفظِ سیّد کے اطلاق کو تسلیم نہ کرنے والوں کے اِس ایک مستقل اور لاینحل اعتراض کا جواب دیا جا سکے۔ اب اِس سلسلے میں فقیر اپنی تحقیق پیش کرتا ہے۔ میری تحقیق اور مطالعہ کے مطابق اہلِ بیت کے بارہ ائمہ و خلفاء کے نسب پر بنو ہاشم یا پھر قریش کے الفاظ کا ثبوت تو ملتا ہے، کیونکہ اِن خلفاء میں کچھ ہاشمی بھی ہیں اور ہر ہاشمی کا قریشی ہونا ضروری ہے، مگر کسی حدیث میں بنو فاطمہ کے لیے من حیث القوم اور پھر وہ بھی علامتِ نسب کے طور پر سیّد یا سادات میں سے کسی ایک لفظ کا بھی ثبوت نہیں ملتا، لہٰذا بندہ کے نزدیک حضور علیہ السّلام کی محوّلہ بالا ہر دو احادیث کے مطابق بنو فاطمہ قریشی ہاشمی ٹھہرے اور اِن کا اصلی نسب صرف یہی ہے، کیونکہ اِن کے مورثِ اعلیٰ جناب علیؓ المرتضیٰ ہاشمی تھے اور اِن کی والدہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نسباً قرشیہ ہاشمیہ تھیں، کیونکہ آپ کے والدِ گرامی حضور نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نسباً قریشی ہاشمی تھے چنانچہ آپؐ نے ایک میدانِ جنگ میں رجز یہ شعر پڑھتے ہوئے اپنے متعلق فرمایا تھا انا النّبیّ لاکَذِب۔ انا ابن عبد المطّلب۔ گویا آپؐ نے اپنے مُطّلبی ہونے پر اظہارِ فخر فرمایا۔ کیونکہ عبد المطّلب بن ہاشم آپ کے دادا تھے۔ لہٰذا ہاشم یعنی حضور علیہ السّلام کے پردادا کی اولاد ہاشمی کہلائی اور خود ہاشم نسباً قریشی تھے تو اس طرح ہاشمی قریشی بھی ٹھہرے۔

بندہ کی نظر اُن تمام احادیث پر بھی ہے، جن میں حضرتِ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرات حسنین کریمین کے لیے اور خود حضور علیہ السّلام نے اپنے لیے لفظِ سیّد استعمال فرمایا، علاوہ ازیں اپنے چچا کے لیے سیّد الشّہداء کے الفاظ بھی فرمائے۔ اِس کا مختصر جواب یہ ہے

کہ ان تمام مقامات پر لفظِ سید کا استعمال اعزازاً ہے نہ کہ نسباً۔ خلاصۂ کلام یہ کہ سید یا سادات کوئی الگ قوم نہیں، بلکہ ان کا اصلی نسب ہاشمی یا پھر قریشی ہے۔ البتہ متأخرین نے بنو فاطمہ پر لفظِ سید کو اعزازاً استعمال کیا جو رفتہ رفتہ علامتِ نسب بنکر مستعمل ہونے لگا اور اس خاندان کے افراد کو سید، سادات اور شریف کے الفاظ سے تعبیر کیا جانے لگا، جس سے عوام الناس نے یہ سمجھا کہ سید کوئی الگ قوم ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ خاندان از روئے علم الانساب والفقہ والاحادیث صرف قریشی اور ہاشمی ہے۔ اب لفظِ سید سے متعلق ذرا تفصیلاً چند ایسی ابحاث کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے بعض ذہنوں میں پیدا ہونے والے اشکالات رفع ہوسکتے ہیں۔

لغت، قرآن مجید اور احادیث کے آئینہ میں لفظِ سیّد کے مفاہیم و مقاماتِ اطلاق

بندہ نے سابقاً عرض کیا کہ لفظِ سید کسی الگ قوم کا نام نہیں، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اب اِس لفظ سے متعلق چند ابحاث ملاحظہ ہوں۔ عربی کے تمام مستند لُغات میں اِس کی مختلف تعریفات ملتی ہیں، سب سے مستند، جامع اور مشہور کتابِ لُغت لسانُ العرب نے اس لفظ کے اُن تمام معنوی پہلوؤں پر تفصیلاً بحث کی جو عرب کے ہاں رائج تھے، اِس لفظ کے متعلق صحابہ و تابعین کی بیان کردہ تعریفات سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ اِس لفظ کا اطلاق جس فرد پر بھی کیا جائے یا کیا گیا، وہ اُس کے اوصاف کی بنا پر سمجھا جائے نہ یہ کہ اس لفظ کا کسی فرد یا خاندان پر اطلاق بحیثیتِ نسب بھی ہوا یا ہوسکتا ہے۔ اگر یہ لفظ ہاشمی یا قریشی کی طرح کسی خاص خاندان کے ساتھ علامتِ نسب کے طور پر مختص ہوتا، تو کُفار اسی لفظ کو اپنی قوم کے بڑوں اور چوہدریوں کے لیے استعمال کرنے کے اُصولاً مجاز نہ ہوتے، لیکن ایسا ہوا،

چنانچہ فقیر آئندہ اوراق میں اپنے مقام پر قرآنِ مجید سے اِس کا ثبوت پیش کرے گا۔ چونکہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے، لہٰذا سب سے پہلے بحوالہ لسان العرب وغیرہ مختصراً اِس کی تعریفات اور اس کے مقاماتِ اطلاق کی تلخیص نذرِ قارئین کی جاتی ہے۔ اِس لفظ کا اطلاق درجِ ذیل معانی پر ہوتا ہے:۔ ربّ، مالک، فاضل، شریف، کریم، حلیم اور اپنی قوم کی ایذا کو برداشت کرنے والا رئیس۔ ابنِ شمیل کے نزدیک وہ شخص سیّد ہے، جو دوسروں پر مالی رفع و نفع اور عقل و دانش میں فوقیت رکھتا ہو، حضرتِ عکرمہؓ کے نزدیک السیّد کا اطلاق اُس پر ہوگا، جس پر غصّہ اور غضب غالب نہ ہو، حضرتِ قتادہؓ کے نزدیک سیّد کہلانے کا استحقاق اُسے حاصل ہے، جو عبادت گزار، متورع اور حوصلہ مند ہو۔ چونکہ سیادتِ حقیقی یعنی کرم، ملکیت اور حلم جیسی تمام صفاتِ کاملہ اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں، اِس لیے حضور علیہ السّلام نے ازراہِ انکسار و تواضع صحابہؓ کرامؓ کے اِس قول پر کہ آپ سیّد العرب ہیں، ارشاد فرمایا: السیّدُ ھو اللہ کہ حقیقی سیّد تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے:۔ ابو منصور کہتے ہیں کہ حضور علیہ السّلام نے بالمشافہ مدح کو پسند نہ فرمایا۔ انصار کے ایک قبیلہ کے رئیس (حضرت سعد بن معاذؓ) کے مجلس میں آنے پر حضور علیہ السّلام نے اُس کی قوم سے فرمایا قوموا الیٰ سیّدکم کہ اپنی قوم کے سردار کی تعظیم کے لیے اُٹھو۔ (یہ حدیث ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف کے باب القیام میں) علاوہ ازیں صاحبِ مشکوٰۃ نے بحوالہ مسلم شریف انا سیّد ولد آدم ولا فخر کی حدیث درج کی، یہاں اِسی حدیث کی تشریح سے متعلق مرقاۃ کی وہ عبارت پیش کی جاتی ہے، جسے صاحبِ مرقاۃ نے لفظِ سیّد کی تشریح کے تحت حاشیہ پر لکھا۔ لکھتے ہیں: قال الھروی السیّد ھو الذی یفوق قومہ فی الخیر وقال غیرہ ھو الذی یفزع الیہ فی النوائب والشّدائد فیقوم بامورھم ویتحمّل عنھم مکارھھم ویدفعھا عنھم (ملاحظہ ہو حاشیہ مرقاۃ بر مشکوٰۃ، ص ۵۱۱، مطبوعہ اصحّ المطابع دھلی، سنِ طباعت ۱۹۳۲ء) خلاصہ عبارت یہ ہے کہ ہروی کے نزدیک سیّد وہ شخص ہے، جو خیر خواہی اور نیکی کے اعتبار سے اپنی

قوم پہ کوٹنے سبقت لے جائے اور ہر دی کے غیر نے یوں کہا کہ اِس لفظ کا ہر اُس شخص پر اطلاق ہو گا جس کے سامنے لوگ اپنے دُکھوں اور مصیبتوں کے ہاتھوں پریشانی کا اظہار کریں اور وہ اُن کی مدد کے لیے اُٹھ کھڑا ہو اور اُن کی تمام تکالیف کو اپنے سر لے کر اُنہیں تمام تکالیف کے بوجھ سے سبکدوش کرنے کی سعی کرے ۔

مذکورہ بالا لفظِ سیّد کی تعریفات سے یہ بات واضح طور پر سامنے آگئی کہ اِس لفظ کا اطلاق عند العرب ہر اُس شخص پہ کیا جا سکتا ہے یا کیا جانے لگا، جو صفاتِ ممتازہ ، اخلاقِ عالیہ اور اقدارِ فائقہ کے اعتبار سے اپنے علاقے یا اپنی قوم میں امتیازی حیثیت اور مسلّم شخصیت کے درجہ پر فائز ہو۔ مثلاً جو لوگوں کے دُکھ اپنی جان پہ لے کر اُنہیں سُکھ دے۔ جو حاسدین اور دشمنوں کے جور وستم اور غیر مہذب برتاؤ کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے۔ ذاتی مفادات پہ دوسروں کے مفادات کو ترجیح دے۔ انتقام پہ قدرت کے وقت عفو و درگزر کو ترجیح دے۔ کنجوسی اور بُخل سے کام نہ لے، بلکہ ہر مقام پہ سخاوت و ایثار کا مظاہرہ کرے۔ غریب لوگوں کی جان و مال اور عزّت وآبرو کے تحفظ کو اپنی اخلاقی ذمّہ داری سمجھے۔ امانت واپس کرے اور دیانتداری کا دامن نہ چھوڑے۔ کسی بھی شخص کو کسی قسم کا دھوکہ نہ دے۔ ہر آدمی سے حُسنِ سلوک کے ساتھ پیش آئے، چونکہ مذکورہ تمام اُمور صفات کے ضمن میں آتے ہیں، جو شخص اِس قسم کی اور تمام صفاتِ عالیہ کا جس قدر مالک ہو گا لوگوں کے نزدیک اُس کے مقامِ سیادت میں اُسی قدر اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ لفظِ سیّد سے متعلق محوّلہ بالا تمام تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے، جب ہماری نظر حضور علیہ السلام کے ارشاد ابنی ھٰذا سیّد پر پڑتی ہے، تو جگر گوشۂ بتول اور دلبندِ علی و رسول سیدنا امام حسن مجتبٰی رضی اللہ عنہ کی تصویر آنکھوں میں پھرنے لگتی ہے کہ اللہ اللہ اِس ذاتِ عالیہ کا کیا مقام ہو گا، جو اِتنی اَن گنت صفاتِ کاملہ کا حامل تھا کہ جس کی اِنہی صفاتِ عالیہ کی بنا پہ خود حضور علیہ السلام نے اُسے اِنّ ابنی ھٰذا سیّد کے اِس لافانی لقب اور اعزاز سے نواز کر اُس کی سیادت پر اپنی مہرِ تصدیق ثبت فرما دی۔ کہ بے شک میرا یہ بیٹا سیّد ہے۔

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جو مصائب و شدائد، ظلم و ستم اور جو ناروا سلوک حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے کیا گیا اور پھر آپ نے جس خندہ پیشانی سے اُسے قبول فرمائے رکھا، دنیا میں اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ مختصر یہ کہ آپ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام نہایت ہی مظلومانہ گزارے، مگر لبوں تک کبھی کوئی حرفِ شکایت نہ آنے دیا؎ اے فاطمہ کے لال یہ تیرا ہی کام ہے۔ بہر حال بندہ یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور علیہ السلام نے جو امام حسن رضی اللہ عنہ کو ابنی ھٰذا سیّدٌ فرمایا تو یہ بہ طورِ نسب نہیں فرمایا، بلکہ بہ طورِ لقب فرمایا اور لقب کسی وصف کا مُظہر ہوتا ہے، عَلَم میں یہ بات نہیں ہوتی۔ چونکہ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ انتہاء درجہ کے کریم سخی اور تمام قابلِ عزت اوصاف کے مالک تھے، بناءً علیہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یقیناً میرا یہ بیٹا سید ہے، ساتھ ایک پیشین گوئی بھی فرما دی کہ لعلّ اللہ یصلح بہٖ بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔ لہٰذا آپ کا سید ہونا وصفاً اور لقباً ہے نہ کہ نسباً۔ اوصاف کے تحت کسی پر لفظِ سید کے اطلاق کی ایک اور دلیل ملاحظہ ہو۔ تفسیرِ خازن میں زیرِ آیۂ سیّداً وّحصوراً وّنبیّاً مّن الصّٰلحین یوں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے بنو سلمہ سے پوچھا کہ تمہارا سید (سردار) کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا سید جد بن قیس ہے، مگر وہ بہت ہی بخیل اور کنجوس ہے، چنانچہ ہم اُسے بُخل کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ تمہارا سید نہیں، بلکہ تمہارا سید عمرو بن جموح ہے۔ اِس سے ثابت ہوا کہ آپ نے سخاوت کے وصف کی بنا پر عمرو بن جموح کو سید قرار دیا اور وصفِ بُخل کی بنا پر جد بن قیس کو سیادت اور سید کے عہدے سے ہٹا دیا۔ پس حدیثِ محوّلہ بالا کی رُو سے جس طرح لفظِ سید کا حضرت امامِ حسن رضی اللہ عنہ پر بہ طورِ تنصیص اطلاق ہوا، اِس طرح اس لفظ کا بقیہ افراد مثلاً سیّدہ فاطمہ اور امامِ حسین رضی اللہ عنہ کی ذات پر اتنے اہتمام اور تنصیص سے اطلاق نہیں ہوا۔ اِس کی مثال بالکل وہی ہے کہ قرآنِ مجید میں لفظِ خلیفہ کا جس طرح تنصیصاً حضرت داؤد علیہ السلام پر اطلاق کیا گیا اُس طرح بقیہ انبیاء و مرسلین پر تنصیصاً نہیں ہوا، بلکہ صرف اِنّی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ

فرمادینے پر اکتفا کیا گیا، یہ درست ہے کہ تمام انبیاء وصفاً سیّد ہیں، مگر اس لفظ کا نصّاً اطلاق صرف حضرت یحییٰ علیہ السلام پر کیا گیا، چنانچہ قرآنِ مجید میں سَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ کے واضح الفاظ اُن کی سیادت پر صریحاً دلالت کر رہے ہیں۔ اِس اعتبار سے گویا حضرتِ یحییٰ علیہ السلام کی سیادت اور آپ کا سیّد ہونا قطعی الثبوت اور قطعی الدّلالہ سے ثابت ہوا۔ قرآنِ مجید چونکہ نقلِ تواتر سے ثابت ہے، جو قطعی الثّبوت کا درجہ رکھتا ہے اور پھر اس لفظ (یعنی سَیِّدًا) کی دلالت اپنے معنیٰ پر بھی قطعی ہے، لہٰذا حضرت یحییٰ علیہ السّلام پر لفظِ سیّد کا اطلاق قطعی الثّبوت اور قطعی الدّلالہ ہوا، بخلاف انا سیّد وُلدِ آدم، یہ حدیث متواتر نہیں، بلکہ خبرِ واحد ہے، جو ظنّی الثبوت کے درجہ میں ہے، اِسی طرح جن احادیث میں اہلِ بیتِ عظام پر لفظِ سیّد کا اطلاق ہوا، وہ بھی قطعی الثّبوت کے درجہ میں نہیں ہیں، خواہ اُن کا معنیٰ قطعی الدّلالہ ہی کیوں نہ ہو، مگر وہ لفظاً قطعی الثّبوت نہیں ہیں اور مُصطلحاتِ حدیث کے یہ مُسلّمہ اُمور علمِ حدیث کے عالم پر واضح ہیں۔ جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا کہ اگرچہ تمام انبیاء وصفاً سیّد ہیں، مگر قرآنِ مجید میں لفظِ سیّد کا نصّاً اطلاق صرف سیّدنا یحییٰ علیہ السّلام پر ہوا ہے۔ اِس کے باوجود ہم قرآنِ مجید کے آیات سے حضور علیہ السّلام کے سیّدِ وُلدِ آدم ہونے کا استخراج واستنباط کر سکتے ہیں اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ آپ افضل الانبیاء، سیّد البشر اور سیّد السّادات ہیں۔

قرآنِ مجید میں لفظِ سیّد کے ایک اور مُستعملہ پہلو کا ثبوت

بندہ نے بحوالہ لسان العرب جہاں لفظِ سیّد کے مختلف معانی ذکر کئے وہاں اِس کے ایک معنیٰ رئیسِ قوم کے بھی مذکور ہوئے، جسے ہمارے عُرفِ مروّجہ کے مطابق مُطلق سردار یا وڈیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ایسے رئیسِ قوم کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اپنی قوم کی سیادت کے منصب پر صفاتِ عالیہ مذکورہ ہی کے تحت فائز ہوا ہو، بلکہ یہ بھی ممکن ہے، کہ ایسا شخص کثرتِ دولت اور محض اپنی قوّتِ اقتدار کے زور پر جبراً اپنے علاقہ یا اپنی قوم پر تسلّط

جماتے ہوتے ہو۔ چنانچہ قرآن مجید کی ایک آیہ میں لفظِ سیّد بصورتِ جمع اِسی مذکورہ مفہوم میں استعمال ہوا۔ آیت یہ ہے۔ وَقَالُوا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا[۱]۔ اس آیہ مبارکہ کا ترجمہ پیش کرنے سے قبل اس سے پہلی دو آیات کا صرف ترجمہ یہاں تحریر کیا جاتا ہے تاکہ بات پوری طرح ذہن نشین ہوسکے: یقیناً اللہ نے کافروں پر لعنت کی اور اُن کے لیے جہنم تیار کیا، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ پائیں گے۔ جس دن اُنکے چہرے آگ میں پھیرے جائیں گے تو وہ کہیں گے کہ اے کاش ہم اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سادات (یعنی کافر سرداروں) اور وڈیروں کی اطاعت کی (اور اُن کے کہنے پر چلے) پس اُنہوں نے ہمیں راستہ سے بھٹکا دیا (انتہیٰ) محوّلہ بالا آیہ مبارکہ میں واقع لفظِ سادَتَنَا سیّدٌ کی جمع ہے اور اِس کی جمع الجمع سادات آتی ہے۔ مذکورہ آیہ میں سادَتَنَا مُطلق سردارانِ قوم کے معنیٰ میں مستعمل ہوا، کیونکہ اِسی مفہوم کی تائید اِس کے بعد کا لفظ کُبَرَآءَنَا کر رہا ہے، جس کے معنیٰ آسان اور سادہ زبان میں یہ ہوں گے کہ اے ہمارے رب! ہم سے تو ہماری قوم کے چوہدریوں اور وڈیروں نے اپنی اطاعت کروائی اور ہم آنکھ بند کر کے اُن کے ہر حکم اور نقطۂ نظر کو تسلیم کرتے رہے۔ خلاصۂ بحث یہ کہ سیّد یا سادات کے الفاظ کے لیے بہ طورِ علامتِ نسب کسی قوم پر اطلاق کا ثابت کرنا جُوئے شیر لانے کے برابر ہے۔ بالفرض اگر لفظِ سیّد سے کوئی نسبِ خاص ہی مراد ہو کہ اِس لفظ کا جس عبارت میں اور جہاں بھی تذکرہ ملے تو اُس سے ایک خاص خاندان یا نسب ہی کے لوگ مراد ہونگے، تو پھر کیا آیہ محوّلہ بالا میں وارد سادَتَنَا کے لفظ سے موجودہ دَور کے فاطمی سادات ہی مراد لیے جائیں گے؟ بندہ کے خیال کے مطابق کوئی بھی ذی عقل و دانش سیّد صاحب یا شاہ صاحب اِس کے دائرۂ اطلاق میں خود کو شامل سمجھنے کے خواہشمند یا مدّعی نظر نہیں آئیں گے، کیونکہ اِس آیت میں وارد سادَتَنَا کے لفظ سے موجودہ سادات مُراد ہیں ہی نہیں، اِس لیے کہ یہ تمام

---

[۱] سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۶۴ سے ۶۸ تک کا ترجمہ خود ملاحظہ کرلیں ۱۲ منہ

حضرات بحمداللہ مسلمان ہونے کے ناطے حضور علیہ السلام کی اُمّت میں داخل ہیں اور آیۂ محوّلہ بالا میں مذکور سادَتَنَا سے مراد کافر اقوام کے کافر سردار اور وڈیرے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل قوم اور شے ہے اور کسی بھی قوم کے کسی فرد پر بربنائے اوصاف لفظِ سیّد کے اطلاق کی حیثیت اور شے ہے، کیونکہ کسی پر کسی لقب کا اطلاق بربنائے وصف کیا جاسکتا ہے، مگر یہ بات عَلَم کے لیے ضروری نہیں ہوتی، کیونکہ اسم اور مُسمّٰی میں مناسبت کا ہونا شرط نہیں ہے۔ علاوہ ازیں آیۂ محوّلہ بالا سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اگر کسی مُسلم پر لفظِ سیّد کا اطلاق لقباً جائز ہے تو بعینہٖ کسی کافر سردار پر بھی اُس کی قوم کے افراد اِس لفظ کا اطلاق کرسکتے ہیں، جیسا کہ اِس امر کا ثبوت آیۂ محوّلہ بالا سے پیش کردیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بلادِ عرب میں آج تک بھی غیر مُسلم سربراہوں کے اسماء کے ساتھ سیّد کا لفظ مُستعمل اور رائج ہے اور یہ بطورِ اعزاز ہے، یعنی جناب اور محترم کے معنٰی میں بولا جاتا ہے۔ اِن شواہد اور قوی دلائل سے یہ بات طے ہوگئی کہ بنو فاطمہ باعتبارِ نسب ہاشمی قریشی ہیں، البتہ اِن کے آباء پر چونکہ لفظِ سیّد بربنائے اوصاف بولے جانے کا ثبوت احادیث میں ملتا ہے، لہٰذا لقباً اور اعزازاً اِس خاندان کے افراد کے لیے اِس لفظ کا استعمال جائز ہے، کیونکہ اِن کے آباؤ اجداد کو اوصافِ حمیدہ اور فضائلِ عالیہ کی بنا پر اِس لفظ کا اہل قرار دیا گیا، مگر اس کے ساتھ بندہ بصد معذرت دورِ حاضر کے تمام فاطمی سادات سے مُلتمس ہے کہ وہ محض روایتی انتساب پر فخر کرنے کے بجائے اِس لفظ سے ملقّب ہونے کے حقیقی طور پر مستحق اور اہل بھی بنیں اور صرف پدرم سُلطان بود پر گزارا کرنے سے گریز فرمائیں، جیسا کہ بندہ نے بحوالۂ ملفوظاتِ مہریہ اِسی کتاب میں حضرتِ اعلیٰ گولڑوی ؒ کا ایک ملفوظ نقل کیا، جس میں آپؒ نے ایک پیرزادہ کو نسبی گھمنڈ سے منع فرماتے ہوئے نسب پر حسب کی فضیلت واضح فرمائی اور محض نسب پر بھروسہ کرنے سے روکا۔ خلاصۂ بحث یہ کہ بندہ کے نزدیک سیادت سے متعلق مذکورہ بالا تعریفات کے مطابق اوّلاً میرے حضرت اعلیٰ گولڑوی اور پھر آپ کے لختِ جگر حضرت پیر سیّد غلام محیُ الدّین بابوجی قدس سرّہما جیسی ہستیاں لفظاً و معناً اِس اعزازی لقب

یعنی سیّد سے ملقب ہونے کی اہل ہیں، یا پھر وہ سادات اِس لقب کے اہل ہو سکتے ہیں، جو صوری و معنوی فضائل خصائل، اوصافِ حمیدہ اور ظاہری و باطنی کمالات کے اعتبار سے اپنی ذات کو اپنے عظیم المرتبہ اکابر اسلاف کی چلتی پھرتی تصویر نہ صرف ظاہر ہی کریں، بلکہ محسوس بھی کروائیں۔ اور اگر معاملہ اِس کے برعکس ہو تو ایسے سادات کو فقیر کا یہ مشورہ مفید رہے گا کہ وہ اِس لفظ یعنی سیّد سے وابستہ خصوصیات کے فقدان کی صورت میں خواہ مخواہ اِس کو اپنی ذات پہ منطبق کرنے سے گریز فرمائیں اور خود کو نسباً صرف قریشی یا پھر ہاشمی ہی ظاہر کرنے پہ اکتفا کریں ورنہ وہ اِس صورت میں بدنام کنندۂ نکو نامے چند کا مصداق ہی بن سکیں گے، جو کہ اُن کے عظیم المراتب اکابر سادات کے لیے موجبِ توہین ہے۔ اِس لیے کہ صرف حسنی حسینی کہلانا کچھ اور ہے اور حسنی حسینی کمالات کا خود کو وارث ثابت کرنا کچھ اور ہے۔

یہ عقیدہ ہرگز دُرست نہیں کہ مشائخ خطاء و نسیان سے پاک ہوتے ہیں

آجکل عوام، بلکہ بعض خواص کا بھی مشائخ کے متعلق رافضیوں اور اہلِ تشیّع جیسا عقیدہ ہے، مثلاً آج کل مریدین و متوسلین کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے مشائخ سے خطا سرزد نہیں ہو سکتی اور اُن کا ہر قول و فعل خطا سے پاک ہے اور مشائخ کے درباروں پہ جن رُسوم کا رواج ہے وہ عین شرع اور شریعت کے مطابق ہیں، اِسی عقیدہ کی بنا پہ اگر کوئی آدمی اِن مروّجہ سرگرمیوں پہ اعتراض کرے تو مریدین غضب ناک ہو جاتے ہیں کہ یہ سب کچھ تو بڑے شیخ کے دور سے مروّج ہے، اگر خلافِ شریعت ہوتا تو اُس مقدّس دَور میں اِس کا رواج نہ ہوتا؛ حالانکہ بعض مروّجہ رسمیں یقیناً شریعت کے مطابق نہیں ہوتیں، اِس طرح مریدین کے عقیدہ میں دو خرابیاں آجاتی ہیں۔ اوّل یہ کہ مشائخ سے خطا سرزد ہو ہی نہیں سکتی، یا نہیں ہوتی۔ دوم: مشائخ کے درباروں پہ بعض خلافِ شرع حرکات کو مریدین شریعت سمجھتے ہیں، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ سطورِ ذیل میں اِس پہ دلائل دیئے جائیں گے کہ مشائخ سے خطا سرزد ہو سکتی ہے قرآنِ مجید

میں ہے قولہ تعالیٰ : وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاص درخت کا میوہ کھانے سے منع فرمایا گیا، لیکن شیطان نے اُن کو پھسلایا اور اُنہوں نے میوہ کھا لیا۔ اِس طرح حضرت آدم علیہ السّلام سے خطا سرزد ہوگئی، حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور مسجودِ ملائکہ تھے، تو ثابت ہُوا کہ مشائخ سے جو رُتبہ میں انبیاءؑ سے بہت کم ہیں، بطریقِ اَولیٰ خطا سرزد ہوسکتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مشائخ سے خطا سرزد نہیں ہوسکتی تو پھر مشائخ کا رُتبہ انبیاء سے بھی بڑھ گیا جو بالکل غلط ہے۔ انبیاء علیہم السّلام کی خطا اور مشائخ کی خطا میں دو فرق ہیں جن کا بعد میں ذکر کیا جائیگا۔ اب اِس پر دلیل ملاحظہ ہو کہ مشائخ انبیاءؑ کے برابر بھی نہیں ہوسکتے، چہ جائیکہ بڑھ جائیں، عقائدِ نسفی اور اِسکی شرح میں ہے لا يبلغ ولیّ درجة الانبياء لانّ الانبياء معصومون مأمونون من خوف الخاتمة مکرمون بالوحی فما نقل عن بعض الكرامية جواز كون الولیّ افضل عن النّبیّ کفر۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ کوئی ولی انبیاءؑ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، چہ جائیکہ بڑھ جائے۔ اِس لیے کہ انبیاءؑ معصوم ہیں اور اُن کو اپنے خاتمے کا خوف نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو وحی کی عزت عطا فرمائی، تو بعض کرامیہ کا یہ کہنا کہ ولی، نبی سے افضل ہوسکتا ہے۔ کفر ہے۔

مشائخِ طریقت کے متعلق عوام یا خواص کا یہ عقیدہ کہ ہمارے مشائخ سے کسی قسم کے خطا و نسیان کا صُدور ناممکن ہے پس جو شخص اِن کے کسی قول یا عمل کے ساتھ شرعی دلیل کی بنا پر بھی اختلاف کرے، وہ بے ادب اور گستاخ ہے اور ایسے گستاخ سے میل ملاپ کہنا غیرتِ طریقت کے خلاف ہے، اِس قسم کی سوچ اور نقطۂ نظر محض اندھی عقیدت کی پیداوار ہے، جو نہ صرف ایک عقلمند انسان کے نزدیک ناقابلِ قبول ہے، بلکہ یہ عقیدہ خود اکابر مشائخِ سلف کی اپنی تصریحات کے بھی سرا سر خلاف ہے۔ چنانچہ بندہ کے پیر و مُرشد غوثِ زماں رازیٔ دوراں حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرّہٗ اپنی تصنیف تصفیہ مابین سُنّی و شیعہ میں زیرِ تشریح آیۂ تطہیر تحریر فرماتے ہیں: آیۂ تطہیر کا یہ مطلب نہیں کہ یہ پاک گروہ معصوم ہیں اور صُدورِ خطا ان سے ناممکن ہے۔ (ملاحظہ ہو تصفیہ، ص ۵۴ طبعِ اوّل، مطبوعہ لاہور، سنِ طباعت ۱۹۷۹ء) آپؒ نے یہ جملہ تحریر فرما کر جہاں شیعہ کے بعض عقائدِ باطلہ کا رد کیا، وہاں اپنے اہلِ سُنّت متوسّلین کو بھی بتانا چاہا کہ اہلِ بیت

کے متعلق یہ عقیدہ کسی شیعہ کا تو ہو سکتا ہے، مگر اہلِ سُنّت کا نہیں ہو سکتا اور پھر وہ بھی کسی چشتی قادری اور حنفی المسلک سُنّی کا! بہ سلسلہ خطا و نسیان حضرت اعلیٰ گولڑوی کی محوّلہ بالا تصریح کے تحت اہلِ بیت[1] نہ معصوم ہیں اور نہ یہ کہ اُن سے خطا و نسیان کا صُدور نا ممکن ہے۔ واضح ہو کہ ازواجِ مطہرات اور آلِ عبا کا قیامت تک آنے والے سلاسلِ طریقت کے تمام مشائخ پر بہ شمولِ علماء و فقہاء افضل ہونا ایک مجمع علیہ حقیقت ہے، تو جب مذکورہ فاضل طبقہ سے بھی خطا و نسیان کا صُدور ناممکن نہیں ٹھہرا تو طبقہ مفضول یعنی مشائخ طریقت وغیرھم سے خطا و نسیان کا صُدور بہ طریقِ اَولیٰ ممکن ہوا۔ قارئین! یہاں بہ سلسلہ احکامِ شرعیہ حضرتؒ کی ایک عظیم وضاحت بعض کاذب مدّعیانِ محبتِ اہلِ بیت کو دعوتِ فکر دیتی ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں: "اُس طہر تُم کے یہ معنیٰ نہیں کہ آلِ کساء علیہم السلام کیلئے جُداگانہ احکامِ شرعیہ بھیجے۔ ملاحظہ ہو تصفیہ، ص ۵۶۔ یہ لکھ کر آپؒ نے اُن فاسد العقیدہ لوگوں کے اِس خیال کو رد کر دیا، جن کے نزدیک عوام کی شریعت اور ہے اور اہلِ بیتؓ کی شریعت اور ہے۔ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ حضرت گولڑویؒ کی تحقیق و عقیدہ کے مطابق شرعی احکام کے اطلاق کی حیثیت میں عام مسلمان اور اہلِ بیتؓ دونوں برابر ہیں۔ جو حکم ایک عام مُسلمان کیلئے ہے، وہی حکم اہلِ بیت کیلئے بھی ہے۔ اب فرمایئے کہ حضرت گولڑویؒ کی اِس وضاحتِ شرعیہ کو کیا کوئی سُنّی العقیدہ اہلِ بیتؓ کی گستاخی پر محمول کرنے کی ناپاک جسارت کر سکتا ہے؟ معلوم ہُوا کہ کسی شرعی اور فقہی حکم کو سامنے لانا یا کسی دلیلِ شرعی کی بنا پر مشائخ اور اور اہلِ بیت سے اختلاف کرنا گُستاخی ہرگز نہیں، بلکہ عین دین ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ اور مولانا عبدالحکیم پنجابی اور اُن کے متبعین کے درمیان وما اُھلّ بہٖ لغیر اللّٰہ کی تفسیر، نذر و نیاز اور ذبح فوق العقدہ وغیرہ جیسے مسائل میں جو اختلاف چلا آ رہا تھا۔ حضرت اعلیٰ گولڑویؒ نے ہر دو کے دلائل کا بہ غور مطالعہ فرما کر محاکمہ فرمایا، اِس طرح اعلاء کلمۃ اللّٰہ فی بیان وما اُھلّ بہٖ لغیر اللّٰہ جیسی تصنیف منصّہ شہود پر آئی۔ ایک ملفوظ میں ہے: فرمایا میرے کتاب اعلاء کلمۃ اللّٰہ لکھنے کا باعث اِس بات کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ جیسے تحلیل ما حرم اللّٰہ کفر ہے، ایسا ہی تحریم ما احلّ اللّٰہ بھی کفر ہے (ملاحظہ ہو ملفوظاتِ مہریہ، ص ۶۴، طبعِ دوم، سنِ طباعت ۱۹۷۴ء)[2] اسی طرح آپؒ نے

---

[1] مراد ازواجِ رسول اور آلِ عبا علیہم السلام ۱۲ منہ

[2] مفتی کوہاٹی اور اُس کے ہم عقیدہ حضرات پر واضح ہو کہ بہ سلسلہ نکاح جن رشتوں کی حُرمت پر کوئی شرعی دلیل موجود

(باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت مولانا عبدالرحمن لکھنوی رح کی کتاب کلمۃ الحق کے بعض قابلِ اعتراض مقامات کو بہ دلائلِ شرعیہ رد کیا اور ایک مستقل کتاب تحقیق الحق کے نام سے تحریر فرمائی۔ واضح ہو کہ ان ہر دو بزرگ شخصیات کو حضرت گولڑوی پر تقدمِ زمانی بھی حاصل تھا اور پھر آپ ان ہر دو کی علمی فضیلت کے قائل بھی تھے مگر چونکہ کسی عظیم سے عظیم انسان کے ساتھ بھی شرعی دلائل کی بنا پر اظہارِ اختلاف کرنا کوئی گستاخی اور بے ادبی نہیں بلکہ عین خدمتِ دین ہے لہٰذا حضرت گولڑوی قدس سرہٗ العزیز کے اس عمل سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ رہی ہے کہ آپ کے نزدیک دلائل کی بنا پر اپنے سے کسی عظیم تر شخصیت کے ساتھ بھی اختلاف کرنا اور اپنے موقف کو بہ دلائل ثابت کرنا کوئی گستاخی نہیں، مگر افسوس ہے کہ عقل سے پیدل مفتی اور اسکے ہمخیال اس عمل کو خطا بر بزرگان گرفتن خطا است کے زمرہ میں شمار کر رہے ہیں۔ اگر ان کا یہ نظریہ درست ہی مان لیا جائے تو پھر وہ حضرت اعلیٰ گولڑوی رح کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے؟

قارئین! مشائخ کے ہر اس قول و عمل کی تقلید جائز ہے جو کتاب و سنت کے مطابق ہو ورنہ اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رح کے خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کا یہ ارشاد مشعلِ راہ ہے، جسے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور کتاب اخبار الاخیار میں نقل فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں: مشربِ پیر حجت نمی شود دلیل از کتاب و سنت می باید، ترجمہ۔ پیر کا مسلک (مریدین کے لیے) حجت نہیں، بلکہ دلیل کتاب و سنت سے لینا ہو گی۔ علاوہ ازیں میرے حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ العزیز نے اپنی تصنیف تصفیہ ما بین سنی و شیعہ میں حضرت صدیقِ اکبر رض کے اس خطبے کے دو جملے نقل فرمائے جو آپ نے بیعتِ سقیفہ کے دوسرے دن دیا تھا:

اطیعونی ما اطعتُ اللہ و رسولہٗ۔ فاذا عصیتُ اللہ و رسولہٗ فلا طاعۃ لی علیکم الخ۔ یعنی جس کام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت مجھ سے ظاہر ہو۔ تم بھی اس میں میری اطاعت کرنا اور اگر میں ان کی نافرمانی کروں تو پھر تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ اس کے بعد آپ رح لکھتے ہیں: ان سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ خلافت قبول کرنے

نہیں، بلکہ فقہائے اُمت میں سے کسی نے اُن کی حرمت کا قول نہیں کیا اور ان کے نزدیک ان سے نکاح کرنا حلال ہے، آج کے چند کاریسں مفتی اگر اُن عورتوں سے نکاح کرنے کو کسی شرعی دلیل کے بغیر حرام سمجھیں اور پھر اس کی تشہیر بھی کریں تو کیا وہ حضرت گولڑوی کے اس جملہ تحریم ما احل اللہ کفر ہے کی زد سے بچ کر نکل سکتے ہیں؟ ۱۲ منہ

سے اُن کا مقصد صرف اور صرف خدا اور اُس کے رسُول کی اطاعت تھی۔ (ملاحظہ ہو تصفیہ، از حضرت اعلیٰ گولڑوی ؒ، ص ۳۸، طبعِ اوّل، سنِ طباعت ۱۹۷۹ء)

قارئین! مقدّم الذکر عبارات سے یہ بات کھُل کر سامنے آگئی کہ صحابۂ کرام اور اُن کے بعد مشائخ کا ہمیشہ یہ طریقہ تھا کہ خود اُن کے نزدیک اُن کی اطاعت کا معیار قرآن و سُنّت سے اُن کے اپنے اتّباع کی صُورت میں تھا۔ اُن سے عمداً خلافِ شریعت کسی قول و عمل کا صُدور ایک ناقابلِ یقین اَمر ہے البتّہ بہ تقاضائے بشریّت اگر کسی معاملہ میں اُن سے خطا و نسیان سرزد ہو جائے تو یہ ممکن ہے۔ ایسی صُورت میں اُن کے بجائے کتاب و سُنّت کی طرف رجُوع واجب ہے۔ خلیفۂ اوّل حضرت صدّیقِ اکبرؓ نے جو یہ فرمایا کہ جس کام میں مجھ سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُولؐ کی اطاعت ظاہر ہو، اُس کی تم بھی اطاعت کرنا۔ اِس کا مقصد یہ تھا کہ تمہاری وہ اطاعت میری اطاعت نہ ہوگی، بلکہ دراصل اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت ہوگی۔ اور آپؓ کا یہ فرمانا کہ اگر میں اُن کی نافرمانی کروں، تو پھر تم پہ میری اطاعت واجب نہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ بہ بنائے بشریّت مجھ سے صُدورِ خطا و نسیان بھی ہو سکتا ہے۔ ایسی صُورت میں تم پہ میری اطاعت واجب نہیں۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ایسی صُورت میں بھی تم پہ میری اطاعت واجب ہے اور اگر میری اطاعت نہ کروگے تو گستاخ، بے ادب اور دائرہ اسلام سے خارج قرار پاؤگے۔ صحابۂ کرام اور خود مشائخ کے اِن واضح ارشادات و ہدایات اور عقیدہ کے بعد بھی جو لوگ بہ بنائے دلائلِ شرعیہ، مشائخ سے اختلاف کرنیوالوں کو گُستاخ اور بے ادب وغیرہ کہتے ہیں ایسے عقل کے اندھوں اور کورانہ تقلید کرنے والے عقیدت مندوں کو مذکورہ بالا ارشادات پہ بھی نظر رکھنا چاہیئے، کہ کتنے ہی بڑے انسان کا قول کیوں نہ ہو، شریعت بہر حال شریعت ہے اور وہ اِن سب سے مقدّم اور اہم تر ہے۔

مہرِ منیر میں درج ایک واقعہ سے استشہاد

قارئین! جیسا کہ قبل ازیں بندہ نے دلائل سے ثابت کیا کہ کسی عالم یا شیخِ طریقت کی کسی

تحریر یا قول سے دلائل کی بنا پر اختلاف کرنا گستاخی نہیں، اِس لیے کہ احتمالِ خطا ایک ایسا لاینفک بشری تقاضا ہے، جو ہر شخص کے دامنِ ذہن سے وابستہ ہے۔ اِس نوع کی تحقیقات کا اصلی مقصد کسی ایسے تسامح کو سامنے لانا ہوتا ہے، جس کی بنا پر وہ عبارت یا قول موردِ اعتراض بنا ہوتا ہے۔ جب اصل بات نکھر کر سامنے لائی جاتی ہے تو اربابِ علم پر یہ امر خود مبرہن ہو جاتا ہے کہ اُس تحریر یا قول میں جو خامی تھی، اُس کی نسبت کس طرف جاتی ہے۔ عالمِ دین، شیخِ طریقت یا سوال کنندہ کی طرف۔ الحمد للہ کہ حضرت گولڑوی کے زیرِ تبصرہ فتوای میں موجود مرکزی خامی اور کتمانِ حق کی نسبت سب سے پہلے مستفتیان اور پھر جامعِ فتوای کی طرف ثابت ہوئی۔ اور حضرت کی ذاتِ گرامی اِس تسامح سے مُبرّا قرار پائی۔ اِس نوع کی تحقیق کے جواز کا ثبوت خود حضور کے اپنے اُس عمل سے ملتا ہے، جس کا تفصیلی تذکرہ آپ کی سوانح حیاتِ مہرِ منیر، طبع ششم کے صفحہ ۳۰۲ پر دیکھا جا سکتا ہے۔ مؤلف لکھتے ہیں "درود شریف کبریتِ احمر جو اورادِ غوثیہ قادریہ کے معمولات میں سے ہے اور خاندانِ چشت کے وظائف میں بھی شامل ہے، ایک جگہ فاعشوشب منه الفقر کی جگہ کسی طرح فاغشَوشَبَ تحریر ہو گیا تھا، چنانچہ سیال شریف کے عرس کے موقع پر حضرت (گولڑوی) نے اِس غلطی کی طرف توجہ دلائی تو بعض حلقوں میں اعتراض کیا گیا کہ اب پیر صاحب گولڑہ شریف اپنے مشائخ کے وظائف میں بھی علمی اصلاح کا زور شور دکھانے لگے، مگر حضرت ثانی سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر تحقیق کی گئی تو حضرت کی تصحیح درست پائی گئی"۔

قارئینِ کرام! جس طرح وہاں بعض سیالویوں کا یہ اعتراض غلط تھا کہ حضرت گولڑوی اب اپنے مشائخ کے وظائف میں بھی اپنی علمی اصلاح کا زور شور دکھانے لگے، بعینہٖ یہاں بھی بعض اُن گولڑویوں کا بندہ پر یہ اعتراض قطعاً غلط ہو گا کہ بندہ اپنے شیخ حضرت پیر مہرِ علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ کے فتوای کا تجزیہ اور اُس پر وارد ہونے والے بعض فقہی اعتراضات کو پیش کر کے اُس کی اصلاح میں اپنا علمی زور دکھا رہا ہے۔ جیسا کہ دورانِ خطاب

مفتیِ بدتمیز نے میرے لیے دین فروش اور بے ضمیر مولوی کے الفاظ کے ساتھ کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربا کا بے محل محاورہ استعمال کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر میں یہاں اُس مولوی کا نام لے لوں تو لوگ اُسے جوتیوں[1] کے نیچے دفن کر دیں، مزید یہ کہ قاضی اور حمد اللہ کے ضابطے الگ ہیں اور صوفیاء کے معاملات الگ ہیں۔ بندہ کو معلوم ہے کہ وہ براہِ راست اتنا کچھ کہنے کی جسارت ہرگز نہیں کر سکتا، یہ سب کچھ کہلوایا گیا، یہ اور بات کہ جس قدر کہنے کو کہا گیا اُس پر

---

[1] جھوٹی عزّت کے پرستار اور بندۂ درہم و دینار مفتیٔ دریدہ دہن پر واضح ہو کہ اُس نے بندہ کے حق میں جس سلوک کی دھمکی کا تذکرہ اِس زہر آلود فقرہ میں کیا، یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس لیے کہ اربابِ اقتدار ہر دَور میں کسی بھی حق گو کو اُس کی حق گوئی اور جراَتِ اظہار کا صلہ بڑے سے بڑے توہین آمیز سلوک اور نہایت ہی غیر اخلاقی ایذا رسانیوں کی شکل میں دیتے آئے ہیں۔ انبیاء و مُرسلین سے لے کر صحابہ، تابعین، تبع تابعین، اہلِ بیت، ائمۂ مجتہدین، صُوفیاء اور علماءِ حق کی ایک طویل فہرست اِس کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہے، وقت کے سرکش اور مغرور سلاطین نے اُنہیں کلمۂ حق کے اظہار سے باز رکھنے کی خاطر ہزاروں حیلے کیے اور اُنہیں خریدنا چاہا، لیکن ناکام رہے، چنانچہ شریعتِ مصطفٰے کے سچے شیدائیوں نے اسلام کی سربلندی کے لیے اللہ تعالیٰ کے دین کی راہ میں پیش آنے والی ہر ذلت اور رسوائی کو ہمیشہ اپنے لیے تاجِ عزّت سمجھا۔ یہ درست ہے کہ یہ فقیر محوّلہ بالا روحانی اور قدسی نہاد طبقات کی گردِ راہ کے برابر بھی نہیں، لیکن با ایں ہمہ اِسے یہ فخر ضرور حاصل ہے کہ فاطمۃ الزہرا کے لاڈلے غوثِ زماں حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہٗ جیسے مُرشدِ کامل نے شریعتِ مصطفٰے کی پاسداری و اتباع کا عہد لیتے ہوئے اِس ناچیز کے ہاتھ کو اپنے دستِ پاک کا شرفِ لمس بخشا تھا گویا اِس بیعت کا مقصد ہی یہ تھا کہ اِس فقیر کا ہاتھ کسی بھی حال میں شریعتِ مصطفٰے کا دامن نہ چھوڑے۔ بحمد اللہ کہ فقیر نے ہر میدان میں اپنے پیر و مُرشد کی نُصرتِ روحانی کو محسوس کیا اور مخالف کو شکست دی۔ لہٰذا شریعتِ مصطفٰے کی پاسداری اور احکامِ ربانیہ کا اتباع جہاں میرے اپنے ایمان کا بنیادی تقاضا ہے، وہاں میرے عظیم المرتبت شیخ کا حکم بھی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ بندہ قوانینِ شرعیہ کی بالادستی اور کلمۂ حق کے اعلاء کی خاطر پیش آنے والی ہر ذلّت اور ہر رسوائی کو اپنے لیے ایک عظیم اعزاز اور ذریعۂ نجات سمجھتا ہے، کیونکہ یہ فقیر ایک بلند پایہ پابندِ شریعت شیخ فقید المثال کا کمترین غلام ہونے کے ناطے شریعت کا نمک حلال ہے، مفتی کی طرح نمک حرام نہیں۔ میری طرف سے مفتیٔ ماجن کے محوّلہ جملے کا یہ جواب تھا، جو میں نے تحریر کر دیا۔ اب مفتیٔ بے بضاعت ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر فیصلہ کرے کہ آیا وہ شریعتِ مطہرہ کے کسی حکم کی وضاحت بصورتِ حق گوئی کر سکنے اور پھر اس حق گوئی کی پاداش میں جُوتیوں تلے دفن کر دیئے جانے کی دھمکی کو صرف سُن لینے کا حوصلہ بھی رکھتا ہے، یا اعضاء کے قابلِ حرکت و جُنبش رہنے تک منبرِ وعظ پر اللہ و رسُول کے سامنے فقط اپنی اِس اُچھل کُود کے فن کا یہ بھونڈا مظاہرہ ہی پیش کرتے رہنے کا تہیّہ کیے ہوئے ہے؟ ۱۲ منہ

خطیبِ دریدہ دہن نے کچھ اپنی طرف سے بھی اضافہ کیا ہو۔ بہر حال مسلمانوں پہ واضح ہو کہ جس کے دل میں شریعتِ مصطفےٰ کی ذرہ بھر بھی عزّت واہمیّت ہو گی، وہ میرے اِس پیش کردہ تجزیہ اور تبصرہ کو حضرت گولڑوی کی گستاخی پر قطعاً محمول نہیں کرے گا، بلکہ اِسے حضرت گولڑوی پر لگائے گئے اُن الزامات کا دفاع تصوّر کرے گا، جو فقہِ حنفی کے مسلّمہ اُصول وضوابط کے سراسر خلاف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محمد خان کی قومیت ڈھونڈ ثابت ہونے سے بہ اعتبارِ فقہ حنفی فتوای کی اب وہ نوعیّت نہیں رہی، جو آج تک سمجھی جاتی رہی اور یہ بات فقہاءِ احناف کی معتبر اور مستند کتب کی روشنی میں اظہر من الشمس ہو گئی کہ یہ سوال صرف ایک ایسی لڑکی کے نکاح سے متعلق ہے، جسے لڑکی کے ولیِ اقرب کی رضامندی کے بغیر حبالۂ عقد میں لایا گیا۔ ایسے نکاح کا عندالفقہا الاحناف وہی جواب ہے جس کا تذکرہ اِسی کتاب میں نوادر اور ظاہر الرّوایہ کے حوالے سے بالتّفصیل کر دیا گیا ہے۔ اِس لیے کہ کتبِ فقہ میں اعلیٰ یا ادنیٰ خاندانوں کے لیے الگ الگ قوانین وضع نہیں کیے گئے، بلکہ اِن قوانین کا تعلّق ہر اُس مسلمان سے ہے جو کسی امامِ مجتہد کا مقلّد اور کتاب وسُنّت پر ایمان رکھتا ہو۔ گویا قوانینِ شرعیہ فقہیہ کا عربیوں اور عجمیوں پر یکساں اطلاق ہوتا ہے۔ خواہ سیّدہ فاطمیہ ہو یا کوئی غیر سیّد عجمی، شرعی اور فقہی قوانین سب کے لیے برابر ہیں۔ اور یہ سب مساویانہ حیثیّت سے اِن تمام کے اطلاق کی زد میں ہیں۔

مجتہد سے بھی گاھے خطا سرزد ہو سکتی ہے

عقائدِ نسفی اور اِس کی شرح میں ہے: والمجتهد فى العقليّات والشّرعيّات الاصليّة والفرعيّة قد يُخطى ويُصيب والمجتهد غير مكلّف باصابته لغموضه وخفائه فلذلك كان المخطى معذورًا بل مأجورًا: خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ مسائلِ عقلیہ اور شرعیۂ اصلیہ اور فرعیہ میں مجتہد سے گاہے خطا سرزد ہوتی ہے اور گاہ وہ صواب کو پہنچتا ہے اور اگر مجتہد سے خطا سرزد ہو

تو اُس کو گناہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ثواب اور اجر ملتا ہے اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ مجتہد اللہ تعالیٰ سے اِس اَمر کا مکلّف نہیں ہوتا کہ وہ صواب ہی کو پہنچے، کیونکہ مخفی امر ہے جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اب غور فرمایئے کہ مشہور مُجتہد چار ہیں اور تمام مشائخ سلاسل اِن کے مقلّد ہیں، تو جب ائمّہ اربعہ سے خطا صادر ہو سکتی ہے تو اُنکے مقلّدین مشائخ سے خطا بطریقِ اولیٰ صادر ہو سکے گی۔ مُریدین جو مشائخ کی خطا کو جائز نہیں مانتے وہ سمجھتے ہیں کہ صُدورِ خطا میں مشائخ کی ہتک ہے حالانکہ یہ اُن کی کج فہمی ہے۔ اِس لیے کہ خطا پر مشائخ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب ملتا ہے اور اجر و ثواب عبادت پر ملتا ہے، تو لازم آیا کہ مشائخ کی خطا بھی عبادت ہے۔ اِس لئے اُس کو اُن کی ہتک سمجھنا علمِ شریعت سے ناواقفی ہے۔

انبیاء اور مشائخ کی خطاؤں میں فرق

انبیاء علیہم السلام، مُجتہدین اور مشائخ کی خطاؤں کے درمیان فرق ہے، جو دو وجہ سے ہے اوّل یہ کہ انبیاء علیہم السلام سے جو لغزش اور خلافِ اَولیٰ صادر ہوتا ہے، اُس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ تنبیہ ہوتی ہے مثلاً آدمؑ کو میوہ اور دانہ کھانے کے بعد جنّت سے نکال کر زمین پر اُتار دیا گیا، جبکہ مجتہدین اور مشائخ کو خطا کے بعد کوئی گرفت نہیں ہوتی، بلکہ ثواب ملتا ہے دوم: انبیاء علیہم السلام کو خلافِ اَولیٰ پر تبلا دیا جاتا ہے کہ یہ کام نہیں کرنا تھا۔ لیکن مجتہدین اور مشائخؒ کو اِس کی اطلاع نہیں ہوتی کہ یہ کام کرنا اُن کو مناسب نہ تھا۔

شرعی دلیل کی بناپر مشائخ سے اختلاف گُستاخی نہیں

مشائخ کے کسی قول اور فعل کی مخالفت کو آجکل اُن کی گستاخی پر محمول کیا جاتا ہے تو عرض

---

[۱] چنانچہ اس صورتِ حال سے ملتی ہوئی ایک وضاحت کرتے ہوئے حضرت گولڑویؒ فرماتے ہیں"۔ اولیاء و عُرفا کے کہ ان کے لیے القاء کے وقت اِس قدر اہتمام نہیں کیا جاتا۔ پس رسُول کا علم تو حجّت علی الغیر ہوتا ہے۔ لیکن ولی کا نہیں۔ حضرت گولڑوی کی اِس موضوع پر مزید تصریح کیلئے ملاحظہ ہو، فتاوٰی مہریہ ص، طبع سوم ۱۴۰۸ھ ۱۹۸۸ء ۱۲ منہ

یہ ہے کہ خلاف دو قسم ہے۔ اوّل عناد کی بنا پر اور یہ خلاف یقیناً ناجائز اور گستاخی ہے۔ دوم: وہ خلاف جو دلیل کی بنا پر ہے، تو یہ خلاف گستاخی نہیں، بلکہ بسا اوقات ضروری ہوتا ہے، جیسا کہ ائمۂ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے، چونکہ یہ اختلاف دلیل کی بنا پر ہے، لہٰذا یہ گستاخی نہیں ہے غور فرمایئے کہ حضرت غوثِ اعظم جیلانی اور خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ہم احناف کے بڑے مشائخ سے ہیں اور حضرت غوثِ اعظمؒ حنبلی مذہب سے اور خواجہ غریب نوازؒ شافعی مذہب سے تعلّق رکھتے ہیں اور ہم امام ابوحنیفہؒ کے مقلّد ہیں اور امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد حنبلؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان بے شمار مسائل میں اختلاف ہے، احناف نماز میں رفعِ یدین نہیں کرتے اور حنبلی اور شافعی رفعِ یدین کرتے ہیں، اِسی طرح احناف نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتے جبکہ حنبلی اور شافعی امام کے پیچھے صرف فاتحہ پڑھتے ہی نہیں، بلکہ اُس کو فرض اور ضروری جانتے ہیں؛ تو اس طرح ہم احناف ہر روز پانچ وقت نماز میں حضرت غوثِ اعظمؒ اور حضرت غریب نوازؒ کے خلاف کرتے ہیں، چونکہ یہ خلاف دلیل کی بنا پر ہے اِس لیے نہ غوثِ اعظمؒ کی گستاخی ہے اور نہ خواجہ غریب نوازؒ کی۔ اگر مُطلق خلاف گستاخی ہے تو پھر ہم کو شافعی اور حنبلی ہو جانا چاہیئے۔ یہ عجیب منطق ہے کہ بعض خلاف دلیل کی بنا پر گستاخی قرار دیئے جائیں اور بعض ضروری اور عینِ مذہب قرار دیئے جائیں۔ سیّدنا غوثِ اعظمؓ کے اکثر سوانح میں جو بڑے مستند ہیں مذکور ہے کہ آپؒ اپنے مریدین کو سماع مع المزامیر[1] سے منع فرماتے تھے اور ہم چشتی یہ سماع ہر روز استماع کرتے ہیں، اگر مشائخ کا خلاف گستاخی ہے تو ہمارے سب سے بڑے شیخ تو حضرت غوثِ اعظم رحمہ اللہ تعالےٰ ہیں اِس طرح گویا ہم ہر روز حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ کی گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ

---

[1] لطف کی بات یہ ہے کہ خود اکابر مشائخ چشت کے متعلق سماع بالمزامیر کا ثبوت کسی مستند کتاب میں بہت کم ملتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسے درجۂ اباحت میں رکھا جا سکتا ہے۔ اِس کے باوجود حزبِ مخالف کے قوی اعتراضات اپنی جگہ موجود ہیں۔ آجکل بعض خانقاہوں میں سماع بالمزامیر کو طریقت کا رُکنِ اعظم تصور کیا جاتا ہے، جو اکابر مشائخ طریقت کے اپنے روزانہ کے معمولات کے سراسر خلاف ہے۔ مزید تفصیل کے لیے تاریخِ مشائخ چشت از پروفیسر خلیق احمد نظامی قابلِ مطالعہ ہے۔ ۱۲۰ منہ۔

بات ناقابلِ فہم ہے کہ جس خلاف کو چاہا گستاخی قرار دے دیا اور جس کو چاہا مسلک اور تصوّف قرار دیدیا۔ معقول اور حق کی بات یہ ہے کہ خلافِ مشائخ بر بنائے عناد بلاشبہ گستاخی اور مذموم ہے جبکہ دلیل کی بنا پر اختلاف محمود اور دین ہے۔

تشہّد میں اُنگلی اُٹھانے کا معاملہ

اِسی سلسلے میں ایک اور مثال پیشِ خدمت ہے: تشہّد اور التحیّات میں جو انگشتِ شہادت اُٹھائی جاتی ہے، غوثِ زماں حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی اور حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمھما اللہ ہر دو شیخ تشہُّد میں اُنگلی نہیں اُٹھاتے تھے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اُوپر کے مشائخ کا معمول بھی مشائخ کے اتباع میں عدمِ رفع تھا، لیکن چونکہ دلائل سے رفع کی سُنّیت ثابت ہے اِسلیئے حضرتِ اعلیٰ گولڑوی رفعِ انگشت فرماتے تھے، لیکن ابتداء میں چادر اور کپڑے کے اندر رفع فرماتے تھے، تاکہ دیکھنے والا یہ نہ کہے کہ مشائخ کے خلاف کر رہے ہیں۔ اب ہم متوسّلین بھی رفعِ انگشت کرتے ہیں، تو اگر مشائخ کا خلاف اور اختلاف مطلقاً گستاخی ہے تو لازم آئے گا حضرت اعلیٰ گولڑوی اور ہم سب نے اپنے مشائخ کی گستاخی کی ہے۔ لیکن چونکہ اعلیٰ حضرتؒ کا یہ اختلاف بر بنائے دلیل تھا۔ لہٰذا یہ گستاخی نہیں، بلکہ عینِ دین ہے۔

چنانچہ ملفوظاتِ مہریہ میں ہے: ایک شخص نے عرض کیا کہ مزاراتِ متبرکہ کے آگے سجدہ کرنا، اُن پہ رخسار ملنا اور اُن کے گرد طواف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا: شرعِ ظاہر ان اُمور کی اجازت نہیں دیتی، اِس لیے میں کیسے اِن کے جواز کا فتویٰ دے سکتا ہوں۔ پھر اُس شخص نے عرض کیا کہ میں نے سُنا ہے، اِن اُمور کی اجازت حضور سیالویؒ سے اُن کے ملفوظات میں ثابت ہے۔ فرمایا کہ وہ میرے پیر و مُرشد ہیں، میں اُن کے حال سے تم لوگوں کی نسبت زیادہ واقف ہوں، اللہ تعالیٰ کا جو فرمان ہے اور اُس کے رسُولِ پاکؐ نے جو بیان فرمایا ہے، وہ ہمارے لیے شریعت ہے، ہمیں اُس پہ محکم اعتقاد رکھنا چاہیئے (ملفوظاتِ مہریہ، ص ۱۰۷، طبع

دوم ، مطبوعہ لاہور ، سنِ طباعت ۱۹۷۴ء) اسی طرح یہ فقیر جو براہِ راست غوثِ زماں حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرّہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہے پنجاب کے ایک برائے نام مفتی کی نسبت اپنے شیخ کی علمی شان اور شریعت کے بارے میں آپ کے مقامِ اتباع[1] ، پاسداری اور احتیاط کے سلسلے میں زیادہ باخبر ہے۔ کیا اِس قسم کے ملفوظات یا مشائخ کی ایسی تحریرات اِس قماش کے مفتیوں ، قاضیوں اور خطیبوں کی نظر سے نہیں گزریں یا یہ کہ وہ ایسے مطالب اور مفاہیم عرس کی مجالس میں کیوں بیان نہیں کرتے ۔ آخر اِس سلسلے میں کون سا امر مانع ہے ۔ آپؒ کے مذکورہ بالا ملفوظ سے تین باتیں نتیجے کی صورت میں سامنے آتی ہیں ۔

نتیجۂ اوّل : مشائخ سلاسل سے منسوب ملفوظات میں جو باتیں ظاہرِ شریعت کے معارض نہیں ، وہ قابلِ قبول ہیں اور اُن کی صحتِ انتساب میں بغیر کسی قوی شرعی حجّت کے انکار نامناسب ہے ۔ اور جو باتیں ظاہرِ شریعت کے خلاف ہوں یا اُن پر کوئی اعتراضِ شرعی ہوتا ہو تو وہ کسی ذی علم شیخِ وقت کا کلام نہیں بلکہ ناقل کو سہو ہوا یا پھر اُس کی ذاتی کارستانی اور حاشیہ آرائی متصوّر ہوگی ۔ اور ایسی کسی عبارت یا مفہوم کا کسی عالم شیخِ طریقت سے انتساب صریحاً نادرست قرار دیا جائے گا ۔

نتیجۂ دوم : کہ اُمّت کے کسی بڑے سے بڑے شیخ کی طرف منسوب کسی بھی قول یا عمل کا مدارِ صحت اور معیارِ قبولیت صرف شریعتِ مصطفےٰ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام ہے ۔

نتیجۂ سوم : یہ کہ جب کوئی شخص کسی بھی سلسلے کے شیخ کی طرف منسوب کسی قول یا عمل کو پیش کرے تو اُسے صُمّاً و عُمیاناً یعنی گونگا اور اندھا بن کر قبول نہیں کرنا چاہیئے ، بلکہ اُسے قرآن و سنّت کے مسلّم معیار پر پرکھ کر تسلیم کرنا چاہیئے ، جیسا کہ خود حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرّہ نے مندرجہ بالا

---

[1] اِس کی ایک مثال آپؒ کی اپنی عبارت سے ملاحظہ ہو : اے اگر کسے سجدہ و طواف و دعا بنحو یا فلاں اِفعل کذا بعمل آرد البتّہ مشابہت بعبدۃ الاوثان کردہ باشد و چوں چنیں نیست پس در محلِ طعن نہ باشد ۔ خلاصہ عبارت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قبروں کا طواف یا سجدہ کرے یا اِس قسم کی دُعا مانگے کہ اے صاحبِ مزار ! میرا فلاں کام سرانجام کردے تو اِس سے بُتوں کے پجاریوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جائے گی جو ناجائز ہے اگر اِس قسم کی باتیں نہ ہوں تو محلِ اعتراض نہیں ۔ ۱۲ منہ - (ملاحظہ ہو اعلاء کلمۃ اللہ ، ص ۶۶ ، ۶۷ ، طبع پنجم ، ۱۹۸۵ء)

حضرت شمس الدین سیالوی سے منسوب ایک ملفوظات کا جواب فرمایا، آپ کے نزدیک حضرت سیالوی کوئی ایسی بات کر ہی نہیں سکتے، جو ظاہر شریعت کے خلاف ہو، لہٰذا آپ نے سائل کی اُس روایت کا سرے سے اعتبار ہی نہیں فرمایا، بلکہ اُسے ملفوظ کے بجائے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور شریعت سے تمسک کی تلقین فرمائی کہ ہم سب شریعت کے مکلف ہیں۔ لہٰذا اب کوئی صاحب عقل عقیدت مندیہ کہنے کا مجاز نہیں کہ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ نے اپنے عظیم شیخ طریقت حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہٗ کی طرف منسوب ایک ملفوظ کو رد فرما کر براہِ راست اپنے شیخ کی بے ادبی، ہتک اور گستاخی کا ارتکاب کیا۔

تحریکِ خلافت اور اعلیٰ حضرت گولڑوی کی مخالفت

اِسی طرح ایک مثال پیشِ خدمت ہے۔ جنگِ عظیم اول ۱۹۱۴ء میں ایک تحریک، تحریکِ خلافت کے نام سے چلی تھی، جس میں ہندو، سکھ، مسلمان سب شامل تھے اور انگریز حکومت کے خلاف تھے۔ اُس وقت سیال شریف کے سجادہ نشین حضرت خواجہ محمد شمس الدین شمس العارفین کے پوتے تھے اور وہ اِس تحریکِ خلافت کے زبردست حامی تھے، لیکن حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ اِس تحریک کے خلاف[1] تھے۔ حضرت گولڑوی کا نظریہ تھا کہ مسلمان کفار کے ساتھ اتحاد نہیں کر سکتے اور یہ اتحاد شرع شریف اور قرآنی فرمان کے سراسر خلاف ہے۔ اگر تحریک میں شامل مسلمان کفار کو تحریک سے نکال دیں تو میں تحریک پر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوں۔ اعلیٰ حضرت گولڑوی کا یہ اختلاف سجادہ نشین سیال شریف کے ساتھ اتنا شدید ہو گیا کہ حضرت گولڑوی تقریباً دو سال اپنے پیر خواجہ شمس العارفین کے عُرس پر بھی حاضری نہ دے سکے؛ چونکہ جھنگ اور سرگودھا کے متوسلین سارا سال انتظار کرتے تھے کہ حضرت گولڑوی سیال شریف عُرس پر آئیں گے تو شرفِ زیارت حاصل ہو جائے گا، اِس لئے اِن متوسلین کو بڑا دکھ ہوا، تو

[1] آپ کے اِس اختلافِ رائے کا ذکر ملاحظہ ہو، فتاویٰ مہریہ، ص ۱۰۳، ۱۰۴، طبع سوم سنِ طباعت ۱۹۸۸ء

پیر سید صدیق شاہ صاحب منگوالیؒ نے جو اعلیٰ حضرت کے خلفاء میں سے تھے۔ اِس پر پنجابی میں ایک غزل لکھی جس کا ایک مصرعہ کچھ اس طرح تھا کہ کیوں رانجھن سیال وسارے نی۔ پیا شور اندر جھنگ سارے نی جب یہ غزل عُرس غوث اعظمؓ پر شاہ صاحبؒ کے قوّال نے پڑھی تو لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے۔ بات طویل ہو گئی عرض کرنا یہ مقصود تھا کہ اگر مشائخ کا خلاف مُطلقاً گستاخی ہے تو لازم آئے گا کہ اعلیٰ حضرت گولڑوی نے اپنے پیرزادہ کی گستاخی کی، لیکن چونکہ یہ اختلاف دلیل کی بنا پر تھا، لہٰذا یہ گستاخی نہیں، بلکہ عینِ دین اور شریعت پر عمل تھا۔

ائمہؒ اربعہ کے بارے میں ہمارا عقیدہ کیا ہونا چاہیئے

اب بندہ ایک اہم اور نہایت ضروری مسئلہ ذکر کرتا ہے، جس تک آجکل کے بے سند مفتیوں اور خطیبوں کی رسائی نہیں۔ اِس مسئلہ کا تعلق ائمہؒ اربعہ کے مذاہب سے ہے کہ اُن کے متعلق ہمارا عقیدہ کیا ہونا چاہیئے۔ دُرِ مختار اور شامی میں ہے اذا سئلنا عن مذھبنا ومذھب مخالفنا ای المذاھب صواب قلنا وجوبا مذھبنا صواب یحتمل الخطاء و مذھب مخالفنا خطاء یحتمل الصّواب ای من خالفنا فی الفروع لا ثلث لو قطعت القول لما صح قولنا ان المجتھد یخطی ویصیب فلا تجزم بان مذھبنا صواب البتّة ولا بان مذھب مخالفنا خطاء البتّة۔ عبارتِ مذکورہ کا مطلب بیان کرنے سے قبل دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔ اوّل یہ کہ شرع شریف کے بعض اُصول ہیں اور بعض فروع عبارتِ مذکورہ بالا میں فروع کا ذکر ہے۔ دوم: ایک چیز کا ظن جزم ہوتا ہے اور چیز کا ظن جزم یہ ہے کہ آدمی جانبِ مخالف کو جائز ہی نہیں جانتا، جیسا اللہ واحدٌ اب موحّد اِس کو جائز ہی نہیں جانتا کہ اللہ واحد نہ ہو اور ظن یہ ہے کہ جس چیز کا ظن ہے وہ راجح اور غالب ہے، لیکن مخالف جانب کو بھی کمزور اور مرجوح طور پہ جائز خیال کیا جاتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ ائمہؒ اربعہ کے مقلدین فروع میں ائمہؒ اربعہ سے کسی امام کی تقلید کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی مقلدین سے یہ سوال

کرے کہ آئمہ اربعہ میں سے کس کا مذہب صواب اور درست ہے، تو ہر امام کا مُقلّد یہی کہے گا کہ میرا مذہب صواب ہے، لیکن اس میں خطا کا احتمال ہے اور میرے مخالفین کا مذہب خطا ہے، لیکن صواب کا احتمال رکھتا ہے خلاصہ یہ کہ ہر مقلّد کو یہ ظن ہے کہ میرے امام کا مذہب صواب ہے اور خطا کا کمزور اور مرجوح احتمال ہے۔ اب ہم لوگ جو امامِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلّد ہیں، ہمارا یہ ظن ہے کہ ہمارے امام ابوحنیفہؒ کا مذہب صواب ہے اور اِس میں خطا کا مرجوح احتمال ہے اور ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے متعلق احناف کا یہ ظن ہے کہ اُن کا مذہب خطا ہے اور صواب کا مرجوح احتمال ہے خلاصہ یہ کہ ائمہ اربعہ سے ہر ایک کے مقلّد کو اپنے امام کے مذہب کے صواب کا ظن ہے اور صواب کا جزم نہیں ہے۔ اِس کی دلیل علّامہ شامیؒ نے یہ دی ہے کہ اگر ہر مقلّد کو اپنے مذہب کے صواب کا جزم ہو تو یہ قاعدہ باطل ہوگا کہ المجتہد یُخطی ویُصیب۔ کیونکہ جزم کی جانبِ مخالف جائز ہی نہیں ہوتی، تو ہر امامِ مجتہد سے صواب ہی صادر ہوگا اور خطا کا صُدور جائز ہی نہیں تو قاعدہ مذکورہ باطل ہوا کہ مجتہد سے خطا صادر ہوسکتی ہے۔ اِس تطویل کے بعد عرض ہے کہ حضرت غوثِ اعظمؒ امام احمدؒ کے مقلّد اور خواجہ غریب نوازؒ امام شافعیؒ کے مقلّد ہیں اور اِن دو مشائخ کا مذہب امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور ہم احناف کے قاعدے کے مطابق یہ ظن ہے کہ یہ ہر دو مذہب خطا ہیں تو ہمارے نزدیک حضرت غوثِ اعظمؒ خواجہ غریب نوازؒ کا اور دوسرے مشائخ حنبلی، شافعی اور مالکی کا مذہب خطا ہوگا، تو اگر مشائخ کا خلاف اور مشائخ سے اختلاف مُطلقاً گستاخی ہے تو ہم سب احناف اہلِ سُنّت مشائخ کے گستاخ ٹھہرے۔ اِس طرح ہم میں اور گستاخ وہابیوں میں کوئی فرق نہ ہوا، تو جواب یہ ہے کہ ہم احناف کا خلاف اور اختلاف دلیل کی بنا پر ہے، لہٰذا یہ کوئی گستاخی نہیں۔ اب بندہ مُطلق خلاف مشائخ کو گستاخی سمجھنے والوں کو کہتا ہے کہ حضرت غوثِ اعظمؒ اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی گستاخی سے

تم اُس وقت بچ سکتے ہو کہ حنبلی اور شافعی ہر دو مذہب اختیار کرو اور دو مذہب اختیار کرنا ایک تو محال ہے اور دوسری خرابی یہ ہوگی کہ جب تم امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے مقلد ہو جاؤ گے تو جو مشائخ حنفی مذہب کے پیروکار ہیں اُن کے مذہب کو خطا خیال کر کے اُن کی گستاخی کا ارتکاب کرو گے۔ خلاصہ یہ کہ مشائخ سے اختلاف کو مطلقاً گستاخی تصور کرنا ایک احمقانہ عقیدہ ہے، جس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں۔ دُرِّ مختار میں اُن اکابر مشائخ کا تفصیلاً ذکر موجود ہے، جو امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ مثلاً ابراہیم ادھمؒ، شقیق بلخیؒ، معروف کرخیؒ، ابی یزید بسطامیؒ، فضیل ابن عیاضؒ، داؤد طائی، ابی حامد لقافؒ، خلف بن ایوبؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، وکیع بن جراحؒ ابی بکر وراقؒ وغیرہم علامہ شامیؒ نے اِن سب کے احوال ذکر کئے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے سوا جو تین ائمہ ہیں، اُن کے مقلدین مذکورہ بالا مشائخ کے مذہب حنفی کو مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق خطاء جانتے ہیں، اگر مشائخ سے اختلاف مطلقاً گستاخی ہے تو کیا ائمہ ثلاثہ کے مقلدین مذکورہ بالا مشائخ کے مذہب حنفی کو مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق خطا جانتے ہیں، اگر مشائخ سے اختلاف مطلقاً گستاخی ہے تو کیا ائمہ ثلاثہ کے مقلدین نے مذکورہ بالا مشائخ احناف کی گستاخی کی ہے؟ لہٰذا یہ کہنا پڑے گا کہ دلیل کی بنا پر اختلاف گستاخی نہیں ہے۔ تو اب ائمہ ثلاثہ کے مقلدین نے مشائخ حنفیہ کی کوئی گستاخی نہیں کی؛ اِس لیے کہ یہ اختلاف دلیل کی بنیاد پر ہے۔

اُستاد اور پیرومُرشد کی فیض رسانی کا فرق

قارئین! اب یہاں ایک اہم مثال پیش کی جاتی ہے، جس میں مشائخ کے خلاف اور اختلاف کا ذکر ہے، اِس اختلاف کے بیان سے قبل ایک تمہید ضروری ہے، وہ یہ کہ ایک اُستاد ہوتا ہے، جس سے ہر طالب علم قرآن و حدیث، فقہ اور دیگر علوم پڑھتا ہے اور دوسرا پیرومُرشد اور شیخ طریقت ہوتا ہے، جس سے ہر مُرید بیعت کرتا ہے اِن ہر دو کے فیض میں فرق ہے۔ اُستاد کا فیض پیرومُرشد کے فیض سے واضح تر ہوتا ہے، اِس لئے

کہ کوئی طالب جب کسی اُستاد کے پاس دو تین سال رہتا ہے تو وہ یہ ہرگز نہیں کہتا کہ میں جس حالت میں آیا تھا، آج تین سال کے بعد بھی وہی حالت ہے، بلکہ وہ بداہتہً جانتا ہے کہ اُسے اتنا فائدہ ہوا ہے، یہ حکم ہر اُس طالب علم کا ہے، جو تین سال تک اُستاد سے علمِ دین پڑھتا رہا ہو۔ اس طرح ہر طالب علم واضح طور پر اُستاد کا فیض محسوس کرتا ہے۔ آج جتنے عُلما ہیں یہ اساتذہ کے فیض کا اثر ہیں، بخلاف پیر و مرشد کے کہ ہر مُرید یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے بیعت کیے دس سال گزر گئے ہیں، پہلے سال میں نے تصوّف اور سلوک کا فلاں مرتبہ حاصل کیا، دوسرے سال ترقی کر کے فلاں مرتبہ تک پہنچا اور اسی طرح ہر سال ترقی کرتے کرتے آج تصوّف کے فلاں مرتبہ پر فائز ہوں، یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں علما کی تعداد مشائخ سے زیادہ ہوتی ہے۔

یہاں بیعتِ مروّجہ سے متعلّق حضرت اعلیٰ گولڑوی قدس سرہٗ پر کیے جانے والے سوالات اور آپ کے جوابات کا اقتباس مختصراً پیش کیا جاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتاوٰی مہریہ، ص ۴۹، ۵۰، طبعِ سوم، جنوری ۱۹۸۸ء مطبوعہ لاہور)

سوال نمبر ۸ کی عبارت: یہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پیر کو خدا بنا لیتے ہیں یا (پیر[1]) خود خدا بن جاتے ہیں۔ اب حضور عالمِ باعمل بھی ہیں اور حضور کے متوسّلین بھی بہت ہیں۔ اُن میں واصلِ حق کتنے ہوئے اور کتنے طالبانِ حق ہیں؟ اِن سب کا جواب حضور اپنے قلم سے تحریر فرما دیں، تاکہ احقر کو تسلّی ہووے؛ ورنہ صوفیائے زمانہ کو دیکھ کر عقل بھی حیران ہوتی ہے کہ خلافِ حکمِ شرع کو فقیری سمجھتے ہیں، یا رقص و سرود و عشق بازی کو،

---

[1] قوسین میں پیر کا لفظ اس لیے تحریر کیا گیا کہ ابہام رفع ہو جائے۔ اِس جُملے سے عام قاری کو خیال گزرتا ہے کہ شاید خود مُرید خُدا بن جاتے ہیں۔ حالانکہ سائل کا مقصد یہ ہے کہ یا تو مریدین پیروں کو خُدا بنا لیتے ہیں یا خود پیر خُدا بن بیٹھتے ہیں۔ اگر یہ مفہوم مُراد نہ لیا جائے تو جس بدبخت مُرید نے خُدا بننے کی ٹھان ہی لی ہو تو اُسے کسی شیخ یا پیر کے پاس جانے کی کیا حاجت یا وہ پھر ان کو کیسے خاطر میں لائے گا۔ ۱۲ منہ

عشق بازی ناقصوں کو داعیٔ شہوات ہے اور خوف ہے کہ مرتکبِ معاصی ہو جاویں (انتہیٰ) اب میرے حضرت گولڑوی کی جوابی عبارت ملاحظہ ہو : بیعت کا فائدہ کتاب دیکھنے سے حاصل نہیں ہو سکتا، اِس کی وجہ (جواب) نمبر۲ میں موجود ہے۔ نیز حصولِ مطلب کے لیے کوئی مدت معین نہیں۔ علیٰ حسبِ اختلاف فی الاستعداد زمانہ کی کمی بیشی متصور ہو سکتی ہے۔ زمانۂ موجود میں کن صاحبان کے لاکھ یا زیادہ مُرید ہیں ؟ اگر بہ اوصافِ مندرجہ (جواب) نمبر۴ واقعی شیخ ہے تو ضرور مُرید کے لیے کم از کم پابندیٔ احکامِ شرعیہ ہونی چاہیئے ؛ دوسری صورت میں ایک یا ہر دو کا قصور متصور ہو سکتا ہے۔ (انتہیٰ)

میرے حضرت گولڑوی قدس سرہ کے محوّلہ بالا جواب سے جو اہم ترین نتائج سامنے آتے ہیں، وہ درجِ ذیل ہیں : (۱) جس طرح علوم و فنون کا حصول کسی ماہر اور لائق اُستاد سے سبقاً پڑھے اور عملاً سیکھے بغیر ذاتی مطالعہ پر انحصار کرتے ہوئے مشکل ہے؛ اُسی طرح صرف کتبِ تصوف کی اوراق گردانی پر اکتفا کرتے ہوئے کسی شیخِ کامل کی صحبت اختیار کیے بغیر مقاماتِ عرفان کا طے کر لینا مشکل ہے۔ مگر اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ طریقت والوں کو علمِ شریعت کی ضرورت ہی نہیں رہتی، چنانچہ آپؒ جواب نمبر۵ میں فرماتے ہیں : طریقت شریعت کے برخلاف نہیں؛ شریعت خدا اور رسول کی ہدایت اور ارشاد ہے اور طریقت اُس پر چلنے کو کہتے ہیں[1]۔ اِس سے واضح ہو گیا کہ شیخ کے لیے عالمِ شریعت ہونا شرطِ اوّلیں ہے۔ بقولِ حضرت شیخ سعدیؒ ع کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

(۲) حصولِ مدعا کا انحصار فطری استعداد پر ہے اور استعداد کا تعلق شیخ اور مُرید دونو سے ہے۔ جس طرح اُستاد اور شاگرد میں بہ اعتبارِ استعداد اختلاف اور کمی بیشی ہوتی اور ہو سکتی ہے، اِسی طرح شیخ اور مُرید میں بھی بہ اعتبارِ استعداد کمی بیشی ہوتی اور ہو سکتی ہے

(۳) شیخ اور مُرید دونو کے لیے احکامِ شرعیہ کی پابندی شرطِ اوّلیں ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو فتاویٰ مہریہ ص ۴۹ تا ۵۱، طبع سوم ۱۹۸۸ء

(۴) حقیقی شیخ وہ ہے، جو خود بھی احکامِ شرعیہ کا پابند ہو اور مُریدین سے بھی اِس کی پابندی کروائے۔ جہاں یہ صورت نہ ہو تو شیخ اور مُرید دونو یا پھر دونو میں سے ایک کا قصور متصوّر ہو گا۔ یعنی اگر شیخ پابندِ شرع ہے، مگر مُرید پابندِ شرع نہیں تو ایسا مرید ناقص اور قصوروار متصوّر ہو گا۔ میرے حضرت قدّس سرّہٗ کے اِس مبنی بر حقیقت اور غیر جانبدارانہ جواب نے دو ٹوک فیصلہ کر دیا کہ مُرید کے صادق اور شیخ کے کامل ہونے کا واحد معیار پابندیٔ احکامِ شریعت ہے۔ آپؒ کے اِس جواب سے اِس باطل عقیدے کی تردید بھی ہو گئی کہ صرف مُرید ہی میں نقص و قصور ہوتا ہے، مشائخ ہر حال میں کامل ہی ہوتے ہیں، چاہے پابندیٔ شریعت کریں یا نہ کریں۔ اِس کے ساتھ بعض مادہ پرست مریدین کے اِس خیالِ باطل کی تردید بھی ہو گئی کہ مُرید بے چارے تو طلب اور تڑپ کے اعتبار سے صادق ہی ہوتے ہیں، اگر کوئی نقص یا قصور ہوتا ہے تو مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپؒ کے اِس جواب نے اِن ہر دو نقطہ ہائے نظر کو رد فرما دیا۔ خلاصہ بحث یہ کہ شیخ ہو یا مُرید حضرت اعلیٰ گولڑویؒ کی اِس وضاحت کے بعد دونو کی صداقت و کمال صرف اور صرف احکامِ شرعیہ کی پابندی اور اُن کے احترام پر موقوف و منحصر ہے۔ اگرچہ مدارس میں زیرِ تعلیم طلبہ اور مشائخ کے مُریدین میں ایک خطِ امتیاز موجود ہے۔ طلبہ مدارس میں ہر روز جاتے اور زیادہ سے زیادہ وقت اساتذہ سے حصولِ علم میں صرف کرتے ہیں، بخلاف مریدین کے کہ بیعت کے بعد سال بھر میں چند مرتبہ خدمتِ شیخ میں حاضری دیتے ہیں اور وہ بھی سرسری ملاقات کی حد تک۔ اور پھر موجودہ دَور کی اکثر درگاہوں میں مریدین کو مشائخ براہِ راست تعلیمِ سلوک دیتے نظر نہیں آتے، جس طرح مشائخِ سلف کے ہاں مریدین کچھ عرصہ قیام کر کے براہِ راست اپنے شیخ سے اشغال و اوراد اور تزکیۂ نفس کی تربیت حاصل کیا کرتے تھے۔ بہر حال طلبہ اور مریدین میں اِس بنیادی فرق کے باوجود حصولِ فیض ایک قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ تصوّف کی تربیت گاہوں میں مشائخِ سلف جیسا

اب وہ انتظام و اہتمام نظر نہیں آتا، بخلاف مدارس کے کہ وہاں آئے دن علومِ شرعیہ کے حصول کی خاطر معقول تعداد میں تشنہ گانِ علم آتے ہیں' اساتذہ کے ذریعہ سے اُنہیں تعلیم دی جاتی ہے سالانہ امتحان لیا جاتا ہے اور چند سال گزارنے کے بعد خود طلبہ اور اُن کے اہلِ خانہ کو اُن کی علمی قابلیت کا اندازہ محسوس ہونے لگتا ہے۔ کہ اگر اُن کا بچّہ آج سے پانچ سال قبل معمولی اور محدود علم رکھتا تھا تو آج وہ مدرّس ہے یا منصبِ افتار پر فائز ہو چکا ہے ۔ مگر خاص طور پر دَورِ حاضر کے مریدین میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ بیعت ہونے کے بعد کتنے سالوں میں اُس کی کتنی رُوحانی تربیت ہوئی اُس نے کتنے مراتبِ عرفان طے کیے اور آج وُہ ولایت کے کس مرتبہ پر فائز ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا اُس کے اِن ارتقائی مراحل کو محسوس کر سکتا ہے۔ بہ جُز اِس کے کہ یہ صاحب فلاں پیر صاحب کے مُرید ہیں۔ اِس بنیادی اور غیر معمولی فرق کی اصلی وجہ وہی ہے جو میرے حضرت گولڑوی قدّس سرّہٗ نے بہ سلسلۂ پیر و مُرید بیان فرما دی کہ شریعت کی عدمِ پابندی اور عدمِ علم کے سبب یا تو شیخ اور مُرید ہر دو میں قصُور اور کمی ہو سکتی ہے یا ہر دو میں سے کسی ایک میں ۔ اِس تمہید کے بعد عرض یہ ہے کہ اس فقیر عطا محمد چشتی گولڑوی کے متعدد اساتذہ ہیں، جن سے درسِ نظامی پڑھا، لیکن تمام اساتذہ سے بڑے اور بزرگ تر اُستاد حضرت علاّمہ فقیہ العصر مولانا یار محمد بندیالوی قدّس سرّہٗ العزیز ہیں۔ آپ تشہّد میں اُنگلی نہ اُٹھاتے تھے، اور اِس پر اپنی فاضلانہ تقریر میں فرمایا کرتے تھے کہ رفعِ انگشت معلوم الحقیقت اور مجہول الکیفیّت ہے یعنی یہ تو حدیث شریف سے ثابت ہے کہ حضور رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم نے رفعِ انگشت فرمایا ہے، لیکن رفع کی کیفیّت مجہول ہے، اِس لیے کہ احادیث میں رفعِ انگشت کے طریقے مختلف ہیں اب اگر ہم ایک طریقہ پر انگشت اُٹھائیں تو ہو سکتا ہے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُس انداز سے رفعِ انگشت نہ کیا ہو، تو اس طرح نماز میں کراہت لازم آئے گی جب کہ

رفعِ انگشت زیادہ سے زیادہ مُستحب ہے اور مُستحب کی ادائگی میں کراہت کا خطرہ ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ نہ اُٹھائی جائے۔ نیز فقہاء نے لکھا ہے کہ انگشت کلمۂ لَا پر اُٹھائی جائے اور کلمۂ اِلَّا اللہ پر رکھ دی جائے، لیکن کسی مُستند حدیث سے تاحال بندہ کو معلوم نہیں ہوا کہ تشہّد میں انگشت کس جگہ اُٹھائی اور رکھی جائے۔ یہاں تک میں نے رفعِ انگشت کے متعلق اپنے اُستادِ محترم و مکرّم رحمہ اللہ تعالٰی کے طریقہ اور تحقیق کا تذکرہ کیا، لیکن بر ایں ہمہ میں نہ صرف رفعِ انگشت کا قائل ہی ہوں؛ بلکہ تشہّد میں رفعِ انگشت کرتا بھی ہوں۔ بعض دیگر مسائل میں بھی میرا فتوٰی اُستادِ مکرّم علیہ الرّحمہ کے فتوٰی کے خلاف ہے لیکن آج تک کسی مُستند عالم نے مجھے یہ نہیں کہا کہ تم نے اُستاد کا خلاف کر کے اُستاد کی گستاخی کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اختلاف دلیل کی بنا پر ہے؛ لہٰذا کسی معقول آدمی کے نزدیک یہ گستاخی نہیں رہے نامعقول تو اُن کی بات کا اعتبار ہی نہیں۔

اِقامت کے دوران کھڑے ہونے کا مسئلہ اور خوشامدی مُفتیوں کا کتمانِ حق۔

قارئین! تمام احناف کا اِس پر اتّفاق ہے کہ جماعت کے وقت جب اقامت کہی جائے تو اقامت سے پہلے تمام نمازی اور امام بیٹھ جائیں، کھڑے ہو کر سُننا مکروہ ہے اور جب اقامت کہنے والا حیّ علی الصّلوٰۃ پڑھے تو اُس وقت نمازی اور امام کھڑے ہو جائیں؛ صرف اقامت کہنے والا کھڑے ہو کر اقامت پڑھے اور دورانِ اقامت اگر کوئی نمازی نماز پڑھنے مسجد میں داخل ہو اور مُقیم حیّ علی الصّلوٰۃ تک نہ پہنچا ہو تو اُسے بھی بیٹھ جانا چاہیئے، اُس کے لیے بھی کھڑے ہو کر اقامت سُننا مکروہ ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔ شرح وقایہ کے متن میں ہے: ویقوم الامام والقوم عند حیّ علی الصّلوٰۃ۔ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: ویقوم الامام ای من مواضعھم الی الصّف وفیہ اشارۃ الیٰ انہ اذا دخل المسجد یکرہ لہ انتظار الصّلوٰۃ قائماً بل یجلس فی موضع ثمّ یقوم عند حیّ علی الصّلوٰۃ۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ جب کوئی آدمی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں داخل ہو، تو اُسے کسی جگہ بیٹھ جانا چاہیئے، کھڑے ہو کر نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے، اِسی طرح دوسرے نمازی اور امام بھی بیٹھ جائیں اور جب حیّ علی الصّلوٰۃ پڑھا جائے تو امام اور سب نمازی اپنی جگہوں سے اُٹھ کر صف میں داخل ہو جائیں۔ دُرِّ مختار اور شامی میں ہے ....۔ دخل المسجد والمؤذّن یقیم قعد الیٰ قیام الامام فی مُصلّاہ ویکرہ لہ الانتظار قائماً ولکن یقعد ثمّ یقوم اذا بلغ المؤذّن حیّ علی الفلاح۔ ھندیہ عن المضمرات۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ کوئی آدمی مسجد میں داخل ہُوا اور مؤذّن

اقامت یعنی تکبیر پڑھ رہا ہو تو وہ داخل ہونے والا بیٹھ جائے اور اُس وقت اُٹھے، جب امام اُٹھے گا، اُس کے لیے یہ مکروہ ہے کہ کھڑا رہے اور امام و نماز کا انتظار کرے؛ بلکہ اُس داخل ہونے والے کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ وہ بیٹھ جائے، پھر جب مؤذّن حیّ علی الفلاح تک پہنچے تو اُس وقت کھڑا ہو۔ یہ تمام مسئلہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے اور اِس نے مُضمرات کتاب سے نقل کیا ہے۔ بحر الرّائق میں ہے: ولو اخذ المؤذّن فی الاقامة و دخل رجلٌ فی المسجد فانّه یقعد الیٰ ان یقوم الامام فی مصلاّہ۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ مؤذّن نے اقامت پڑھنا شروع کی اور ایک مرد مسجد میں داخل ہُوا تو اُس نَووارد کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ وہ بیٹھ جائے اور اُس وقت اُٹھے، جب امام اپنی جگہ پہ کھڑا ہو۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ امام بھی دورانِ اقامت بیٹھا رہے اور جب مسجد میں اقامت کے وقت داخل ہونے والے کے لیے بیٹھ جانے کا حکم ہے، تو جو مُقتدی پہلے سے مسجد میں داخل ہیں، اُن کے لیے تو اقامت کے دوران بیٹھنا بطریقِ اَولیٰ ثابت ہو گا۔ اور اِسی میں امام کا اتّباع بھی ہے۔ مذکورہ بالا عبارات سے ثابت ہُوا کہ اقامت کے وقت کھڑا رہنا مکروہ ہے۔ اب مکروہ دو قسم ہے۔ مکروہِ تحریمی اور مکروہِ تنزیہی۔ دیکھنا یہ ہے کہ اقامت کے وقت کھڑا رہنا کونسا مکروہ ہے۔ تو علاّمہ شامیؒ نے فرمایا کہ جب مطلق مکروہ ذکر کیا جائے؛ یعنی نہ تحریمی کی قید ہو اور نہ تنزیہی کی تو اِس سے مکروہِ تحریمی مُراد ہوتا ہے اور عباراتِ مذکورہ بالا میں جو کہا گیا کہ اقامت کے وقت کھڑا رہنا مکروہ ہے تو یہاں مطلق مکروہ کہا گیا ہے، کوئی قید ذکر نہیں کی گئی، لہٰذا یہ کھڑا رہنا مکروہِ تحریمی ہو گا، جو حرام کے قریب ہوتا ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔ شامی میں ہے: المکروہ تحریماً وھو ما کان الی الحرام اقرب و یسمّیہ امام مُحمّد حراماً ظنّیاً المکروہ فی ھٰذا الباب نوعان احدھما

ماكره تحريمًا و هو المحتمل عند اطلاقهم كما فی زكوٰة فتح القدير: خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ مکروہِ تحریمی وہ ہے جو حرام کے بہت قریب ہے اور امام محمد "مکروہِ تحریمی کو حرامِ ظنّی کہتے ہیں اور جب مُطلق مکروہ کا ذکر ہو اور اُس کے ساتھ تحریمی یا تنزیہی کی قید نہ ہو تو اِس سے مراد مکروہِ تحریمی ہوتا ہے اور اِس مسئلہ کو فتح القدیر نے کتاب الزّکوٰۃ میں ذکر کیا ہے۔ طحطاوی شرح مراقی الفلاح میں ہے: واذا اخذ المؤذّن فی الاقامة ودخل رجل المسجد فانّه يقعد و لا ينتظر قائمًا فانه مكروه كما فی المضمرات و يفهم منه كراهة القيام ابتداء الاقامة والنّاس عنه غافلون۔

خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ مؤذّن نے اقامت شروع کی اور اُس وقت ایک مرد مسجد میں داخل ہُوا، تو اُسے چاہیئے کہ بیٹھ جائے، کھڑا ہو کر نماز کا انتظار نہ کرے۔ اِس لیے کہ یہ مکروہ ہے اور یہ مُضمرات میں ہے۔ تو اِس سے معلوم ہُوا کہ ابتدارِ اقامت میں کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے اور لوگ اِس سے غافل ہیں کہ ابتدارِ اقامت میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور کراہیت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ بندہ نے مستند کُتبِ فقہ سے ثابت کیا ہے کہ ابتدارِ اقامت کے وقت امام اور مُقتدیوں کا نماز کے لیے کھڑا ہونا اور جو مُقتدی دورانِ اقامت مسجد میں داخل ہُوا، اُس کا کھڑے ہو کر نماز کا انتظار کرنا، دونوں مکروہ ہیں اور امام و مُقتدی اِس کراہت سے غافل ہیں۔ یہ کس قدر افسوسناک امرِ واقعہ ہے کہ اکثر درباروں پہ اِس کراہت کا ارتکاب کیا جاتا ہے، لیکن چاپلوس اور خوشامدی مُفتی و خطیب یہ اہم مسائل درباروں پہ بیان نہیں کرتے اور بے سروپا خلافِ تحقیق باتوں کی تبلیغ کر کے عوام سامعین کو گمراہ کرتے ہیں؛ حالانکہ مشائخ کے دربار رُشد و ہدایت کا مرکز ہوتے ہیں، پھر المیہ یہ کہ جب مشائخ کے مریدین کو یہ مسئلہ بتایا جاتا ہے تو وہ سُنکر سرے سے مسئلہ کا انکار کر دیتے ہیں کہ یہ شریعت کا مسئلہ ہی نہیں اور

دلیل یہ ہوتی ہے کہ ہمارے مشائخ کے درباروں میں اِس پر عمل نہیں ہے۔کتنی افسوسناک بات ہے کہ مشائخ کے حوالے سے ایک شرعی مسئلہ کو غیر شرعی قرار دیا جائے۔خوشامدی مُفتی اور خطیب اِس قسم کے مسائل درباروں پر اِس لیے بیان نہیں کرتے کہ شاید مشائخ ناراض ہوجائیں گے، حالانکہ اُن کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔شرعی مسائل کے بیان سے مشائخ ہرگز ناراض نہیں ہوتے، یہاں اِس کی دو مثالیں پیشِ خدمت ہیں :

شیخ الاسلام خواجہ محمدّ قمر الدّین سیالویؒ کی حق پسندی

بندہ جب شیخ الاسلام خواجہ محمدّ قمر الدّین سیالویؒ کے دَور میں سیال شریف میں خدمتِ تدریس پر مامور تھا تو اِس اقامت کے مسئلہ پر بندہ کی حضرت شیخ الاسلامؒ کے ساتھ گفتگو ہوئی، پہلے تو وہ ابتداءِ اقامت میں بیٹھنے کے مُنکر تھے، لیکن دلائل سُن کر اِس بات کو تو مان گئے کہ ابتداءِ اقامت میں بیٹھنا چاہیئے؛ لیکن اِس کے مُنکر تھے کہ جب اقامت شروع ہوجائے تو اُس وقت آنے والا آدمی کھڑا نہ رہے، بلکہ بیٹھ جائے۔بندہ نے عرض کیا کہ کُتبِ فقہ میں زیادہ ذکر اِس مسئلے کا ہے کہ اقامت شروع ہونے کے بعد جو آدمی آئے وہ بیٹھ جائے اور کھڑا ہوکر انتظار نہ کرے، اِس پر بندہ نے شامی کی عبارت پیش کی تو فوراً فرمایا کہ اب مان گئے۔ اِس سے ثابت ہُوا کہ مشائخ دلیل کے ساتھ شرعی مسئلہ ذکر کرنے پر ہرگز ناراض نہیں ہوتے، بلکہ تسلیم کر لیتے ہیں۔

حضرت قبلہ بابُوجی علیہ الرحمہ کی قابلِ تقلید پاسداریٔ شریعت

یہ نیاز مند ۱۹۴۸ء میں اپنے حضرت محبوبِ الٰہی خواجہ سیّد محی الدّین شاہ صاحب بابُوجی قدّس سرّہُ العزیز کی ہمرکابی میں پہلی دفعہ بغداد شریف حاضر ہُوا۔ قافلہ تقریباً ۱۰۰ متوسلین پر مشتمل تھا، جس میں پشاور کے سیٹھی صاحبان اور ملتان کے خواجگان بھی تھے۔

چونکہ یہ قانون ہے کہ بیرونِ مُلک جانے کے لیے پاسپورٹ پر فوٹو چسپاں کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے مجھے فوٹو بنوانے کے لیے کہا گیا، لیکن میں نے یہ عرض کرتے ہوئے انکار کر دیا چونکہ فوٹو بنوانا ائمۂ اربعہ کے نزدیک حرام ہے، لہٰذا میں حرام کا ارتکاب کر کے حضرت غوثِ اعظم محی الدین رضی اللہ عنہ کے دربار پر کیسے جا سکتا ہوں، پورے قافلہ میں صرف اِس فقیر کا فوٹو نہیں تھا، یہ امر حیرت انگیز ہے کہ یہ نیاز مند بغیر فوٹو عراق گیا اور واپس آیا۔ یہ بحری سفر تھا، جہاز میں سیٹھی صاحبان بندہ کے ساتھ مُناظرہ کرتے تھے کہ تم نے یہ انوکھا مسئلہ نکالا ہے، ہم لوگ بغرضِ تجارت غیر ممالک میں جاتے ہیں اور پاسپورٹ پر فوٹو چسپاں کرنا ضروری ہوتا ہے۔ تو میرے حضرت رضی اللہ عنہ اِس مناظرہ میں اِس نیاز مند کی طرف داری کرتے ہوئے سیٹھی صاحبان کو فرماتے تھے کہ تمہارا اِس کے ساتھ مناظرہ کرنا مناسب نہیں ہے، اِس لیے کہ یہ کہتا ہے کہ شریعت میں فوٹو حرام ہے؛ اب اِس کے ساتھ تمہارا مناظرہ گویا شریعت کے ساتھ مناظرہ ہے، جو یقیناً مناسب نہیں۔ قارئین! غور فرمایئے کہ میرے حضرت قُدِّس سرّہ العزیز نے اِس فقیر سے دلیل طلب کیے بغیر میرے کہنے پر اعتماد کیا کہ فوٹو ائمۂ اربعہ کے نزدیک حرام ہے اور میری طرفداری فرمائی۔ یہ شریعت کے احترام و عزّت کی انتہا ہے۔ پھر آگے سنیئے! جب ہم حضرت رضی اللہ عنہ کی ہمرکابی میں واپس پاکستان پہنچے تو میں چند دن گھر ٹھہر کر گولڑہ شریف حاضر ہُوا۔ مولانا محمد حسین شوقؒ پپلاں والے بھی جو میرے اُستاد زادہ ہیں زیارت کے لیے حاضرِ دربار ہوئے؛ جب یہ نیاز مند آپ کی مجلس میں حاضر ہُوا تو حضرت بابوجیؒ نے اپنی جیب سے تین عدد فوٹو نکالے اور مجھے عنایت فرمائے اور کہا کہ میرے پاس صرف یہ تین فوٹو ہیں، تم لے لو۔ میں نے تعمیلاً لے لیے۔ ایک فوٹو اعلیٰ حضرت سیّد پیر مہر علی شاہ قدّس سرّہٗ کا تھا۔ دوسرا حضرت قبلہ بابوجیؒ کے حقیقی چچا سیّد پیر ولایت شاہ صاحب علیہ الرّحمہ کا اور تیسرا مولانا غازی علیہ الرّحمہ کا تھا۔ اب مجھے تشویش لاحق ہوئی کہ اِن فوٹوؤں کو کیا کروں۔ چنانچہ شوقؔ مرحوم کے مشورہ سے

تینوں فوٹو پانی کے جگ میں ڈال دیئے، جب وہ پانی میں گل کر حل ہوگئے تو ہم نے وہ پانی پی لیا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ میرے حضرتؒ مجھے فوٹو عنایت کریں گے۔
قارئین! غور فرمایئے کہ میرے حضرت مرحوم نے کس قدر شریعت کا احترام فرمایا۔

مجھ پر محبوب علی قوّال مرحوم کا اعتراض اور قبلہ بابوجیؒ کا مسکت جواب

اِس موقعہ پر محبوب علی قوّال مرحوم نے حضرت علیہ الرحمہ کے رُوبرو اِس فقیر پر اعتراض کیا کہ تم نے خواہ مخواہ یہ مسئلہ کھڑا کر دیا ہے" حالانکہ فوٹو ایک یادگار رہے، اِسے دیکھ کر دل کو تسکین ہوتی ہے۔ ابھی میں جواب سوچ ہی رہا تھا کہ میرے حضرت قدّس سرّہ نے محبوب مرحوم کو میری طرف سے یہ جواب دیا کہ تم جو کہتے ہو کہ فوٹو یادگار رہے' یہ غلط ہے۔ فوٹو کوئی یادگار نہیں۔ یاد تو وہ ہے، جو دل میں قائم و دائم ہو۔ دل کی یاد فوٹو کی محتاج نہیں۔ پھر حضورؒ نے محبوب قوّال مرحوم کو مخاطب کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ تم قوّالی میں تو لوگوں کو یہ سُناتے رہتے ہو سے دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار   جب ذرا گردن جُھکائی دیکھ لی
یہ سُن کر محبوب مرحوم خاموش ہوگئے، اِس لیے کہ یہ مُسکت جواب تھا، مجھے جواباً لب کُشائی کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ اِس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میرے حضرت مرحوم کے دل میں پاسداریٔ شریعت کا کس قدر جذبہ موجزن رہتا تھا۔ یہ مثالیں اِس لیے دی گئیں کہ معلوم ہو جائے کہ خوشامدی مُفتیوں اور خطیبوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مشائخ شرعی مسائل کے بیان سے ناراض ہوتے ہیں۔ لہٰذا اَعراس پر شرعی مسائل بیان نہیں کرنے چاہییں۔

خانقاہوں پر ایک اور کراہت کا ارتکاب

طحطاوی شرح مراقی الفلاح میں ہے: ویکرہ ان یؤذّن فی المسجد۔ یعنی مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ بحرالرّائق میں ہے۔ وفی الخلاصۃ ولا یؤذّن

فی المسجد۔ یعنی کتاب خلاصہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ مذکورہ بالا عبارات سے ثابت ہُوا کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ حالانکہ اکثر مساجد میں اذان دی جاتی ہے۔ خصوصاً جمعہ کی دوسری اذان، یہ امر درگاہوں ہی کے ساتھ مختص نہیں بلکہ اکثر مساجد میں اِس کراہت کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں اور حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں صرف اذانِ ثانی برائے جمعہ تھی۔ جمعہ کی اوّل اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زیادہ کی، تو جب مسجد میں اذان مکروہ ہے، تو اذانِ ثانی مسجد میں لازمی طور پر مکروہ ہوگی۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ

(ایک ایسا انکشاف جس نے مسئلہ کی نوعیّت ہی بدل ڈالی)

قارئین! اِسے نُصرتِ غیبی سمجھیں یا میرے حضرت گولڑوی کا رُوحانی تصرّف، کہ نام ونسب میں اُٹھائے جانے والے اِس مسئلہ کو تقریباً چار سال کا عرصہ ہوگیا ہے، اِس عرصہ میں اگرچہ نام ونسب کے جواب میں دربارِ عالیہ گولڑہ شریف کی طرف سے سات آٹھ رسائل طبع ہوچکے ہیں، جو فقیر کی نظر سے بھی گزرے ہیں، مگر کسی ایک رسالے میں بھی کوئی ایک بھی ایسا ٹھوس جواب دیکھنے میں نہ آیا جو مصنّفِ نام ونسب کے قائم کردہ تین سوالات کا جواب ہوتا۔ بہرحال یہ فقیر قارئین پر ایک ایسی حقیقت منکشف کرنا چاہتا ہے، جو حضرت اعلیٰ گولڑوی کے اِس فتویٰ میں اہم ترین اور مرکزی حیثیّت کی حامل ہے، مگر اُس کے انکشاف سے قبل ایک تمہید ضروری ہے۔ ۱۹۹۲ء میں جب بندہ گولڑہ شریف کے دربار میں حضرت غوثِ اعظم قدّس سرّہٗ کی مجالسِ عرس میں شمولیّت کے بعد گھر آیا تو ذہن پر شدید قسم کا بوجھ تھا، کیونکہ ایک تفرقہ انداز اور زبان دراز

برائے نام مُفتی نے حضرت غوثِ اعظمؒ کی آخری مجلس میں اور پھر میرے محبوبِ الٰہی حضرت قبلہ سیّد پیر غلام محی الدّین بابُوجی قدّس سرّہٗ کے ہر دو صاحبزادگان حضرت پیر غلام معین الدّین شاہ صاحب زید مجدہٗ اور حضرت پیر شاہ عبدالحق صاحب زید مجدہٗ کی موجودگی میں برسرِ عام بغیر کسی جُرم کے میری بے عزّتی اور توہین کی، جس کا میں اوراقِ سابق میں تفصیلاً ذکر کر آیا ہوں۔ مَیں نے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ اب حضرت گولڑویؒ کے اِس فتوای کا تجزیہ ضرور کروں گا اور اپنے پیر و مُرشد کو اِس تُہمت سے بریّ الذّمّہ ثابت کروں گا کہ آپؒ کا یہ فتوای ہے کہ سیّدہ کا غیر کفو میں نکاح ہی نہیں ہوتا، خواہ ولی راضی بھی ہو اور پھر یہ کہ قریش، بنو ہاشم، جو فاطمی نہ ہوں وہ بھی سیّدہ فاطمیہ کے کفو نہیں ہیں۔ چنانچہ پیرانہ سالی اور کمزوری کے باوجود احناف کی مُستند کتب کا مطالعہ جاری رکھ کر اِس موضوع پر میں لکھتا رہا۔ اِس دوران بوجوہ کئی ماہ سلسلۂ مطالعہ و تحریر مُنقطع بھی رہا اور اِس طرح پورا سال گزر گیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۹۳ء کا عُرس آگیا۔ اِس عُرس پر اور دو چار رسائل منظرِ عام پر آئے، جو میری نظر سے بھی گزرے، مَیں نے سب کا بغور مطالعہ کیا، مگر شاہ غلام نصیر الدّین زید مجدہٗ کے قائم کردہ تین سوالات کا کسی ایک بھی مُفتی یا عالم نے جواب نہ دیا۔

قارئین! حقیقت اُس وقت منکشف ہوئی، جب میری نظر سے جی۔ اے۔ حق محمّد چشتی

لہ حالانکہ یہ نقطۂ نظر نہ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدّس سرّہٗ کا تھا اور نہ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل اُس دَور کے مُستند اور جیّد عُلمار کا۔ چنانچہ مہرِ منیر میں ہے: جناب شیخ الجامعہؒ جنھوں نے اِس ملاقات کی پوری تفصیل اپنے مسوّدات میں قلمبند کی، اِس مقام پر لکھتے ہیں: یہاں حضرتؒ کو قدرے جوش سا آگیا اور آپ کی رگِ ہاشمی پھڑک اُٹھی (ملاحظہ ہو مہرِ منیر ص ۳۰۵، طبعِ ششم، سنِ طباعت ۱۹۹۱ء) مقامِ توجّہ ہے کہ حضرت مولٰنا غلام محمد گھوٹویؒ یہاں رگِ ہاشمی کے بجائے رگِ سیادت بھی لکھ سکتے تھے، مگر ایسا نہیں کیا، کیونکہ اُنھیں معلوم تھا کہ حضرت گولڑویؒ نسباً خانوادۂ فاطمۃ الزّہراء رضی اللہ عنہا سے تعلّق رکھتے ہیں اور حضرت سیّدہ فاطمہ نسباً قرشیہ ہاشمیہ تھیں۔ ۱۲ منہ

کا رسالہ "سیّدہ کا نکاح غیر سیّد کے ساتھ جائز نہیں"[1] گزرا۔ خیر اِس رسالہ میں بھی جس نے بھی جو کچھ لکھا اُس میں کوئی قابلِ ذکر جواب نہیں، جسے یہاں دُہرایا جائے۔ البتہ صفحہ ۳۵ پر درج اِس بات نے چونکا دیا کہ محمد خان کی قومیت ڈھونڈ ہے۔ مَیں نے بھی بادی النظر میں لفظِ ڈھونڈ کے صوتی تاثر سے اِس قوم کو عجمی سمجھا، جیسے گوندل، راجپوت، بھٹی، مُغل پٹھان وغیرہ، بہر حال جُستجو کا سلسلہ مُسلسل جاری رہا اور تحقیق بسیار کے بعد پتہ چلا کہ ڈھونڈ قوم عبّاسی النّسب ہونے کی مدّعی ہے اور آزاد کشمیر، مری، مظفر آباد اور راولپنڈی میں اِس قوم کے لوگ بہ کثرت آباد ہیں۔ قبل ازیں اِس فقیر نے اِسی کتاب میں جو یہ لکھا ہے کہ یہ فتوای حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہٗ کا نہیں ہے تو وہ اِس لیے تھا کہ حضور جیسا ایک جیّد حنفی المسلک[2] عالم محمد خان کی قومیت کا ذکر کیے بغیر کیسے فتوای دے سکتا ہے،

الحمد للہ اِس فقیر کا یہ ظن درست نکلا کہ جامعِ فتاوٰی نے خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ اصل مُسوّدہ میں محمد خان کی قومیت ڈھونڈ تحریر ہے۔ چونکہ آج تک شائع ہونے والے فتاوٰی مہریہ میں محمد خان کی قومیت مذکور نہ تھی، لہٰذا فقیر نے حضرتِ گولڑوی کے جوابِ استفتاء سے اخذ کیا کہ محمد خان ساکنِ ملہوٹ عجمی اقوام سے تھا۔ کیونکہ آپؒ نے جواب میں العجمی لا یکون کفوًا للعربیّۃ کی عبارت تحریر فرمائی، اِس کے سوا میرے پاس اور کوئی ایسا قرینہ نہیں تھا، جس سے میں محمد خان کو عجمی تصوّر نہ کرتا۔ مگر اِس رازِ سربستہ کو جی۔ اے۔ حق محمد چشتی صاحب نے اِس طرح بے نقاب کیا کہ بندہ کا تعجب دُور ہو گیا۔ اِس کے علاوہ یہ بھی واضح ہو گیا کہ اِستفتاء کی اصل عبارت میں کسی محرمِ راز نے تحریف اور

---

[1] یہ جی۔ اے۔ حق محمد چشتی صاحب کی کتاب کا نام ہے۔

[2] چنانچہ حضورؒ نے اِس حقیقت کا اظہار خود یہ کہہ کر فرمایا کہ "میں حنفی المذہب ہوں" ملاحظہ ہو، فتاوٰی مہریہ، ص ۶۹، طبعِ سوم، ۱۹۸۸ء۔ ۱۲ منہ

تبدیلی کی ہے، تاکہ حضرتِ گولڑوی رح کا فتویٰ غلط ثابت نہ ہو۔ آپ جی۔اے۔حق محمد چشتی صاحب کی کتاب "مسئلہ سیدہ کا نکاح غیر سید کے ساتھ جائز نہیں" طبعِ اوّل، مطبوعہ بیتی پرنٹنگ پریس ملتان، سنِ طباعت یکم محرّم الحرام ۱۴۱۴ھ کے صفحہ ۳۵ کا مطالعہ ومشاہدہ کرلیں۔ مؤلف یوں تحریر کرتے ہیں: "آپ رح کی اپنی تحریرات مکمّل طور پر محفوظ ہیں، اہلِ حق کے لیے لازماً موجبِ ہدایت ہیں؛ آپ نے جو تحریر فرمایا اُس کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے:"

موصوف کی اِس عبارت سے معلوم ہُوا کہ حضرت گولڑوی رح کی اصل تحریر یا عربی زبان میں ہے یا فارسی میں، جسے موجودہ فتاوٰی مہریہ میں شامل نہیں کیا گیا۔ اب اُس عبارت کا ترجمہ یُوں تحریر کرتے ہیں "ساداتِ عظام اور علماءِ کرام کا محبّت کرنے والا اللہ جلّ شانہٗ کے حضُور التجا کرنے والا مہر علی شاہ عفی عنہ کہلانے والا کہتا ہے کہ آج بتاریخ ۲۹ ربیع الثّانی ۱۳۲۴ھ کو سیّد مہر محمّد شاہ و سجاول شاہ صاحب نے اِس بے ہیچ سے درجِ ذیل مسئلہ کے بارے میں فتوٰی طلب کیا ہے اور اِس بارے میں متعدّد علماءِ کرام کی تحریرات ملاحظہ کرائی ہیں، اِس لیے مَیں نے جواب دیا اور اللہ پر بھروسہ ہے وما اُبرّئُ نفسی[1]"

اِس کے بعد اِسی کتاب کے صفحہ ۳۶ پر استفتاء کی عبارت جی۔اے۔حق صاحب نے یوں تحریر کی "علماءِ دین اور مُفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسمّٰی محمّد خان ساکن ملہوٹ از قومِ ڈھونڈ نے مولوی عبدالحق ساکنِ ملہوٹ کی اجازت اور حکم سے ایک سیّدہ فاطمیہ، ہاشمیہ کے ساتھ عقدِ نکاح کر لیا ہے، جبکہ اِس خاتون کے کسی بھی ولی قریبی یا بعیدی کی رضا حاصل نہیں کی گئی، کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟" اِس کے بعد جی۔اے۔حق صاحب نے استفتاء کی وہ عبارت تحریر کی، جس میں محمّد خان کی قومیّت ڈھونڈ تحریر کی گئی، قارئین

---

[1] یہ عبارت یا اِس کا مفہوم دربارِ گولڑہ شریف سے آج تک شائع ہونے والے کسی فتاوٰی مہریہ میں مذکور نہیں۔ ۱۲ منہ

پر واضح ہو کہ موجودہ مطبوعہ فتاویٰ مہریہ میں محمّد خان کی قومیت کا کوئی ذکر نہیں، لہٰذا بندہ کا یہ ظن صحیح نکلا کہ کسی محرمِ راز نے فتوای کی عبارت میں یا تو ردّ و بدل کیا یا اُس کا کچھ حصّہ جان بوجھ کر حذف کر دیا، جو اتنے بڑے فتنہ کے برپا ہونے کا باعث بنا۔ اللہ تعالیٰ جامعِ فتاویٰ کو معاف فرمائے، اُس نے یہ بُہت بڑی خیانت کی۔ یہ فقیر، جی۔ اے حق محمّد چشتی کی تحریر کردہ عبارت کی روشنی میں دوبارہ اِس مسئلہ پر بحث کرتا ہے محوّلہ بالا عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ فتاویٰ مہریہ جو اِس وقت ہمارے ہاں مطبوعہ کتابی شکل میں موجود ہے، اِس میں نہ ہی محمّد خان کی قوم ڈھونڈ کا ذکر ہے اور نہ ہی سوال کنندگان کا تذکرہ ہے۔ یعنی اِس کا ذکر ہی نہیں کہ مُستفتی کون ہے، بخلاف جی۔ اے۔ حق۔ محمّد چشتی کی کتاب کے کہ اِس میں اِن دونوں باتوں کا ذکر ہے کہ محمّد خان کی قوم ڈُھونڈ تھی۔ نیز یہ کہ فتوای پوچھنے والے دو سیّد تھے، جن کے نام سیّد مہر محمّد شاہ اور سجاول شاہ ہے مُستفتیان کے نام اگر نہ بھی ذکر کیے جائیں تو بھی اِس سے نفسِ مسئلہ میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا، مگر محمّد خان کی قوم کا ذکر نہ کرنا جامعِ فتاویٰ کی ایک بہت بڑی خیانت ہے، کیونکہ محمّد خان ساکنِ ملہوٹ کی قوم ڈھونڈ کے ذکر سے مسئلہ کی نوعیّت ہی بدل جاتی ہے اور عدمِ ذکر سے محمّد خان کو خواہ مخواہ عجمی تصوّر کرنا پڑتا ہے۔ پس جی۔ اے۔ حق محمّد چشتی کی کتاب میں محمّد خان کی قومیّت ڈُھونڈ کے ذکر سے ایک معرکۃ الآرا اور ایک عالم گیر ہنگامہ ختم ہو گیا، وہ اِس طرح کہ ڈُھونڈ قوم آزاد کشمیر، مری اور راولپنڈی میں بہ کثرت آباد ہے اور عبّاسی النّسب ہونے کی مدّعی ہے، اِس طرح ڈُھونڈ قوم حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حقیقی چچا حضرت عبّاس بن عبدالمطّلب بن ہاشم کی اولاد ٹھہرے اور یہ مسئلہ بدیہی ہے کہ عبّاسی ہاشمی ہیں اور فقہِ حنفی میں ہاشمی، سیّدہ ہاشمیہ فاطمیہ کے کفو ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوال کرنے والوں نے یہ تو حضرت گولڑوی قدّس سرّہ کے سامنے ذکر کر دیا کہ محمّد خان قوم ڈُھونڈ سے ہے، مگر یہ عمدًا نہیں بتایا کہ ڈھونڈ قوم خود کو

عبّاسی النّسب کہتی ہے، یا یہ کہ سوال کرنے والے ہر دو شاہ صاحبان کے علم میں یہ امر نہ ہو کہ محمّد خان ڈھونڈ عبّاسی خاندان سے تعلّق رکھتا ہے، الغرض یہ دونوں احتمال ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت گولڑوی قدّس سرّہٗ نے بھی ڈھونڈ کے لفظ سے یہی تاثّر لیا کہ محمّد خان ساکنِ ملھوٹ قوم ڈھونڈ عجمی قوم سے تعلّق رکھتا ہے، کیونکہ بظاہر ڈھونڈ کا لفظ عجمیّت کی غمّازی کرتا ہے۔ جیسے قوم گولڑہ، سیال، کھرّل، کھوکھر اور اعوان کے الفاظ سے بظاہر اِن مذکورہ اقوام کا ہاشمی قریشی ہونا مُترشّح نہیں ہوتا، حالانکہ یہ مذکورہ بالا تمام اقوام نسباً ہاشمی اور قریشی ہیں۔ اِسی طرح ڈھونڈ کا لفظ بھی بظاہر صوتی اعتبار سے عجمی قومیّت کی عکّاسی کرتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ڈھونڈ قوم اپنے آپ کو عبّاسی کہلواتی ہے اور یہ قوم اِس امر کی مدّعی ہے کہ وہ حضرت عبّاس بن عبد المطّلب بن ہاشم کی اولاد سے ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ قوم ڈھونڈ کا عبّاسی ہونا قطعی اور یقینی امر نہیں تو اِس سوال کا جواب بھی خود حضرت گولڑوی قدّس سرّہٗ کے اِسی فتوای میں موجود ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں "و متمسّک نباشد بدینکہ سیادت قطعیّہ نیست فانّ عدم قطعیّۃ السّیادۃ لا یستلزم قطعیّۃ عدم السّیادۃ" خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ معترض یا مُفتی اِس بات سے دلیل نہ پکڑے کہ وہ سیّدہ ہاشمیہ جس کا نکاح محمّد خان ڈھونڈ سے ہُوا، اُس لڑکی کا سیّدہ فاطمیہ ہونا قطعی اور یقینی نہیں تو پھر اُس لڑکی کے غیر سیّدہ فاطمیہ ہونے پر کون سی قطعیّت دال ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپؒ کی محوّلہ بالا عربی عبارت کا مختصر مطلب یہ ہے کہ سیادتِ سیّدہ کی قطعیّت کے عدم سے "عدمِ سیادتِ سیّدہ کی قطعیّت لازم نہیں آتی اور آسان لفظوں میں یوں کہا جائے گا کہ اگر اُس سیّدہ کا قومِ سادات سے ہونا یقینی نہیں ہے تو اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ یقیناً اور قطعاً قومِ سادات سے نہیں۔ بعینہٖ اگر کوئی معترض یہ کہے کہ ڈھونڈ قوم کا عبّاسی ہونا کوئی قطعی امر نہیں تو جواب یہ ہے کہ پھر اِس کا غیر عبّاسی ہونا بھی تو کوئی قطعی امر نہ ہُوا۔ گویا معترض

کے پاس ڈھونڈ قوم کے غیر عبّاسی ہونے پر کیا دلیل اور کیا ثبوت ہے کہ وہ اپنے اُس ثبوت کی قطعیّت کی بنا پر ڈھونڈ قوم کو غیر عبّاسی قرار دے رہا ہے۔ جس طرح فتوای میں مذکور مہر محمد شاہ اور سجاول شاہ صاحبان کا مدّعیٔ سیادتِ فاطمیہ ہونا اُن کی سیادت کو تسلیم کرنے کے لیے کافی ہے؛ بالکل اِسی طرح ڈھونڈ قوم کے عبّاسی النّسب ہونے کا دعوای اُن کے عبّاسی ہونے اور اُن کو عبّاسی النّسب تسلیم کر لینے کے لیے کافی ہوگا' ورنہ بصورتِ شک دونوں کی قومیّت ناقابلِ اعتماد ہوگی۔ معلوم ہُوا کہ قوم ڈھونڈ یقیناً حضرت عبّاس بن عبدالمطّلب بن ہاشم کی اولاد ہے اور اُس کے پاس اِس نسبت پر شواہد اور دلائل ہیں، جیسا کہ ہم نے قوم ڈھونڈ کے عبّاسی النّسب ہونے پر ایک کتاب کا حوالہ مع اقتباس اِسی کتاب کے آخر میں دے دیا ہے[1]۔ لہٰذا اب یہ فقیر ببانگِ دُھل یہ اعلان کرتا ہے کہ کسی مُحرّف اور خائن نے استفتاء کی عبارت سے ڈھونڈ قوم کا لفظ عمداً حذف کر ڈالا، جسے جی۔ اے۔ حق محمّد چشتی سامنے لے آئے۔ اُس خائن کا غالباً مقصد یہ ہوگا کہ قوم ڈھونڈ کے عبّاسی النّسب ثابت ہونے پر حضرت گولڑوی قدّس سرّہٗ کا فتوای غلط نہ ثابت ہو، کیونکہ اگر ڈھونڈ قوم کا لفظ موجود ہوا اور یہ عبّاسی ہونے کی ترجمانی کرے یا اِس قوم کا عبّاسی ہونا ثابت ہو جائے تو اِس صورت میں حضرت گولڑوی قدّس سرّہٗ کا فتوای فقہِ حنفی کے بالکل خلاف ہو جاتا ہے۔ اِس لیے کہ فقہِ حنفی کے مطابق عبّاسی ہاشمی ہیں اور ہاشمی و قریشی حدیثِ قریش بعضھم اکفاء بعضٍ کے مُطابق ساداتِ فاطمیہ کے کفو ہیں۔ اب اصل حقیقت اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دی کہ کسی خائن نے اِستفتاء سے ڈھونڈ کا لفظ حذف کر دیا اور اُس کا مقصد غالباً یہی تھا کہ حضرت گولڑویؒ کا یہ فتوای فقہِ حنفی کے خلاف ثابت نہ ہو مگر خیانت کا مرتکب ہو کر اُس نے اپنی عاقبت خراب کی۔ جی۔ اے۔ حق محمّد چشتی

---

[1] کتاب کا نام، تاریخِ اقوام پُونچھ، مصنّفہ محمّد الدّین فوق

نے اصل مسوّدہ میں جو عبارت تھی اُسے منّ وعن نقل کرکے اِس فتوای کو فیصلہ کُن مرحلہ میں داخل کرنے میں مدد کی۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اِس سعیِ دانستہ یا نادانستہ کو شرفِ قبولیّت بخشے آمین۔ غالباً موصوف کو بھی یہ علم نہیں کہ جامع فتاوٰی نے محمّد خان کے نام سے قوم ڈھونڈ کا لفظ کیوں حذف کیا۔ جی۔ اے۔ حق چشتی صاحب بھی قوم ڈھونڈ کو عجمی سمجھ کر اپنے رسالہ میں نقل کرگئے۔ گویا اُنھوں نے نقل مطابقِ اصل پر عمل کیا، اگر اِن کو بھی یہ علم ہوجاتا کہ ڈھونڈ قوم عبّاسی ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتی ہے تو پھر شاید وہ بھی اپنے پیش رَو کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے محمّد خان کے نام کے ساتھ قوم ڈھونڈ کا ذکر کبھی نہ کرتے۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے حق کو ظاہر کرنا تھا تو وہ حق جی۔ اے۔ حق سے غیر شعوری طور پر ظاہر کروا دیا۔ اِسے کہتے ہیں الحقّ یعلو ولا یعلیٰ علیه کہ حق از خود بلند اور غالب ہوتا ہے اُس پر کسی شے کو عُلو اور غلبہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اب یہ فتوای فقہِ حنفی کی رُو سے فیصلہ کُن مرحلہ میں داخل ہوگیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ڈھونڈ قوم عبّاسی النّسب کہلاتی ہے اور بغیر کسی ثبوت کے کسی کو کسی کے نسب سے انکار کرنے کا حق نہیں۔ ورنہ وہ خود معترض کے نسب پر بھی ثبوت اور دلیل طلب کرسکتا ہے، لہٰذا محمّد خان ڈھونڈ جو نسباً عبّاسی تھا، سیّدہ کے ساتھ اُس کے نکاح کے جواب میں حضرت گولڑوی قدّس سرّہٗ کا یہ لکھنا کہ العجمی لا یکون کفؤًا للعربیّۃ یہ جواب استفتاء درحقیقت استفتاء کی صورتِ اصلیّہ کے منافی ٹھہرا، مگر فقیر نے اِس سے قبل تفصیلاً اِس غلطی کا منشاء ذکر کردیا کہ مُستفتیان ہر دو شاہ صاحبان نے حضرت گولڑوی قدّس سرّہ سے عمدًا ڈھونڈ قوم کے عبّاسی ہونے کو چُھپائے رکھا۔ لہٰذا یہ اعتراض اُن پر وارد ہوتا نہ کہ حضرت گولڑویؒ پر۔ کیونکہ آپؒ نے ڈھونڈ کو عجمی سمجھ کر تنویر الابصار کی مذکورہ عبارت جواب میں تحریر فرمادی، یہ تو شاہ صاحبان کا فرض بنتا تھا کہ وہ آپؒ کو محمّد خان کے عبّاسی ہونے سے باخبر کرتے تاکہ آپ جواباً العجمی لا یکون کفؤًا للعربیّۃ تحریر نہ فرماتے، کیونکہ یہ نکاح حقیقتہً منعقد تھا، مگر اُن ہر دو سوال کنندگان

یعنی مہر محمد شاہ اور سجاول شاہ نے حضرت گولڑوی کو عمداً دھوکہ دے کر مفیدِ مطلب (مطلوبہ) فتوای حاصل کرلیا، لہٰذا اب فتاوٰی مہریہ میں موجود اِس فتوای سے یہ حجت نہیں پکڑی جاسکتی کہ حضرت گولڑوی نے یہ فتوای دیا ہے کہ سیدہ کا نکاح کسی غیر سید سے ناجائز یا حرام ہے۔ بندہ سابقاً بھی عرض کرچکا ہے کہ حضرت اعلیٰ گولڑوی ایک جید حنفی عالم ہونے کے سبب ایسا کوئی فتوای دے ہی نہیں سکتے تھے، جو فقہِ حنفی کے سراسر خلاف ہو اِس لیے کہ فقہِ حنفی کا یہ فیصلہ متفق علیہ ہے کہ اگر کسی لڑکی کا نکاح خواہ وہ سیدہ ہو یا کسی بھی ادنیٰ یا اعلیٰ خاندان کی ہو غیر کفو میں ولیِ اقرب کی رضامندی سے کیا جائے تو وہ نافذ، لازم اور ناقابلِ تنسیخ ہوگا اور اگر نکاح ولیِ اقرب کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں ہوا تو مطابق ظاہر الروایہ نکاح تو منعقد ہوگیا مگر لازم نہیں، اولیاء کو عندالقاضی اِسے فسخ کرالینے کا اختیار ہے۔

مولوی عبدالحق کی طرف سے اجازتِ نکاح بھی ڈھونڈ قوم کے عباسی ہونے کی غمازی کرتی ہے۔

قارئین! مولوی عبدالحق ساکنِ ملہوٹ کی اجازتِ نکاح اور حکم کو بھی ڈھونڈ قوم کے عباسی ہونے پر بطورِ دلیل پیش کیا جاسکتا ہے۔ علماء جانتے ہیں کہ ایک حُرّہ مکلفہ اگر اپنا نکاح ولیِ اقرب کی اجازت و رضامندی کے بغیر غیر کفو میں پڑھوالے تو حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق ایسا نکاح سرے سے یعنی اصلاً منعقد ہی نہیں ہوتا؛ مگر ظاہر الروایہ کے مطابق منعقد تو ہوجاتا ہے، لیکن اِس میں ولی کو حقِ فسخ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اگر ایک لڑکی اپنے ولیِ اقرب کی رضامندی اور اجازت سے غیر کفو میں نکاح پڑھوالے تو ایسا نکاح نافذ، لازم اور ناقابلِ فسخ ہوگا، مولوی عبدالحق ساکنِ ملہوٹ چونکہ عالم تھا اور اُسے معلوم تھا کہ محمد خان اور مہر محمد شاہ و سجاول شاہ کی عزیزہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونا

چاہتے ہیں، لیکن ہر دو کو یہ بھی معلوم تھا کہ مہر محمد اور تجمّل شاہ اِس نکاح پر رضا مند نہ ہوں گے۔ لہٰذا محمّد خان نے مولوی عبدالحق سے اپنی اِس خواہش کا ذکر کیا اور مولوی عبدالحق چونکہ جانتا تھا کہ محمّد خان ڈھونڈ عبّاسی النّسب ہے۔ لہٰذا وہ سیّدہ کا کفو ہے۔ اِس لیے اُس نے محمّد خان سے کہا کہ اگر لڑکی کے ولی تمہارے اِس نکاح پر رضا مند نہیں، تو کوئی مضائقہ نہیں، تم یہ نکاح پڑھوا لو، کیونکہ عبّاسی سیّداتِ فاطمیہ کے بہ اعتبارِ فقہِ حنفی کفو ہیں۔ اِس احتمالِ مذکورہ کے علاوہ مولوی عبدالحق کو فقہ اِس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ گاؤں کی لڑکیوں کے نکاح اپنی اجازت اور حُکم سے کرواتا پھرتا، کیونکہ کسی لڑکی کے نکاح کے سلسلے میں فقہ نے اُس لڑکی کے ولیِ اقرب ہی کو اجازت دینے یا نہ دینے کا اختیار دیا ہے، نہ کہ گاؤں کے مولوی یا نکاح خوان کو۔ لہٰذا اِس نکاح کے سلسلے میں مولوی عبدالحق کا محمّد خان کو اجازت دینا اِس امر پر صریحاً دال ہے کہ مولوی عبدالحق کو محمّد خان کی قوم ڈھونڈ کے عبّاسی ہونے کا حدِّ یقین تک علم تھا۔ لہٰذا اُس کے نزدیک فقہِ حنفی کے مطابق یہ نکاح کفو میں ہو رہا تھا، اِس لیے اُس نے محمّد خان کو اصل صورتِ مسئلہ سمجھا کر یہ کہا کہ تم اُس سیّدہ سے نکاح پڑھوا لو، کیونکہ تمہارے درمیان تکافؤ ہے، جس کی وجہ سے سیّدہ کے اولیاء بھی عند القاضی یہ نکاح فسخ نہیں کروا سکتے۔ اِس احتمالِ مذکورہ کے سوا مولوی عبدالحق کا محمّد خان ڈھونڈ کو اجازت دینے کا کوئی فقہی جواز نہیں بنتا۔ لہٰذا مولوی عبدالحق کا محمّد خان کو اجازتِ نکاح دینا اِس پر دلالت کر رہا ہے کہ ڈھونڈ قوم کا عبّاسی النّسب ہونا دُرست ہے۔ اگر یہی سیّدہ کسی عجمی مثلاً راجپوت، گوندل، مُغل، پٹھان یا کسی کھٹّی سے نکاح پڑھوا لیتی، تو مولوی عبدالحق اِن مذکورہ اقوام کے کسی فرد کو سیّدہ کے ساتھ نکاح پڑھوا لینے کی اجازت کی جرأت نہ کرتا، کیونکہ ایسا نکاح غیر کفو میں ہوتا، جس پر سیّدہ کے اولیاء اعتراض کر سکتے تھے اور پھر روایتِ نوادر کے تحت یہ نکاح کالعدم ہوتا، جیسا کہ حضرت اعلیٰ گولڑوی نے بھی اِس فتویٰ میں اِسی روایت

حسن بن زیاد پر فتوای تحریر فرمایا۔ معلوم ہوا کہ چونکہ ڈھونڈ قوم عباسی النسب ہے، اس لیے سیدہ مذکورہ کا نکاح کفو میں ہوا جو نا قابلِ فسخ تھا اِسے زنا کے زمرے میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ مستفتیان نے حضرت اعلیٰ گولڑوی پر محمد خان ڈھونڈ کو عجمی ثابت کیا اور آپ پر اُس کے عباسی النسب ہونے کو چھپائے رکھا۔ لہٰذا آپ نے روایتِ حسن بن زیاد پر فتوای دے دیا اور اِس روایت کے اعتبار سے ولی کی رضا مندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، جب نکاح ہی منعقد نہ ہوا تو ظاہر ہے کہ وہ صحبت، صحبتِ زنا ہو گی۔ لہٰذا صرف اِس روایت پر فتوای دینے کے سبب حضرت گولڑوی نے اِس صحبت کو صحبتِ زنا قرار دیا۔ ورنہ ظاہر الرّوایہ کے مطابق تو یہ نکاح بھی منعقد ہو گیا تھا؛ البتّہ لڑکی کے اولیاء کو اِس نکاح کے فسخ کروانے کا حق حاصل تھا۔ پس اگر کوئی حضرت گولڑوی کے اِس فتوای سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ولی کی رضا مندی کے باوجود بھی غیر کفو میں کسی سیّدہ کا نکاح منعقد ہوتا ہی نہیں اِس لیے زوجین کا جنسی تعلق صحبتِ زنا ہے، تو وہ پرلے درجے کا احمق انسان ہو گا اور وہ کتبِ فقہ اور علومِ شرعیّہ سے جاہل متصوّر ہو گا۔ حضرت اعلیٰ کے فتوای کا نہ یہ مفہوم ہے، نہ فقہِ حنفی کے کسی امامِ مجتہد کا یہ قول ہے اور نہ کتبِ فقہ میں کوئی ایسی جزئی پائی جاتی ہے، جس سے بصورتِ رضائے ولی بھی غیر کفو میں منعقد ہونے والے کسی نکاح کو زنا سے تعبیر کیا گیا ہو۔ اگر کسی مفتی یا مدعیِ علمِ فقہ کے پاس کوئی ایسا حوالہ یا جزئی ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ اِس فقیر کے سامنے پیش کرے۔

غیر عالم محمّد خان کی قطعیّتِ عجمیّت کی صورت میں بھی مطابقِ مسلّمہ قواعدِ فقہِ حنفیّہ نکاحِ سیّدہ کی آخری اور فیصلہ کُن حیثیّت

قارئین! اگر بالفرض ڈھونڈ قوم کے قریشی اور عباسی النسب ہونے کے دعوای کو

تمام تاریخی شواہد اور دلائل کے باوجود بھی تسلیم نہ کیا جائے اور محمّد خان ڈھونڈ کو کسی عبّاسی النّسب قوم کا فرد ہی قرار دیا جائے، تو ایسی صورت میں بھی سیّدہ ہاشمیہ سے اُس کا نکاح حرام کہنا جائز نہیں ہو سکتا، کیونکہ ثبوتِ حُرمت کے لیے دلیل قطعی الثّبوت اور قطعی الدّلالہ کا ہونا ضروری ہے اور ایسی کوئی دلیل موجود نہیں۔ محمّد خان کا عجمی ہونا اگر قطعی طور پر ثابت بھی کر لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ فقہِ حنفی کے مطابق وہ قریشی، عبّاسی، اعوان، اموی، عدوی، صدیقی، فاروقی، ہاشمی اور بنو فاطمہ یعنی سادات وغیرہ کا کفو نہیں ہوگا اور غیر کفو میں فقہِ حنفی کے مطابق نکاح کی دو روایات ہیں۔ ایک روایت حسن بن زیاد سے ہے جو از قبیلِ نوادر ہے۔ اور دوسری ظاہر الرّوایہ۔ روایتِ اوّل کے مطابق فقہِ حنفی کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر لڑکی نے اپنے ولیِّ اقرب کی رضا کے بغیر کسی دوسری کفو میں نکاح کر لیا تو یہ نکاح اصلاً یعنی سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا؛ جب منعقد ہی نہیں ہوا تو لامحالہ وہ صُحبت صُحبتِ زنا ہوگی، چنانچہ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدّس سرّہٗ نے اِسی روایت پر فتوای دیا۔ دوسری روایت کا مفاد یہ ہے کہ لڑکی اگر غیر کفو میں ولیِّ اقرب کی رضا مندی کے بغیر نکاح کر لیتی ہے تو وہ نکاح منعقد تو ہو جاتا ہے، مگر لازم نہیں ہوتا، یعنی اولیاء کو عند القاضی اُس کے فسخ کروا لینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ چاہے تو قاضی اِسے برقرار رکھے اور چاہے تو فسخ کر دے گویا فقہِ حنفی کے مطابق مذکورہ ہر دو روایات پر فتوای دیا جا سکتا ہے۔ یہ مُفتی پر منحصر ہے کہ وہ حالات کے تقاضوں اور اُن کی نزاکتوں کے پیشِ نظر کس روایت پر فتوای دینے کو ترجیح دیتا ہے۔ بندہ کے خیال کے مطابق چونکہ وہ انگریز کا دَور تھا، اور کوئی شرعی عدالت قائم نہ تھی۔ لڑکی کے اولیاء کے لیے ایسی صورتِ حال میں اور کوئی مضبوط سہارا نہ تھا، اِس لیے اُنہوں نے حضرت گولڑوی رح کی طرف رجوع کیا اور آپؒ نے ڈھونڈ کو عجمی سمجھ کر تنویر الابصار کی عبارت العجمی لایکون کفوًا للعربیّۃ لکھ کر یہ فتوای دیا۔ چونکہ مُستفتیان کے بیان کے مطابق یہ نکاح اولیاء کی رضا سے نہیں ہوا، اِس لیے آپؒ نے

نوادر پر فتوای دیتے ہوئے اِس نکاح کو کالعدم قرار دیا، حالانکہ یہی نکاح ظاہر الرّوایہ کے مطابق منعقد تھا؛ لیکن چونکہ سوال کُنندگان نے حضرت گولڑوی کو ڈھونڈو قوم کے عبّاسی النسب ہونے کے دعوٰی سے بے خبر رکھا۔ لہٰذا آپؒ نے اُسے عجمی سمجھ کر نوادر پر فتوای دے دیا اور نوادر کی روایت کے مطابق آپؒ کا یہ فتوای بالکل درست ہے، کیونکہ اِس روایت کے مطابق جو لڑکی (بشمولِ سیّدہ وغیرہا) اپنے ولی کی رضامندی حاصل کیے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لے تو ایسا نکاح اصلاً یعنی سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا اور چونکہ مہر محمّد شاہ اور سجاول شاہ نے حضرت گولڑوی کو محمّد خان کے عبّاسی یا قریشی ہونے کے دعوٰی سے بے خبر رکھا اور اُسے عجمی ظاہر کیا تو آپ نے محمّد خان کو عجمی ہی سمجھا، جب عجمی سمجھا تو عجمی بقولِ بعض عربیہ کی کفو نہیں ہوتا۔ اگر اسی عجمی محمّد خان سے یہ نکاح برضائے اولیاء کر دیا جاتا تو روایتِ نوادر اور ظاہر الرّوایہ ہر دو کے مطابق یہ نکاح نافذ، لازم اور ناقابلِ فسخ ہوتا؛ مگر چونکہ اِس محمّد خان عجمی سے سیّدہ کا نکاح اولیاء کی عدمِ رضا کی صورت میں ہوا تو ایسی صورت میں مطابقِ روایتِ حسن بن زیاد غیر کفو میں کسی بھی لڑکی کا نکاح اصلاً منعقد ہی نہیں ہوتا۔ گویا سیّدہ اور محمّد خان کے عدمِ انعقادِ نکاح کی علّت اولیاء کی عدمِ رضا ٹھہری، نہ کہ اُس کا عجمی ہونا اور سیّدہ کا عربی ہونا۔ یہاں پر بعض لوگ ایک عظیم مغالطہ کا شکار ہوئے، اُنہوں نے اِس نکاح کے منعقد نہ ہونے کا سبب اور علّت محمّد خان کی عجمیّت اور سیّدہ کی سیادت و عربیّت کو قرار دیا، جو کہ بالکل غلط ہے۔ اِس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو فقہِ حنفی کا اصول اور قاعدہ یوں ہوتا کہ اگر کوئی عجمی النّسب کسی عربی النّسب لڑکی سے اُس کے اولیاء کی رضا سے بھی نکاح کرے تو یہ نکاح مرد کے عجمی اور عورت کے عربیہ ہونے کے باعث منعقد ہی نہیں ہو سکتا، حالانکہ فقہِ حنفی میں اِس قسم کے کسی قاعدے یا اصول کا وجود ہی نہیں پایا جاتا، جو مُفتی حضرات محض عجمیّت اور عربیّت کو عدمِ انعقادِ نکاح کی اساسی علّت قرار دیتے ہوئے عجمی اور عربیہ کے مابین مناکحت کو ناجائز کہتے ہیں، اُن کو اِس فقیر کا چیلنج

ہے کہ وہ اپنے اِس دعویٰ باطلہ کو فقہِ حنفی کی کسی بھی معتبر اور مُستند کتاب سے ثابت کر کے دکھائیں تو بندہ اپنے موجودہ موقف سے رُجوع کر لے گا۔ یہ ایسے بے سند مُفتیوں کا خود ساختہ قاعدہ اور ڈھکوسلا ہے، جس کو پیش کر کے وہ صرف عوام النّاس کو گمراہ کرنے کی سعی کرتے اور اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ فقہاءِ اربعہ کی فقہ کا علم رکھنے والا کوئی بھی صاحبِ علم اِس قسم کی غیر معقول اور بے سند باتوں اور مفروضات کو کبھی قبول نہیں کر سکتا۔ ثابت ہُوا کہ محض کسی مرد کا عجمی اور عورت کا عربیہ ہونا عدمِ جواز یا عدمِ انعقادِ نکاح کی ہرگز علّت نہیں، بلکہ اِس کی علّت عدمِ رضائے اولیاء ہے اور اُس کا تعلق بھی صرف حسن بن زیاد کی روایت سے ہے۔ یعنی نوادر سے اور ظاہر الرّوایہ کے مطابق عجمی مرد اور عربی عورت کے درمیان مناکحت رضائے ولی کے بغیر بھی جائز ہے، البتّہ ولی کو حقِ فسخ حاصل ہے۔ کیونکہ نکاح کے انعقاد کے لیے علّتِ متّفقہ صرف اسلام ہے، جو زوجین میں مناکحت کی تحلیل کی بنیادی شرط کی حیثیّت رکھتا ہے؛ البتّہ فقہاءِ احناف کی تصریحات کے مطابق اگر ایک عربیہ لڑکی ایک عجمی مرد سے اپنے ولی کی رضا کے بغیر نکاح کرتی ہے تو یہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے، مگر لازم نہیں ہوتا، اور اولیاء اُس کی تنسیخ کا عند القاضی حق رکھتے ہیں۔ رہا عجمی اور عربیہ کی کفاءت کا معاملہ، تو جو لوگ اِن کی عدمِ کفاءت پر تنویر الابصار کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں: العجمی لا یکون کفؤًا للعربیّۃ کہ عجمی مرد، عربیہ عورت کا کفو نہیں؛ تو اُن حضرات پر واضح ہو کہ تنویر الابصار کی اِس عبارت کو علّامہ شامیؒ نے بہ دلائل رد کر دیا ہے، لٰہذا اِس سے استدلال، استدلال بالمردود ہو گا، اوراقِ سابق میں اِس موضوع پر تفصیلاً بحث کی جا چکی ہے۔ لٰہذا اِس کی دوبارہ ضرورت نہیں۔ چونکہ ہم لوگ حنفی المذہب ہیں، لٰہذا جو شخص امام ابُو حنیفہؒ کا مقلّد ہے، اُس پر فقہِ احناف کے قائم کردہ اُصولوں اور قواعد و ضوابط کی پابندی اور اِن کا اِتّباع ضروری ہو گا۔ فقہِ احناف کے اِن مذکورہ اُصولوں کو نہ ماننے والا حنفیّت سے خارج کہلائے گا اور پھر اُسے یہ کہنا پڑے گا کہ وہ حنفی المذہب

نہیں ہے۔ ایسا کوئی غیر مقلد فرد فقیر کی اس تحریر کا مخاطب نہیں، بلکہ میری اس کتاب کے مخاطب وہ لوگ ہیں، جو حنفی المذہب مشائخ طریقت کے مُرید کہلاتے ہیں اور سب لوگوں پر اپنے حنفی المذہب ہونے کا اظہار بھی کرتے ہیں، لہٰذا اُن کے پاس فقہِ حنفی کے مذکورہ اصول تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یا اُنہیں بہ طیبِ خاطر قبول کریں، یا پھر حنفیت سے اپنی دست برداری کا اعلان کریں۔ فقہِ حنفی کی جن دو روایات کا ابھی ذکر کیا گیا، بعض کم فہموں اور علومِ اسلامیہ سے بعض کم آگاہوں کو یہ مغالطہ ہوتا ہے یا ڈالا جاتا ہے کہ شاید فقہِ حنفی یا شریعتِ مُطہّرہ میں سیّدہ ہاشمیہ کے نکاح کا کوئی الگ حکم ہے، حالانکہ ایسی ہرگز کوئی بات نہیں۔ شرعی مسائل کا اطلاق تمام مُسلمانوں پر برابر ہوتا ہے؛ لیکن حضرت اعلیٰ گولڑوی نے چونکہ روایتِ حسن بن زیاد پر فتوای دیا اور صورتِ مسئلہ میں موجود عدمِ رضائے ولیِ اقرب کی علت کے سبب اِسے سرے سے غیر منعقد قرار دیا۔ اِس لیے اِس صُحبت کو، صُحبتِ زنا لکھا۔ زنا لکھنے کی وجہ محمّد خان کی عجمیّت نہیں تھی اور نہ ہو سکتی ہے، کیونکہ ہم اُوپر لکھ چکے ہیں کہ فقہ کا یہ اصُول ہے، کہ لڑکی کا نکاح اگر رضائے ولی کے ساتھ غیر کفو میں ہو، مثلاً ایک سیّدہ کا نکاح اپنے ولی کی اجازت سے کسی عجمی سے ہو تو یہ نکاح از رُوئے فقہِ حنفی مطابقِ ہر دو روایات یعنی نوادر اور ظاہر الرّوایہ نافذ، لازم اور ناقابلِ تنسیخ ہوگا۔ لہٰذا آپؒ کے فتوای میں مذکور لفظِ زنا کو اِس معنیٰ میں لینا غلط ہے کہ چونکہ محمّد خان عجمی تھا اور لڑکی عربیّہ سیّدہ ہاشمیہ تھی، اِس لیے حضرتِ اعلیٰ ؒ نے عربی اور عجمی کی عدمِ کفاءت کے سبب اِس نکاح کو کالعدم قرار دے کر زَوجین کے جنسی تعلق کو صُحبتِ زنا قرار دیا، حضرت گولڑوی ؒ کے اِس فتوای کا یہ مفہوم ہرگز نہیں اور کوئی مُفتی یا عالم فقہِ حنفی سے اِس پر کوئی ایک جزئی بھی پیش نہیں کر سکتا کہ برضائے ولی بھی کسی لڑکی کے غیر کفو میں نکاح کو کسی بھی فقیہہ نے غیر منعقد قرار دیتے ہوئے زَوجین کی صُحبت کو، صُحبتِ زنا تحریر کیا ہو۔ اگر کسی بھی بڑے سے بڑے مدّعیٔ علمِ فقہ کے پاس کوئی ایسا مُستند حوالہ موجود ہو

تو اُس پر لازم ہے کہ وہ اُسے سامنے لائے۔ حضرت گولڑویؒ نے محمدّ خان سے سیّدہ کے ہونے والے جس نکاح کو کالعدم لکھا، صُحبت کو زنا قرار دیا اور لڑکی کو محمدّ خان عجمی سے جُدا کرانے کا حکم دیا تو آپ کا یہ سارا انداز تحریر خود بتا رہا ہے کہ یہ نکاح صرف محمدّ خان اور سیّدہ کی باہمی رضا کے تحت منعقد ہوا تھا، اگر سیّدہ کے اولیاء مہر محمدّ شاہ اور سجاول شاہ بھی اِس نکاح پر رضامند ہوتے تو وہ دوسرے مُفتیوں کے علاوہ حضرت گولڑویؒ کے پاس روتے پیٹتے کیوں آتے؟ اُن کے اِس عمل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہر دو حضرات اِس نکاح پر رضامند نہ تھے۔ لیکن اُن کی لڑکی سیّدہ نے از خود یہ نکاح محمدّ خان سے مولوی عبدالحق ساکنِ ملہوٹ کی اجازت اور سربراہی میں پڑھوالیا تھا، چونکہ شاہ صاحبان اِس نکاح پر راضی نہیں تھے، اور لڑکی بھی اُن کے کہنے سُننے میں نہ تھی، لہٰذا اُنہوں نے حضرت گولڑویؒ کی طرف رجوع کیا، آپؒ نے عدمِ رضائے ولی کو عدمِ انعقادِ نکاح کی علت بنا کر حسبِ روایتِ حسن بن زیاد نوادر پر فتوٰی دے دیا کہ یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، کیونکہ لڑکی کے ولی اِس پر رضامند نہ تھے۔

مگر شاہ صاحبان نے حضرت گولڑویؒ سے اِس بات کو چھپائے رکھا کہ ڈھونڈ عبّاسی ہونے کے مدّعی ہیں؛ اگر وہ آپ کو یہ بتا دیتے تو موجودہ جواب کے بجائے آپؒ کا جواب یقیناً کچھ اور ہوتا۔ معلوم ہوا کہ میرے حضرت گولڑویؒ کے اِس فتوٰی کے سلسلے میں دو طرح سے کتمانِ حق ہوا۔ اوّل تو سوال کنندگان نے آپؒ پر ڈھونڈ قوم کے عبّاسی النّسب ہونے کے دعوٰی کو چھپایا اور دوم جامعِ فتاوٰی نے حضرت گولڑویؒ کے تبرکات میں محفوظ تحریر سے محمدّ خان کی قوم ڈھونڈ کے لفظ کو شائع ہونے سے چھپایا۔ لہٰذا اعتراض حضرت گولڑویؒ سے سوال کنندگان پر ہوگا نہ کہ حضرتؒ کی ذات پر، اِس لئے کہ آپؒ تو ڈھونڈ قوم کے دعوٰی اور اُس کے شجرۂ نسب وغیرہ سے باخبر نہ تھے۔ اگر کہا جائے کہ باخبر تھے تو اِس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپؒ کو یہ معلوم ہوتا کہ ڈھونڈ قوم عبّاسی ہونے کی مدّعی ہے تو آپ موجودہ جواب ہرگز نہیں دے سکتے تھے، کیونکہ عبّاسی سیّدہ کے کفو ہیں اور اپنی کفو میں ولی کی رضا کے بغیر بھی

لڑکی کا نکاح نافذ لازم اور ناقابلِ فسخ ہوتا ہے۔ پس آپؒ سے یہ مُستبعد ہے کہ آپ ڈھونڈ قوم کو عبّاسی سمجھتے ہوئے بھی ایسا فتوای دیں، جو فقہ حنفی کے خلاف ہو اور اگر یہ کہا جائے کہ آپؒ کے نزدیک ڈھونڈ قوم عجمی تھی؛ لہٰذا اِس بنا پر آپؒ نے یہ فتوای دیا تو اِس کا جواب یہ ہے کہ ڈھونڈ قوم کے عجمی ہونے کی قطعیت کی صورت میں بھی ولی کی رضا کے ساتھ سیّدہ کا نکاح محمّد خان ڈھونڈ سے نافذ، لازم اور ناقابلِ تنسیخ قرار پاتا ہے۔ تو پھر یہ کہنا زیادہ قرینِ قیاس رہے گا کہ حضرت گولڑویؒ کو ڈھونڈ قوم کے عبّاسی ہونے کا علم نہ تھا، یا سوال کنندگان نے آپؒ کو اصلیّتِ معاملہ سے بے خبر رکھ کر اپنے مطلب کا فتوای حاصل کر لیا۔ لہٰذا اب آپؒ کے اِس فتوای سے یہ سند لینا کہ سیّدہ کا نکاح کسی عجمی سے حرام یا ناجائز ہے، خواہ ولی رضامند بھی ہو، فقہ حنفی کے مسلّمہ اصولوں کے سراسر خلاف اور منافی ہے۔ زیادہ سے زیادہ آپؒ کے اِس فتوای سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ آپ کا یہ فتوای ایک ایسی لڑکی کے بارے میں ہے، جس نے اپنے ولیِّ اقرب کی اجازت و رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لیا اور اِس طرح کا نکاح حسن بن زیاد کی روایت پر فتوای کے مطابق اصلاً منعقد ہی نہیں ہوتا اور جب منعقد ہی نہ ہوا تو لامحالہ وہ صُحبت، صُحبتِ زنا قرار پائے گی۔ خلاصۂ کلام یہ کہ ساداتِ فاطمیہ کا حضرت اعلیٰ گولڑوی قدّس سرّہٗ کے اِس فتوای سے یہ سند پکڑنا کہ ساداتِ فاطمیہ کی لڑکیوں کا برضائے اولیاء بھی کسی عجمی سے نکاح مُطلقاً حرام یا ناجائز ہے، نہ یہ حضرتؒ کے فتوای کا منشاء ہے، نہ ائمّۂ اربعہ کا اِس سلسلے میں کوئی قول ہے، نہ کوئی حدیثِ صحیح اور نہ اجماعِ صحابہ و تابعین سے ایسے نکاح کی حُرمت یا عدمِ جواز پر کوئی ثبوت ملتا ہے۔ لہٰذا حلال رشتوں کو خود ساختہ اور من گھڑت قاعدوں سے حرام کہنا، سمجھنا اور اِس کی اشاعت کرنا، خود بھی کافر ہونے اور دوسروں کو بھی کفر کی طرف دعوت دینے کے مترادف ہے، جیسا کہ حضرت گولڑوی قدّس سرّہٗ کے ایک ملفوظ کو اِسی کتاب میں نقل کیا گیا، جس کی عبارت یہ ہے کہ جیسے تحلیلِ ما حرّم اللّٰہ کفر

ہے اُسی طرح تحریم ما احلّ اللہ بھی کفر ہے[1]۔ لہٰذا برائے نکاح اللہ اور اُس کے رسول ؐ کے حلال کردہ رشتوں کو حرام کہنا یا یہ عقیدہ رکھنا، تحریم ما اَحلّ اللہ کے تحت آتا ہے، جو صریحاً کفر اور انکارِ شریعت ہے۔ غیر کفو میں رشتہ نہ دینا، مگر دینے کو حلال سمجھنا اور بات ہے جو مُوجبِ کفر نہیں، مگر اِسے حرام سمجھ کر نہ دینا حلال کو حرام بنانا ہے[2]، جس کی شرعاً ایک مسلمان کو اجازت نہیں اور یہ یقیناً ایسا عقیدہ ہے جو موجبِ کفر و ضلالت ہے۔

اعاذنا اللہ من ھٰذہٖ العقیدۃ الفاسدہ۔

---

[1] ملاحظہ ہو ملفوظاتِ مہریہ، ص ۶۴، طبعِ دوم، سنِ طباعت ۱۹۷۴ء

[2] اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ کی حلال کردہ شے کو حرام کرنے یا کہنے والوں کے لیے یہاں ایک حدیث شریف نقل کی جاتی ہے، جسے آٹھویں صدی ہجری کے ایک جیّد اور مایۂ ناز عالمِ دین نے اپنی کتاب عین الادب والسّیاسہ وزین الحسب والرّیاسہ مطبوعہ مصر میں درج فرمائی ہے۔ حدیث شریف اس طرح ہے:
سبعۃ لعنھم اللہ: الزّائد فی کتاب اللہ، والمکذّب بقدر اللہ والمستحلّ بحرم اللہ، والمستحلّ من غیر شیٔ ماحرّم اللہ، والمتعدّی بالجبروت لیذلّ ما اعزّ اللہ، والمؤذی لاھل بیتی، والتّارک لسُنّتی۔ ترجمۂ حدیث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات آدمیوں پر لعنت کی۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب (یعنی قرآنِ مجید) پر اپنی طرف سے اضافہ کرنے والا۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو جھٹلانے والا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کو حلال کرنے والا۔
۴۔ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کے علاوہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام کرنے والا۔
۵۔ جبر و تشدّد میں حد سے تجاوز کرتے ہوئے اپنی طاقت کے زور پر ایسے شخص کو ذلیل کرنے کی کوشش کرنے والا، جسے اللہ تعالیٰ نے عزّت دے رکھی ہو۔ ۶۔ میرے اہلِ بیت کو ایذا دینے والا۔
۷۔ میری سُنّت کا تارک۔

ایذائے اہلِ بیت سے متعلق مفہوم کی وضاحت اسی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ۱۲ منہ

اسی طرح ایک اور مغرب زدہ بزعم خود مُفتی نے حضرت گولڑوی قدس سرّہٗ کے فتوای کے تجزیے کے دوران تحریر کیا کہ حضرت گولڑویؒ کے فتوای میں عجمی، غیر عجمی رضائے ولی یا عدمِ رضا کا معاملہ نہیں، بلکہ اُس کا مرکزی موضوع ہتکِ حُرمت اہلِ بیت ہے؛ چنانچہ جب تک اور جہاں بھی یہ کیفیتِ ہتک پائی جائے گی، وہاں نکاح ناجائز ہوگا۔ اِس کا مختصر جواب یہ ہے کہ جہاں شرعاً نکاح جائز اور حلال ہو، وہاں صُحبت کو ہتک! وراذلال کہنا شریعت سے یقیناً استہزاء اور ایک ناقابلِ قبول اور بلا دلیل دعوای ہے۔ اِس کا مطلب تو پھر یہ ہُوا کہ دُنیا میں ہر باپ اپنی اولاد کی ماں کی ہتک کر رہا ہے اور اولاد ہے کہ اپنی ماں کی اِس بے عزّتی کو برابر بے غیرتی سے دیکھ رہی ہے۔ اگر حلال رشتوں سے نکاح بھی دراصل اُن کی ہتک ہے تو شریعت نے اُنہیں حلال کیا ہی کیوں؟ تاکہ اُن سے یہ ہتک آمیز سلوک نہ کیا جاتا، حالانکہ کائنات کا یہ سارا انسانی ہجوم دراصل اِسی ہتک آمیز عمل ہی کا نتیجہ ہے، جس میں ہرطرح کے اچھّے اور بُرے لوگ شامل ہیں۔ لہٰذا اس طرح کی بے سند اور غیر شرعی باتیں عقلمند، ذی ہوش اور اسلامی تعلیمات سے آگاہ لوگوں کو قطعاً متاثر نہیں کرسکتیں۔ بعض نے لکھا کہ ماں کے ساتھ نکاح کی حُرمت کا سبب اُس کا احترام ہے، گویا جہاں احترام پایا جائے گا وہاں نکاح حرام ہوگا۔ افسوس ہے کہ یہ بات لکھنے والے کو اتنا خیال نہ آیا کہ اگر سیّداتِ فاطمیہ سے نکاح کا حکم مبنی بر احترام ہونے کی صورت میں عجمیوں کے لیے ماں بیٹے کے حکم میں ہوتا تو دوسرے احکام کی طرح اِس حکم کے نفاذ کا حق سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اور پھر اُس کے رسُول علیہ السّلام کو حاصل تھا، یا پھر کم از کم ائمۂ اربعہ میں سے کسی امامِ مجتہد کو۔ مگر چودہ سو سال ہو چکے ہیں، آج تک کسی امام اور کسی بڑے سے بڑے عالمِ دین اور مفسّر نے غیر فاطمیوں سے فاطمیہ کے نکاح کی حُرمت کو ماں بیٹے کے درمیان حُرمتِ نکاح پر قیاس کرتے ہوئے حرام یا ناجائز ثابت نہیں کیا۔ کیا ایسا طرزِ استدلال گزشتہ اکابرِ اُمّت کے دائرۂ اجتہاد کی زد سے باہر تھا؟ کیا اُنہیں مسائل کے

استنباط کے طریقے نہیں آتے تھے؟ آخر کیا وجہ ہے کہ أئمۃ اربعہ اور اُن کے ہزار ہا شاگردوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ہزار ہا مسائل کا حل تو تلاش کر کے کتابوں میں جمع کر دیا، مگر سیّدات کے غیر سیّد (بشمولِ عجمی) سے نکاح کی حُرمتِ قطعیہ کو کسی آیت یا کسی حدیث سے ثابت نہ کر سکے۔ اگر بعض کاسہ لیس اور نام نہاد مُفتیوں کا مذکورہ بالا استدلالِ باطل قرینِ عقل ہوتا تو ماں بیٹے کے درمیان عزّت کے رشتہ پر سیّدات کی عزّت کو بھی کوئی نہ کوئی امامِ مجتہد ضرور قیاس کر کے حرام قرار دیتا، مگر افسوس کہ ایسا ثبوت اکابرِ اُمّت اور مُستند شخصیات کی فقہ میں موجود ہی نہیں۔ البتّہ یہ آجکل کے ایسے چند نام نہاد مفتیوں کا کام ہے، جو شریعت اور فقہ کے تمام قواعد وضوابط کو پسِ پُشت ڈالتے ہوئے، محض کورانہ تقلید اور کاسہ لیسی کی بنا پر سادات کے مزاج کو مزید بگاڑتے اور خراب کرتے ہیں اور اُنہیں احکامِ شرعیّہ کے مساویانہ اطلاق کی زد سے مُستثنیٰ قرار دے کر اپنی اور اُن کی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ حضرت اعلیٰ گولڑوی قدّس سرّہٗ کی ذاتِ عالیہ سے عقیدت کا دعوٰی رکھنے والے ہر طبقہ کو بالعموم اور ساداتِ فاطمیہ کو بالخصوص آپؒ کی درجِ ذیل نصیحت بھی قابلِ عمل سمجھنا ہوگی، ورنہ وہ اپنے دعوٰی میں جھُوٹے متصوّر ہوں گے۔ مہرِ منیر میں ہے: ایک پیرزادہ کو نصیحت، اِس عنوان کے تحت لکھا ہے: پیرانِ عظام کے خاندان میں سے ایک بُزرگ زادہ کو بعیت اور تلقینِ وظائف سے مشرّف فرما کر اِس طرح ہدایت فرمائی: جب تک اپنے سر سے بُزرگی کی بُو نہیں نکالو گے، بارگاہِ بزرگِ حقیقی میں کبھی باریابی حاصل نہیں کر سکو گے، انسان کے شرف کا اعتبار حسب (یعنی صفات) میں ہے نہ محض نسب میں۔ درویش کبھی اپنی ذات میں نظر نہیں کرتے، بلکہ ہر کہ ومہ کو اپنے سے بہتر سمجھتے ہیں، حدودِ شرعیّہ کی پاسداری کو نگاہ رکھنا، نمازِ پنجگانہ اور وظائف قضا نہ کرنا۔ بہتیرے لوگ محض اِس لیے خالی اور خشک رہ جاتے ہیں کہ ہر وقت اپنی خودی اور فخر پر نظر رکھتے ہیں: (ملاحظہ ہو مہرِ منیر، ص ۸۲۴، طبعِ ششم، سنِ طباعت ۱۹۹۱ء)

میرے حضرت گولڑوی کے اِس محوّلہ بالا ملفوظ میں اوّلاً حدودِ شرعیّہ کی پاسداری نسب پر حسب کی فضیلت، نفیِ کبر و نخوت اور معاشرۂ اسلامیہ کے ہر کہ ومہ کو بہ نگاہِ احترام و عزت دیکھنے کے چار اہم ترین نتائج ہمارے سامنے ہیں، جو بلاشُبہ اپنی افادیت اور وقعت کے اعتبار سے شریعت و طریقت کے نچوڑ کا درجہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مشائخ کے ایسے ارشادات کو بھی قابلِ عمل سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ڈھونڈ قوم کی نسبی تحقیق

قارئین! جیسا کہ بندہ نے عرض کیا، ڈھونڈ کے لفظ سے بظاہر عجمیت ٹپکتی ہے اور اوّلاً مجھے بھی یہی اشتباہ ہُوا، لیکن یہ کوئی قاعدۂ کُلیہ بھی نہیں کہ جس لفظ سے عربیّت ظاہر ہوتی ہو۔ اُس کا معنیٰ مُرادی بھی وہی ہو، مثلاً لفظِ عجمی کو ہی لے لیجیے، یہ لُغتاً عربی زبان کا لفظ ہے، جو گُونگے کے معنیٰ میں آتا ہے، اگرچہ اِس خالص عربی لفظ کا مُرادی معنیٰ یعنی مفہوم غیرِ عرب ہوتا ہے۔ گویا یہ لفظ اگرچہ بہ اعتبارِ لُغت عربی زبان کا لفظ ہے اور اس سے عربیّت بھی ظاہر ہوتی ہے، مگر اِس کے باوجود اِس کا معنیٰ مُرادی بھی عربی ہی ہونا چاہیئے اور ایک عربی لفظ سے غیرِ عرب کا مفہوم مُراد نہیں لیا جا سکتا، جیسا کہ لفظِ عجم سے لیا گیا۔ واضح ہو کہ جس طرح لفظِ عجم عربی ہے، مگر بہ اعتبارِ معنیٰ و مُراد غیرِ عرب پر دلالت کرتا ہے۔ بالکل اِسی طرح ڈھونڈ کا لفظ ہے جو اپنی ساخت اور وضع کے اعتبار سے خالصتاً پنجابی ہے، تو پھر یہ اپنے معنیٰ مُرادی کے اعتبار سے قریشی اور عبّاسی النّسب افراد پر دلالت کیوں نہیں کر سکتا۔ حضرت فاطمۃ الزّہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد کو مختلف ملکوں اور زبانوں میں مختلف اسماء سے موسوم کیا جاتا ہے، مگر سب کا معنیٰ مُرادی ایک ہی ہوتا ہے۔ برِّصغیر پاک و ہند میں زیادہ تر انہیں سیّد کہا جاتا ہے، بعض علاقوں میں شاہ صاحب، بعض مقامات پر میر صاحب اور بلادِ عرب میں شریف کے لفظ سے

یا دکیا جاتا ہے۔ حالانکہ اِن تمام مختلف التعبیر الفاظ کا معنٰی واحد ہے۔ بہرحال یہ بات یہاں تمہیداً پیش کی گئی۔ ڈھونڈ کا نسب کہاں جا کر ملتا ہے، اِس اہم موضوع پر یہاں ایک کتاب بطورِ سند پیش کی جاتی ہے۔ جس میں اِس قوم کے نسب اور بعض معترضین کے سوالات کا بالتفصیل جواب دیا گیا ہے۔ اِس کتاب کا نام تاریخ اقوامِ پونچھ ہے؛ جو محمد الدین فوقؔ صاحب کی تحقیقی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ موصوف نے معترضین کے اعتراضات کا جواب دینے کے بعد اِس قوم کی تمام شاخوں کا ذکر کیا اور اِس قوم کے اِس دعوٰی کو کہ یہ نسباً قریشی عبّاسی ہیں، تسلیم کیا۔ میں نے اپنی اِس کتاب کے آخر میں محوّلہ کتاب کے تقریباً ۴۵ صفحات کی فوٹو کاپی شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے، تاکہ قارئین فوقؔ صاحب کی اپنی تحریر اور تحقیق براہِ راست دیکھ سکیں۔ یہ کتاب تقریباً پونے آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ فوقؔ صاحب نے یہ بھی تحریر کیا کہ اِس قوم کے پاس اپنا شجرۂ نسب بھی موجود ہے، اِس کے علاوہ اُنہوں نے ایک کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ اُس کے مصنّف نے بھی اپنی تحقیق میں ڈھونڈ قوم کو حضرت عبّاسؓ بن عبدالمطّلب بن ہاشم کی اولاد سے لکھا ہے اور اِن سب باتوں کے علاوہ یہ کہ آج تک ڈھونڈ قوم خود بھی عبّاسی اور قریشی النسب ہونے کی مُدّعی ہے۔ لہٰذا کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر کسی کے نسب کی صحت سے انکار ایک غیر مہذّبانہ اور ناشائستہ فعل ہے۔ ایسے بلا ثبوت اعتراض کی صورت میں وہ شخص جس کی صحتِ نسب سے انکار کیا جا رہا ہے، جواباً اعتراض کنندہ پر اُس کے اپنے نسب کی عدمِ صحت کا اعتراض بھی وارد کر سکتا ہے اور معترض سے ثبوت طلب کر سکتا ہے۔ لہٰذا بہ ایں معنٰی کسی بھی نسب کو قطعی نہیں کہا جا سکتا، اِس لیے کہ حضور علیہ السّلام کے بعد وحی کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ اب کسی کی نسبی صحتِ انتساب کو صرف تاریخی حوالہ جات اور خاندانوں کے پاس موجود قلمی شجرہ ہائے نسب ہی سے جانچا پرکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً خود حضرت اعلٰی گولڑوی قدس سرّہٗ، کچھ عرصہ اپنے نسب کی صحتِ اتّصال و انتساب میں

مُتردّد رہے۔ مگر جب آپؒ کے اجداد میں سے ایک بُزرگ حضرت پیر فضل الدّین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قلمی شجرۂ نسب دکھایا اور اُس پر بغداد شریف کے سجّادہ نشین کی ثبت کردہ مُہر دکھائی تو آپ کا یہ شک رفع ہُوا۔ اِس کا مفصّل تذکرہ مہرِ منیر میں موجود ہے۔ یہاں آپؒ کی اپنی تحریر کے چند جُملے نقل کیے جاتے ہیں۔ آپؒ اپنے نسب کے سلسلے میں لکھتے ہیں: وما ذلت اتردّد فی سیادۃ اھل ھٰذہ الدّار اعنی دار الھند حتّٰی فی شأنی نظراً الی حسبی وان کان الکتب المعتبرۃ فی ھٰذا الفنّ فی ھٰذہِ النّاحیۃ موجودۃ عند جدّی و مُرشدی فی الطّریقۃ القادریّۃ سیّد السّادات پیر فضل دین قدّس سرّہٗ[1] الخ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ مَیں اِس مُلک یعنی ہندوستان کے سادات کی سیادت کے معاملہ میں ہمیشہ مُتردّد رہتا تھا، حتّٰی کہ مجھے اپنے حسب یعنی کسبی کمالات کے پیشِ نظر اپنے متعلّق بھی ایسے ہی خیالات آتے رہتے تھے، حالانکہ علمِ نسب کی وہ تمام کتابیں جو اِس نواح میں معتبر شمار کی جاتی ہیں، میرے جدِّ بزرگوار اور طریقۂ قادریہ کے مُرشد سیّد السّادات پیرِ فضل دین قدّس سرّہٗ کے پاس بطورِ سند موجود تھیں۔ (انتہٰی)

معلوم ہُوا کہ خود حضرت اعلیٰ گولڑویؒ کے نزدیک بھی نسب کی قطعیّتِ صحت پرکھنے کا ذریعہ خاندان کے بزرگوں کے پاس موروثی طور پر چلا آنے والا شجرۂ نسب اور تاریخی کُتب ہی تھیں، حالانکہ آپؒ کو رُوحانی کشف و مشاہدات کا اعلیٰ ترین مقام بھی حاصل تھا، مگر آپؒ نے دستور کے مطابق اِس فن کی کتابوں اور اپنے بزرگوں کے پاس موجود شجرۂ نسب کے ثبوت کو ترجیح دی۔

علاوہ ازیں اکابرِ اُمّت کے شجرہ ہائے نسب کا اعتبار بھی تاریخی کُتب کے حوالوں ہی سے کیا جاتا ہے۔ اِس کے علاوہ تو اور کوئی ذریعہ نہیں، جس سے کسی قوم یا کسی فرد کی نسبی

---

[1] ملاحظہ ہو مہرِ مُنیر ص ۵، طبع ششم، سنِ طباعت ۱۹۹۱ء

تحقیق پر اطلاع ممکن ہو۔ نسب کے موضوع پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں، بلکہ دُنیا کے تمام ملکوں میں اپنی اپنی زبانوں میں قبائل اور خاندانوں کے تذکرے موجود ہیں۔ میر سیف الدین دہلوی کی مخازن النسب جو فارسی میں ہے، قابلِ مطالعہ کتاب ہے، مصنف نے برِّصغیرِ پاک و ہند میں ایسی تمام اقوام کے اسماء تحریر کیے جو بہ اعتبارِ لفظ تو غیر عربی معلوم ہوتی ہیں، مثلاً کھڑ، کھوکھر، سیال، اعوان وغیرہ، مگر بہ اعتبارِ نسب اُن سب کا سلسلہ قریش سے جا ملتا ہے۔ پس کسی قوم کے اِس دعوٰی سے کہ ہم فلاں کی اولاد ہیں، اُس وقت تک انکار ممکن نہ ہوگا، جب تک معترض تاریخ کے معتبر حوالوں سے اُس قوم کو کسی اور مُورِثِ اعلیٰ کی اولاد ثابت نہیں کر پاتا، چونکہ ڈھونڈ قوم خود بھی عبّاسی اور قریشی ہونے کی مُدّعی ہے اور تاریخی شواہد بھی اِس پر دال ہیں، لہٰذا اِن کے اِس دعوٰی کو کسی ٹھوس تاریخی ثبوت کے بغیر رد نہیں کیا جا سکتا۔ اِس طرح یہ قوم بنو ہاشم ہوئی، کیونکہ حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ حضور علیہ السّلام کے چچا اور عبدالمطلب کے صاحبزادے اور ہاشم کے پوتے تھے۔ لہٰذا عبّاسی بنو ہاشم ٹھہرے۔ چونکہ بنو فاطمہ بھی دراصل بنو ہاشم ہی ہیں۔ اِس لیے عبّاسی، قریشی، اعوان وغیرہ جیسی اقوام ساداتِ بنو فاطمہ کی کفو ہیں، جیسا کہ بندہ نے پہلے لکھ بھی دیا ہے کہ مذکورہ اقوام میں تفاضل کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ اِس پر یہاں ایک اور مُستند حوالہ پیش کیا جاتا ہے:

امام علاء الدّین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی متوفّی ۵۸۷ھ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف بدائع الصّنائع فی ترتیب الشّرائع میں لکھتے ہیں: فقریش بعضهم اکفاء لّبعضٍ علی اختلاف قبائلهم حتّٰی یکون القرشی الذی لیس بهاشمی کالتّیمی والاموی والعدوی ونحو ذٰلك کفوًا للهاشمی لقوله صلّی اللہ علیه وسلّم قریش بعضهم اکفاء لّبعض قریش تشتمل علی بنی هاشم والعرب بعضهم اکفاء لّبعض بالنّص ولا تکون العرب کفوًا لقریش لفضیلة قریش علی سائر العرب ولذٰلك اختصّت الامامة بهم قال النّبیّ

صلّی اللہ علیہ وسلّم الائمّۃ من قریش بخلاف القرشیّ انّہ یصلح کفوًا للہاشمی و ان کان للہاشمی من الفضیلۃ مالیس للقرشی لکنّ الشّرع اسقط اعتبار تلک الفضیلۃ فی باب النّکاح عرفنا ذٰلک بفعل رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم و اجماع الصّحابۃ رضی اللہ عنہم ۔ خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ قریش اُن کا بعض بعض کا کفو ہے، اِس کے باوجود کہ اُن کے بطون یا قبائل مختلف ہیں۔ حتّٰی کہ وہ قریشی جو ہاشمی نہیں۔ مثلاً تیمی، اموی، عدوی اور اِس طرح کی دوسری لبطون ہاشمی کی کفو ہوں گی، کیونکہ حضور علیہ السّلام نے فرمایا: قریش آپس میں بعض بعض کے کفو ہیں یہ حکم بنو ہاشم کو بھی شامل ہے (کیونکہ ہر ہاشمی قریشی ہوتاہے) اور عرب بعض اُن کا بعض کا کفو ہے اور یہ حکم نص (یعنی حدیث) سے ثابت ہے اور عرب قریش کے کفو نہیں، کیونکہ خاندانِ قریش کو تمام عربوں پر فضیلت ہے، اِسی لیے امامت کا اختصاص قریش کے ساتھ ہے۔ حضور علیہ السّلام نے فرمایا: امام قریش سے ہونا چاہیئے (یا ہوں گے) بخلاف قرشی کے کہ وہ ہاشمی کا کفو ہے، اگرچہ ہاشمی کو ایسی فضیلت حاصل ہے، جو قرشی کو حاصل نہیں، لیکن شریعت نے نکاح کے معاملہ میں اِس فضیلت کے اعتبار کو ساقط کر دیا اور ہم نے یہ بات رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عمل اور اجماعِ صحابہ سے سمجھی ہے (انتہیٰ)

علّامہ مسعود الکاسانی رح کی محوّلہ بالا عبارت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ قریش بنو ہاشم کے کفو ہیں، چونکہ ساداتِ فاطمیہ بھی دراصل بنو ہاشم ہی ہیں لہٰذا قریش کے جملہ لبطون اِن کے کفو ہیں۔ اگرچہ بنو ہاشم کو قریش کے جملہ بطون پر فضیلت حاصل ہے، لیکن شریعت نے بنو ہاشم کی اِس فضیلت کا اعتبار نکاح کے معاملہ ساقط اور کالعدم قرار دے دیا لہٰذا قریش اور بنو ہاشم کے مابین مُناکحت کا سلسلہ کفاءت کے حکم میں شمار ہوگا نہ کہ عدمِ کفاءت کے حکم میں۔ چونکہ قوم ڈھونڈ قریشی عبّاسی ہونے کی مدّعی ہے اور

اُس کا یہ دعویٰ دلائل اور شواہد پر مبنی ہے، لہٰذا جب تک کوئی اِن کے اِس دعویٰ کو تاریخی شواہد اور ٹھوس دلائل سے غلط ثابت نہ کرسکے، اُس وقت تک اُسے ڈھونڈ قوم کے عبّاسی النّسب ہونے کے دعویٰ کے انکار کا کوئی حق حاصل نہیں، نہ عقلاً، نہ شرعاً اور نہ اخلاقاً۔

خُلاصۂ بحث

قارئین! محمّد خان قریشی یا عبّاسی ہونے کی صورت میں فقہِ حنفی کے مطابق سیّدہ ہاشمیہ کا کفو ہوگا اور مطابقِ قاعدۂ فقہِ حنفی اگر لڑکی اپنے ولی کی رضامندی کے بغیر بھی اپنی کفو میں نکاح کرلے تو یہ نکاح لڑکی کا ولی بھی فسخ نہیں کروا سکتا۔ چنانچہ ظاہر الرّوایہ اور نوادر ہر دو روایات اِس نکاح کی صحت اور اِس کے ناقابلِ تنسیخ ہونے پر متفق ہیں اور محمّد خان کے عجمی النّسب ہونے کی صورت میں اگر سیّدہ ہاشمیہ اپنے ولی کی رضامندی کے بغیر محمّد خان عجمی سے نکاح کرلیتی ہے یا محمّد خان اُس سے نکاح پڑھوالیتا ہے تو یہ نکاح غیر کفو میں ہوگا۔ اور بصورتِ عدمِ رضائے ولی کسی بھی لڑکی (بشمولِ سیّدہ) کا نکاح غیر کفو میں روایتِ حسن بن زیاد (یعنی نوادر) کے مطابق اصلاً منعقد ہی نہیں ہوتا۔ بہ الفاظِ دیگر سرے سے ہوتا ہی نہیں، چنانچہ یہاں اصلاً کے لفظ کا صرف اِسی مذکورہ صورت سے تعلّق ہے۔ اصطلاحاتِ فقہ سے بعض ناآشنا اصلاً کے لفظ سے یہ سمجھتے ہیں کہ رضامندیِ ولی کے باوجود بھی لڑکی کا غیر کفو میں اصلاً (یعنی سرے سے) نکاح ہوتا ہی نہیں۔ اگر فقہاء کا اصلاً کے لفظ سے بھی وہی مفہوم مُراد ہوتا، جو بعض کم علم لوگوں کا ہے تو وہ اصلاً کے بجائے مُطلقاً کا لفظ تحریر کرتے، اِس لیے کہ اِس لفظ سے کسی بھی صورت میں نکاح کے نہ ہوسکنے کے مفہوم پر پُوری طرح دلالت پائی جاتی ہے، مثلاً یہ کہنا کہ ماں، بہن، بیٹی سے نکاح مُطلقاً نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا لفظِ مُطلقاً کے مقاماتِ استعمال کی مندرجہ بالا دو صورتیں ہیں۔ یا اِس طرح کے دُوسرے رشتے ہیں کہ جن سے نکاح مُطلقاً

حرام ہے۔ رفعِ اشکال کی غرض سے لفظِ اصلاً کی اِس وضاحت کو یہاں مکرّر ذکر کیا گیا۔ تاکہ مزید تسلّی ہو جائے۔ محمّد خان عجمی کے ساتھ بغیر اِذنِ ولی غیر کفو میں روایتِ نوادر کا حکم تحریر کر دیا گیا کہ اِس روایت کے مطابق یہ جز رضائے ولی سیّدہ یا غیر سیّدہ کا نکاح غیر کفو میں سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا۔ اِس لیے لامحالہ زوجین کے جنسی تعلّقات، صُحبتِ زنا ہوں گے۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ وہ ایسے زوجین کو جُدا کر دیں۔ کیونکہ اِس صورت میں ولی کی ہتک ہوئی ہے اور نکاح بھی منعقد نہیں ہوا۔ اب دوسری روایت یعنی ظاہر الرّوایہ کے مطابق محمّد خان عجمی سے اِس سیّدہ ہاشمیہ کا نکاح، جس پر سیّدہ کے اولیاء رضا مند نہیں تھے، شرعاً منعقد ہو گیا اور صُحبت بھی صُحبتِ زنا نہیں ٹھہری۔ البتّہ چونکہ ایسا نکاح لازم نہیں ہوتا اور اِس کے عدمِ لزُوم کی علّت صرف عدمِ رضا مندیٔ ولی ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر سیّدہ کے اولیاء اپنی اجازت و رضا کے بغیر محمّد خان کے ساتھ نکاح کو اپنی ہتک قرار دیں اور عند القاضی اِس نکاح کی تنسیخ کا دعویٰ کریں تو اُنہیں یہ حق حاصل ہے۔ اب قاضی کو اختیار ہے کہ اِس نکاح کو برقرار رکھے یا فسخ کر دے۔ اِس تفصیل میں جانے کا مقصد قارئین پر صرف فقہِ حنفی کے مسلّمہ اصُولوں کی روشنی میں اِس مرکزی اور حتمی فقہی فیصلے کو واضح کرنا تھا کہ رضا مندیٔ ولی کی صورت میں سیّدہ یا غیر سیّدہ ہر دو کا نکاح غیر کفو میں نافذ، لازم اور ناقابلِ تنسیخ ہوتا ہے۔ لہٰذا فقہِ حنفی کی معتبر اور مُستند ترین کتابوں میں کوئی ایک بھی ایسی جزئی نہیں پائی جاتی، جس سے مخالفین کا یہ موقف ثابت ہو سکے کہ سیّدہ ہاشمیہ کا نکاح کسی عجمی النّسب مسلمان کے ساتھ بصورتِ رضا مندیٔ ولیِّ اقرب بھی نہیں ہو سکتا۔ یعنی حرام ہے۔ کیونکہ نہیں ہو سکتا کے الفاظ نکاح کے مُطلقاً عدمِ انعقاد پر صریحاً دال ہیں اور ایسا نقطۂ نظر فقہِ شافعی، فقہِ حنبلی کے بالعموم اور فقہِ حنفی کے بالخصوص خلاف ہے۔ رہا مالکی فقہ کا معاملہ تو حضرت امام مالکؒ کے نزدیک کفاءتِ دینی اور اسلامی کے بغیر، کفاءتِ مالی اور نسبی وغیرہ جیسے اُمور شرائطِ نکاح سے یکسر خارج اور غیر معتبر ہیں۔

بجوابِ نام و نسب شائع ہونے والے چند رسائل کا اجمالی تذکرہ

قارئین! نکاحِ سیّدہ سے متعلّق حضرت اعلیٰ گولڑوی ؒ کے فتوای کا تجزیہ سب سے پہلے آپ کے پڑپوتے شاہ نصیرالدّین نصیر زیدمجدہ وسلّمہ ربّہٗ نے اپنی تصنیف نام و نسب میں پیش کیا تھا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد بعض لوگوں نے دبے الفاظ میں اِس سے اظہارِ اختلاف شروع کیا اور پھر آہستہ آہستہ یہ اختلاف ایک عالم گیر طوفان کی صورت اختیار کر گیا، ملک کے تمام کثیر الاشاعت اخبارات و رسائل میں اِس کا چرچا ہوا۔ اہلِ علم و قلم حضرات اُس وقت کچھ لکھنے پر مجبور ہو گئے، جب ۱۹۹۲ء کے عُرسِ گولڑہ شریف میں سرِ عام مُفتیٔ آبرو باختہ نے بندہ کی بے عزّتی کرنے کے علاوہ بعض فقہی مسائل کو نہایت غلط انداز میں پیش کیا، جس نے ملک کے صاحب علم طبقہ کو چونکا دیا۔ بالخصوص اِس فتوای نے کہ غیر کفو میں کسی کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، جبکہ ساری دُنیا میں لوگ اِس کے خلاف عمل کر رہے ہیں، یعنی اکثر لوگ اپنی لڑکیاں غیر کفو میں دیتے ہیں، تو ایسے نکاح اِس مُفتیٔ ناہنجار و بے مہار کے نزدیک منعقد ہی نہیں ہوتے۔ مُفتی کی اِس بے سروپا تقریر کے کیسٹ اکثر لوگوں کے پاس موجود ہیں۔ چنانچہ اُس کی اِس سُوقیانہ، غیر عالمانہ اور غیر مہذب تقریر کی بعض اہم اور قابلِ اعتراض باتوں کا رد لکھنا ضروری ہو گیا۔ بالخصوص اپنے پیر و مُرشد پر لگائے گئے تمام الزامات کا جواب دینا مَیں نے نہایت اہم سمجھا، مثلاً سب سے بڑا یہ الزام کہ حضرت اعلیٰ گولڑوی ؒ کے فتوای کے مطابق سیّدہ کا کسی غیر سیّد سے نکاح منعقد ہوتا ہی نہیں، خواہ ولی اپنی رضا مندی سے بھی یہ نکاح کرے۔ یہ حضرتؒ کی ذات پر صریحاً الزام اور آپؒ کی شانِ علم کی کُھلی توہین ہے۔ کیونکہ آپ حنفی المذہب تھے اور حضرت امام ابو حنیفہ ؒ کے مُقلّد ہونے کے حوالے سے کوئی ایسا فتوای دے ہی نہیں سکتے تھے، جو فقہِ حنفی کے سراسر خلاف ہوتا۔ خیر، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مُفتیٔ فتنہ انداز کی اِس شر انگیز اور

دلائل سے عاری تقریر پر اہلِ قلم نے اخبارات میں مضمون لکھے اور موقع کی نزاکت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مخالفین کی طرف سے آجکل کی درگاہوں اور پیروں کے کردار و عمل کو بھی زیرِ بحث لایا گیا، گویا براہِ راست درگاہوں کی تذلیل اور توہین کا باعث بھی اِس فتنہ پرداز مُفتیٔ دریدہ دہن کی یہ تقریر بنی۔ اگر وہ دائرۂ احتیاط کے اندر رہ کر ذمّہ دارانہ اور عالمانہ انداز سے کوئی بات کرتا تو نوبت یہاں تک کبھی نہ پہنچتی: گویا اس بدبخت مفتی نے خانقاہوں اور اہلِ خانقاہ کا رہا سہا وقار اور بھرم بھی خاک میں ملا دیا۔ اِس کے کچھ عرصہ بعد نام و نسب کے جواب میں لندن سے حسب و نسب کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی اور پھر اِس کتاب کے بعد درگاہ گولڑہ شریف سے پے درپے رسائل سامنے آتے چلے گئے، جن کا مختصر الفاظ میں تجزیہ اور ماحصل یہ ہے کہ سیّدہ کا نکاح غیر سید سے ناجائز ہے۔ ایک غالی العقیدہ تحریر کُنندہ نے تو ایسے نکاح کو نعوذ باللہ صریح حرام تک کہہ دیا؛ حالانکہ وہ خود کو محدّث کہلاتا تھا۔ اِس رسالہ کا نام فقہِ اسلامی کا اجتماعی فتوای ہے۔ اِس کی عبارت سے رِفض کی بُو محسوس ہوتی ہے۔ وہ بے چارہ فضائل کے ذکر کے سوا کوئی ٹھوس دلیل دے کر اپنے اِس زعمِ باطل کو ثابت نہیں کر سکا۔ یہاں ذیل میں نام و نسب کے جواب میں آج تک شائع ہونے والے رسائل کی فہرست پیش کی جا رہی ہے تاکہ شوقِ تحقیق رکھنے والے قارئین خود مطالعہ فرما کر اُن کے دلائل کا وزن معلوم کر سکیں۔ یہ جُملہ رسائل غالباً درگاہ گولڑہ شریف سے دستیاب ہوں گے۔

۱۔ فقہِ اسلامی کا اجماعی فتوای ——— از پیر محمود شاہ حویلیاں (یہ حضرت اب مرحوم ہو چکے ہیں)

۲۔ حسب و نسب ——— از مُفتی غلام رسُول جماعتی (مقیم لنڈن)

۳۔ احقاق الحق فی شرطیۃ الکفوٴ والنکاح ——— از مُفتی عبدالشکور ہزاروی وزیرآبادی

۴۔ عدم التکافؤ بین السیّد و غیر سید ——— از مولانا فیض احمد صاحب (مؤلّفِ مہرِ منیر)

۵۔ سیّدہ کا نکاح غیر سیّد سے نہیں ہو سکتا ——— از محمّد عبدالحیّ چشتی مرحوم (رسالہ ہٰذا کا نام ہی فقہِ حنفی کے خلاف ہے)

۶۔ سیّدہ کا نکاح غیر سیّد کے ساتھ جائز نہیں — از جی۔ اے حق محمد چشتی (موصوف کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وُہ ڈھونڈ قوم کے حذف کردہ لفظ کو حضرت اعلیٰ گولڑوی کے اصل مسوّدہ سے ڈھونڈ کر سامنے لے آئے۔ ہم اُن کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔)

۷۔ انکشاف الاسرار فی تعظیم آل النبیِ المختار — از قاضی محمد اسرار الحق حقانی

۸۔ استغنائے ادب — از مولوی محمد عمر چشتی

قارئین! ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا رسائل کا تفصیلی جواب تو یہاں ممکن نہیں۔ بہرحال ان سب میں ایک بات قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے کہ سب میں دلائل کے بجائے اہلِ بیت کے فضائل و مکارم کے ذکر پر انحصار کیا گیا ہے۔ جن سے کسی خوش عقیدہ اہلِ سُنّت کو انکار و اختلاف نہیں۔ مگر یاد رہے کہ فضائل اور چیز ہیں اور مسائل و احکامِ شرعیہ اور۔ فضائل کسی طور شرعی مسائل پر اثر انداز نہیں ہو سکتے اور یہ کہ شرعی مسائل کا سب پر یکساں اطلاق ہوتا ہے۔ کوئی شخص قبیلہ اور خاندان کی بزرگی و جلالت کے سبب کسی شرعی حکم کے دائرۂ اطلاق سے باہر نہیں نکل سکتا۔ لہٰذا بندہ اِن تمام رسائل کو صرف اہلِ بیت کے مجموعہ ہائے فضائل ہی سمجھتا ہے، بعض جگہ جن فقہی عبارات کو بطورِ ثبوت و دلیل پیش کیا گیا، وہ بھی محلِ نظر ہیں۔ بہرحال مندرجہ بالا اِن تمام رسائل کا جواب فقیر کی اِس کتاب میں موجود ہے۔ جو اِس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ مَیں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ اِن رسائل کے بعض نادان مؤلفین نے تو سیّدہ کے غیر سیّد سے نکاح کو بلا دلیل ایذائے رسُول اور ایذائے اہلِ بیت کہہ کر سادہ لوح عوام النّاس کے عقیدت مندانہ جذبات سے کھیلتے ہوئے اُنہیں گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، لیکن اُن کی اِس سے زیادہ بے بسی اور کیا ہو گی کہ وہ اپنے اِس خود ساختہ نظریہ کے ثبوت میں نہ کوئی آیۂ قرآنی، نہ کوئی حدیثِ صحیح اور نہ کسی امامِ مجتہد کا کوئی قولِ مختار

پیش کر سکے ہیں۔ بہر حال اس ضمن میں سطورِ ذیل میں ایک مختصر سا تبصرہ ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔

ایذائے اہلِ بیت کی ایک انوکھی تعبیر کا ابطال اور اُس کی وضاحت

قارئین! جیسا کہ مَیں نے سطورِ بالا میں عرض کیا، نکاحِ سیّدہ کے موضوع پر قلم اُٹھانے والے عہدِ حاضر کے بعض بزعمِ خود مُفتی غیر کفو میں نکاحِ سیّدہ سے ایذائے اہلِ بیت کا مفہوم بغیر کسی شرعی دلیل کے عوام الناس کو باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے اِس من گھڑت موقف کے اثبات میں ضعیف روایات، دُور از کار تاویلات اور ناقابلِ قبول توجیہات کا سہارا لے کر نہ صرف ساداتِ کرام کو بعض خوش فہمیوں میں مبتلا کرتے ہوئے اُنہیں قوانینِ شرعیہ سے مُستثنیٰ و بالا ہونے کی مذموم ترغیب دیتے ہیں، بلکہ خواص و عوام میں بھی گمراہی اور بے دینی پھیلانے کے مرتکب ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ اِس غیر شرعی عقیدت کو غیر متزلزل حقیقت ثابت کرنے کے لیے بعض آیاتِ قرآنیہ، احادیث اور روایات سے ایسے بعید از قیاس نتائج مُستنبط کرتے ہیں، جن سے چودہ سو سال پر محیط عہد میں شریعت و طریقت کے اکابر عُلماء و فقہاءِ اُمّت میں کسی ایک نے بھی، اُن آیات، احادیث اور آثار سے اِن والے نتائج اخذ نہیں کیے۔ حضور علیہ السّلام کے عہدِ مقدّس سے لے کر آج تک اُمّتِ مُسلمہ میں ایسی لاکھوں نابغۂ روز گار شخصیّات پیدا ہوئیں، جن کی ذہنی صلاحیّت، تفقّہ فی الدّین اور علمی اِستعداد کو ایک ایسی چھلنی کی حیثیّت حاصل تھی، جس سے شریعت کا کوئی باریک سے باریک مسئلہ بھی گُزرنے سے نہ بچ سکا۔ اگر آج کل کے بعض نام نہاد مُفتیوں کے اِن نتائجِ مُستخرجہ کو صحیح مان لیا جائے تو پھر لا محالہ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ آج کل کے اِن بعض نام نہاد مُفتیوں کے دماغ، اِن کا علمی مقام اور اِن کے استنباط کی اِستعداد چودہ سو سال میں پیدا ہونے والے اُمّت کے تمام فقہاء،

علماء، مجتہدین اور مفسّرین سے مقدار میں زیادہ ہے۔ حالانکہ اِس بات کو کوئی بھی سلیم الفطرت اور معقول انسان تسلیم نہیں کرسکتا۔ کیونکہ مُستقبل کو جو کچھ ملتا ہے، وہ ماضی ہی سے ملتا ہے۔
اگر ہم کچھ دیر کے لیے ماضی سے کٹ جائیں اور قرآن وسُنّت کو اُمّت کے اکابرِ سلف کی تصنیفات و تحقیقات سے ہٹ کر دیکھیں تو یقین جانیئے، ہمارے پلّے کچھ بھی نہیں پڑے گا۔ یہ تو صحابہ کرامؓ، اہلِ بیتؓ، ائمۂ مجتہدینؒ اور اُمّت کے دیگر فقہاء و علماء کا ہم پر احسانِ عظیم ہے کہ اُنہوں نے ہماری زندگی سے تعلق رکھنے والے ہر پہلو کو قرآن وسُنّت کی لازوال روشنی میں واضح کرکے ہمارے سامنے رکھ دیا۔ مُستحب، واجب، فرض، حلال اور حرام، مکروہِ تحریمی اور تنزیہی، ذوی الفروض اور ذوی الارحام جیسی اصطلاحات کی تعریفات اور اِن کی توضیحات سے ہمیں روشناس کرایا۔ حضورعلیہ السّلام نے اپنے پیغام اور احکام کے اِبلاغ میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں چھوڑا تاکہ کل کوئی شخص کسی چیز کے متعلق یہ نہ کہہ سکے کہ شریعت میں اِس کی حِلّت یا حُرمت واضح نہیں۔ مقصد یہ کہ سب سے پہلے تو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں حلال و حرام کو واضح طور پر بیان فرما دیا اور اگر کسی پہلو سے کوئی مسئلہ مُجملاً ذکر ہوا تو پھر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے وحیِ خفی کے ذریعے اُس اجمال کی مزید تفصیل بیان فرما کر بعض اشیاء کو حرام قرار دیا۔ لہٰذا اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن وسُنّت کی روشنی میں فلاں چیز، فلاں کام یا فلاں رشتہ کے حلال یا حرام ہونے کی وضاحت نہیں پائی جاتی، ایسا کہنے والا اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول علیہ السّلام پر افتراءؔ[1] اور بہتان باندھنے کا مرتکب ہوگا۔

---

[1] ایسے لوگ بلاشبہ قرآنِ مجید کی اِس آیہ کے مصداق ہیں: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ ھٰذَا حَلٰلٌ وَّھٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ
آیت کا ترجمہ۔ اور نہ کہو اُسے جو تمہاری زبانیں جھُوٹ بیان کرتی ہیں (کہ) یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے (اور اِس عمل سے تمہارا مقصد یہ ہے) کہ اللہ پر جھُوٹ باندھو، بیشک جو (لوگ) اللہ پر جھُوٹ باندھتے ہیں اُن کا بھلا نہ ہوگا۔ (سورۃ النحل، آیت نمبر ۱۱۶)

اِس تمہید کے بعد بندہ اپنے قارئین کے سامنے عرض پرداز ہے کہ آجکل کے بعض نام نہاد مُفتیوں کا ایذائے اہلِ بیت سے یہ مفہوم مُراد لینا کہ اگر سیّدہ کا نکاح غیر کفو میں رضائے ولی سے بھی ہو، جب بھی یہ عمل اہلِ بیت کے ایذا کا موجب ہے، تو قارئین یہ شیعہ اور روافض کے علاوہ چودہ سو سال میں پیدا ہونے والے کسی بڑے سے بڑے فقیہ، محدث، امام مجتہد یا کسی مفسر کا مذہب نہیں: جیسا کہ ہم نے اِسی کتاب میں بحوالۂ علاّمہ عینی" اِس امر کی نشاندہی کر دی ہے۔ اگر کوئی عجمی سیّدہ کو اغوا کر کے نکاح پڑھوا لے، تو یہ صورت بلا شُبہ اذیتِ اہلِ بیت کا باعث بن سکتی ہے۔ لیکن یہ صرف اغواءِ عجمی کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، بلکہ اگر سیّدہ کی اپنی برادری کا کوئی فرد بھی مثلاً اُس کا اپنا چچا زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد وغیرہ بھی اُس کے ولی کی رضامندی کے بغیر اُسے اغوا کر کے لے جائے، تو یہ بھی سادات کے گھرانے کی عُرفاً بے عزّتی متصوّر ہوگی اور خاندان والے لڑکی کے باپ پر خندہ زن ہوں گے۔ محوّلہ بالا ہر دو صورتوں میں جو صُورت قابلِ عزّت اور دونوں میں مُشترک پائی جاتی ہے؛ وہ صرف رضامندئ ولی ہے۔ اگر ولی رضامند ہے تو سیّدہ کا نہ تو عجمی سے نکاح مُوجبِ اذیتِ اہلِ خانہ ہوگا اور نہ اپنے قرابت دار سے نکاح اہلِ خانہ کے لیے باعثِ فساد و اذیّت ہوگا اور اگر ولی دونوں صورتوں میں رضامند نہیں تو بے چاری لڑکی کا عجمی اور سیّد دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی نکاح کرنا لامحالہ فساد اور اذیتِ اہلِ خانہ کا باعث بنے گا۔ معلوم ہُوا کہ کسی بھی لڑکی کا غیر کفو میں نکاح ہو، تو اُس کے ولی کی رضامندی ضروری ہے، ورنہ جانبین میں فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ پس جو مُفتی اہلِ بیت کے حق میں وارد احادیث متعلقہ ایذا سے اپنے مطلوبہ و مزعومہ نتائج اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اُن کا یہ عمل اکابر علماء و فقہاءِ اُمّت کے مقرّرہ ضوابطِ اجتہاد کے سراسر خلاف ہے۔ مثلاً جن احادیث میں یہ مفہوم ملتا ہے کہ میرے اہلِ بیت کا لحاظ رکھو، یا اُن کو اذیّت نہ دو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ

حضور علیہ السلام کے اِن ارشاداتِ عالیہ کا مقصد یہ تھا کہ اُمت کا کوئی فرد اُن سے نکاح نہ کرے یا یہ نکاح ناجائز یا حرام ہے۔ یا اِس عمل سے مجھے یا میرے اہلِ بیت کو اذیت پہنچے گی۔ اگر کسی حدیثِ صحیح میں بطورِ خاص اِس قسم کی صراحت کسی مُفتی کی نظر سے گزری ہو تو وہ ازراہِ کرم اِس فقیر کو بھی آگاہ کر دے۔ اذیت کے مفہوم کو صرف سیّدہ کے غیر کفو میں نکاح کرنے میں محصور کرنا ایک خود ساختہ مفروضہ تو کہلا سکتا ہے، مگر اِسے شریعت یا فقہ کے کسی اُصول کا ایسا درجہ نہیں دیا جا سکتا کہ مقلدینِ ائمہ اُس کی پابندی کو جزوِ عقیدہ سمجھ کر اُس پر کاربند رہنے کے مکلّف ٹھہریں۔ جب اذیت رسانی کے سینکڑوں پہلو موجود ہیں کہ انسان کسی دوسرے انسان کو دُنیوی زندگی میں ذہنی، جذباتی، مالی، جانی اور دیگر مختلف قسم کی اذیتیں پہنچا سکتا ہے اور پہنچا رہا ہے، تو خواہ مخواہ اہلِ بیت سے متعلق امتناعِ اذیت کی احادیث کو صرف سیّدات کے غیر کفو میں نکاح کرنے میں محصور کرنا ایک ایسا کمزور اور غیر معتبر اندازِ اجتہاد ہے، جس کی پُشت پر نہ قرآنِ کریم کی کوئی آیت موجود ہے، نہ کوئی حدیثِ صحیح اور نہ ائمہ اربعہ میں کسی امام مجتہد کا کوئی مُستند قول لہٰذا اِس قسم کے مفروضات کو عوام النّاس پر پیش کرنا اور اُسے شریعت کی ایک شق تصوّر کرانا شریعتِ مُصطفٰے کے ساتھ کُھلا مذاق اور ایک نہایت ہی مذموم جسارت ہے۔

مُصنّفِ نام و نسب اور اُن کے مخالفین کو اِس فقیر کا ایک مخلصانہ مشورہ

قارئین! دربارِ عالیہ گولڑہ شریف سے آج تک زیرِ بحث موضوع پر شائع ہونے والے تقریباً تمام رسائل بندہ کی نظر سے گزرے، نام و نسب کے جواب میں لندن سے طبع ہونے والی کتاب حسب و نسب کا مطالعہ بھی کیا، فضائلِ اہلِ بیت اور اُن کے ادب و احترام کا بیان اِن سب کا موضوع مشترک ہے، لیکن کسی ایک مُفتی یا مضمون نگار نے کوئی ایسی ٹھوس شرعی دلیل پیش نہیں کی، جس کی بنا پر برضائے ولیِ اقرب بھی غیر کفو میں سیّدہ کے

نکاح کو ناجائز تسلیم کیا جا سکے، مجھے بعض رسائل میں ایسی عبارات بھی پڑھنے کا اتفاق ہوا، جن سے رِفض کی بُو آتی ہے، چونکہ سب سے پہلے یہ مسئلہ نام و نسب میں اُٹھایا گیا اور تقریباً چار رسال کے اِس طویل عرصہ میں کتاب مذکور کے جواب میں متعدد لوگوں نے قلم اُٹھائے، مگر آج تک کسی نے نام و نسب میں قائم کردہ سوالات کا کوئی ایک بھی ناقابلِ تردید جواب نہیں دیا؛ اگر یہ سب حضرات فقہِ حنفی کی مُستند کتابوں کے حوالے سے قائم کردہ سوالات کا مُسکت جواب فراہم کر سکتے تو بات اِس قدر طُول نہ پکڑتی خواہ مخواہ اِس موضوع کو اسٹیجوں اور کتابوں میں اُچھالنے سے کیا فائدہ۔ نام و نسب میں قائم کردہ سوالات اور تجزیہ تو آج بھی اپنی جگہ اُسی طرح موجود ہے، جو ہر قاری کو دعوتِ تحقیق و جواب دے رہا ہے۔ اب چونکہ یہ موضوع اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک پھیل چُکا ہے۔ اِس لیے یہ فقیر اِن سارے مُفتیوں اور علماء کو بڑی دردمندی سے یہ مُخلصانہ مشورہ دیتا ہے کہ وہ اِس سلسلے میں مُصنّفِ نام و نسب سے بالمشافہ براہِ راست گفتگو کریں اور دلائلِ شرعیہ سے اپنی بات منوائیں اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو پھر صاحبِ نام و نسب کے موقف کو بلا تأمل تسلیم کر لیں اِس لیے کہ یہی شیوہ ہے اہلِ علم و تحقیق اور اہلِ حق کا، یہ ایک شرعی مسئلہ ہے، بہتر ہے کہ اِسے ذاتی اَنا کا معاملہ نہ بنایا جائے؛ جیسا کہ اب ہو رہا ہے اور نہ اِسے مزید طول دیا جائے اِس لیے کہ دربارِ عالیہ گولڑہ شریف اور حضرت اعلیٰ گولڑوی کا تقدّس بُری طرح مجروح ہو رہا ہے۔ فقیر کے اِس مخلصانہ مشورہ کا مقصد صرف یہ تھا کہ حقیقت وقتی طور پر تو چھپائی جا سکتی ہے، مگر وہ بالآخر ظاہر ہو کر ہی رہتی ہے۔ فریقین میں بالمشافہ گفتگو ہونا چاہیئے۔ ملک کے چند جیّد عُلمائے اہلِ سُنّت ثالث بالخیر کی حیثیت سے فریقین کے دلائل سماعت کرنے کے بعد اپنا غیر جانبدارانہ فیصلہ دیں کہ کون حق پر ہے اور کون غلطی پر، پھر جس کی غلطی ثابت ہو جائے اُسے خُوشدلی سے فوراً رُجوع کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ جُھکنا شریعتِ محمدیہ کے آگے ہوگا، نہ کہ کسی شخصیت کے آگے، جس سے کسی قسم کی

خفّت کا پہلو نکلتا ہو۔ اگرچہ مَیں نے گولڑہ شریف کے موجودہ ہر دو حضرات حضرت شاہ غلام معین الدّین صاحب زیدمجدہٗ اور شاہ عبدالحق صاحب زیدمجدہٗ کی خدمت میں براہِ راست بھی اور دیگر چند ذرائع سے بھی مصنّفِ نام ونسب اور مخالفین کے درمیان ایک نشستِ مناظرہ کی تجویز پیش کی تھی، لیکن اُنھوں نے اِسے قبول نہ فرمایا؛ اِس سلسلے میں نیازمند نے ایک تفصیلی عریضہ بھی ارسال خدمت کیا تھا؛ جسے اِس بہ ظاہر مدّعیِ عقیدت مُفتی نے پڑھا اور بغیر کسی جُرم کے سرِعام میری بے عزّتی کی۔ مَیں نے پُورے خلوصِ نیّت سے اِس فتنہ کے فرو کے لیے یہ ساری سعی کی تھی، لیکن افسوس کہ میری اِس نیازمندانہ سعی کو بھی جُرم تصوّر کیا گیا، جس کے ارتکاب کا میں یقیناً معترف ہوں۔

ایک ضروری وضاحت

قارئینِ کرام! آخر میں یہ فقیر مولوی عطا محمد چشتی گولڑوی عرض پرداز ہے کہ میری اِس ساری علمی اور تحقیقی کاوش کا مقصد نہ تو کسی کی جانب داری اور نہ کسی کی مخالفت ہے، بلکہ میرا واحد مقصد و مُدّعیٰ اُن چند نام نہاد مُفتیوں اور خطیبوں کے اِس نظریۂ باطل کا رد کرنا تھا، جنھوں نے میرے پیر و مُرشد رازیِ دوراں مجدّدِ دین وملّت حضرت پیر مہر علی شاہ قدّس سرّہٗ پر یہ افتراء اور بہتان باندھا کہ یہ فتوای آپؒ کا ہے کہ سیّدہ فاطمیہ کا نکاح غیرسیّد سے خواہ وہ ہاشمی غیرفاطمی یا قریشی غیرہاشمی ہو، ناجائز ہے اور یہ کہ اگر ولی اپنی رضامندی سے بھی سیّدہ کا نکاح غیرکفو یعنی ہاشمی، قریشی، علوی، عبّاسی کے علاوہ دوسری قوموں کے کسی فرد کے ساتھ کر دے، تو ایسا نکاح بھی سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں مَیں نے حضرت اعلیٰؒ سے منسوب ایک ملفوظ پر بھی بحث کی کہ اُس سے یہ کاسہ لیس مُفتی اور خطیب جو کچھ مُراد لیتے ہیں وہ ثابت نہیں ہوتا۔ نیز حضرت اعلیٰؒ

کا جو فتویٰ بہ سلسلۂ نکاحِ سیّدہ با غیر سیّد فتاوٰی مہریہ میں مطبوع ہے، صورتِ مسئولہ میں اُس کا جواب فقہِ احناف کی مُعتبر اور ناقابلِ تردید کتابوں میں کیا پایا جاتا ہے؛ اِس لیے کہ حضرت اعلیٰ گولڑوی قُدّس سرّہٗ خود بھی حنفی المسلک تھے، جس کا آپؒ نے اپنی تصانیف میں کئی مقامات پر خود ذکر بھی فرمایا ہے۔ لہٰذا آپؒ فقہِ حنفی کے خلاف فتویٰ نہیں دے سکتے۔ اِسی لیے فقیر نے فتاوٰی مہریہ کے سوال اور جواب کا تجزیہ فقہِ احناف کی مُعتبر کتابوں کی عبارات کے حوالوں سے کیا، تاکہ ابہام رفع ہو جائے، اور حقیقتِ مسئلہ سامنے آجائے۔ بحمد اللہ کہ مسئلہ کی حقیقتِ اصلیّہ اب کھُل کر سامنے آگئی۔

شریعتِ مطہّرہ کے ساتھ ایمان و عقیدہ سے متعلّق چند اختتامی نتائجِ ضروریہ کا اجمالی تذکرہ

قارئین! بعض لوگوں کا یہ کہنا ہرگز درست نہیں کہ ایسے مسائل کی تشریحات سے کیا فائدہ؟ بہ الفاظِ دیگر اِس طرح کہہ کر وہ کتمانِ حق کی ترغیب دیتے ہیں اور یہ عمل بلاشُبہ عند اللہ باعثِ گرفت ہے۔ چونکہ زیرِ بحث مسئلہ کا تعلّق حلال و حرام جیسے اہم احکامِ شریعت سے ہے کہ بعض کج فہم اِس نکاح کو عند الشّرع حرام کہتے اور سمجھتے ہیں، جو صریحاً شریعت پر زیادتی ہے، اِس لیے ایسے مسائل کی تشریح و توضیح از حد ضروری ہو جاتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ ترجمہ: اور مخلوط نہ کرو حق کو ناحق کے ساتھ، اور پوشیدہ بھی نہ کرو حق کو ایسی حالت میں کہ تم (حقیقتِ مسئلہ کو) جانتے ہو۔ مذکورہ بالا آیۂ کریمہ سے یہ وہم نہیں ہونا چاہیئے کہ یہ اور اِس قسم کی دیگر آیاتِ مبارکہ یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں، کیونکہ یہ اُصولِ تفسیر ہے کہ: العبرة لعموم الحكم لا لخصوص السّبب یعنی شانِ نزول تو خاص ہوتا ہے مگر اُس کا حکم عام ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں وہ آیات جو یہود و نصاریٰ کی مذمّت میں ہیں،

اُن کا حکم بھی عام ہے اور اُمّتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والتّسلیم کے علماء و مشائخ کو تنبیہہ کرنا مقصود ہے کہ اس اُمّت کے علماء و مشائخ یہود و نصاریٰ کے احبار و رُھبان کی وضع اور وطیرہ اختیار نہ کریں، جو کتمانِ حق اور لبْسِ حق کیا کرتے تھے۔ قارئین! احکامِ شرعیّہ کی تبدیلی کے دو طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ اُس حکم کی صورتِ اصلیّہ کو ظاہر ہی نہ ہونے دیا جائے، یہ کتمان ہے، اور اگر چھپانے سے نہ چُھپ سکے اور ظاہر ہی ہو جائے تو پھر اُس میں خلط ملط کر دیا جائے، یہ لُبس ہے۔ حق تعالیٰ نے اِن ہر دو طریقوں سے منع فرمایا ہے۔

اِس اہم ترین شرعی مسئلہ پر بحث سمیٹتے ہوئے آخر میں یہ فقیر بارگاہِ ایزدی میں دست بہ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اپنے احکام پر پُختہ ایمان رکھنے اور شریعتِ مصطفےٰ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے ہر حکم کی عزّت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اِس لیے کہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی عزّت شریعت کی عملاً عزّت کرنے پر موقوف ہے۔ دُنیوی جاہ و جلال، شان و شوکت اور مال و اسباب کی فراوانی تو عنداللہ کسی انسان کی عزّت کا مُوجب نہیں؛ اِس لیے کہ ایسے تمام مادّی وسائل تو مسلمانوں کی نسبت کُفّار و مُشرکین کو زیادہ میسّر ہیں؛ مگر یہ سب کچھ ہونے کے باوجود وہ اللہ کے نزدیک قابلِ عزّت نہیں، کیونکہ وہ بدنصیب دولتِ ایمان سے محروم ہیں، پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی کی عزّت کا واحد سبب اُس کا ایمان ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں اِس مفہوم کو اِن الفاظ میں بیان فرمایا گیا: وَ لِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ کہ (بالذّات) عزّت اللہ کی ہے اور اُس کے رسول کی (تعلّق مع اللہ کے سبب) اور مومنین کی (تعلّق مع اللہ والرّسول کے حوالے سے) لیکن منافقین (مفہومِ عزّت کو) نہیں سمجھتے۔ قارئین! اس سے پہلی آیت کے مفہوم کو سمجھنے سے بات ذرا مزید واضح ہو جاتی ہے۔ اُس کا مفہوم یہ ہے کہ

منافقین نے کہا کہ جب ہم شہر میں داخل ہوں گے تو شہر کے مُعزز لوگ، ذلیل لوگوں کو شہر سے نکال دیں گے، ذلیل لوگوں سے اُن کی مراد مسلمان تھے اور صاحبانِ عزّت سے اُن کی مراد اپنی ذوات تھیں؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اِس باطل نظریہ کو رد فرمایا کہ منافقین کے نزدیک جو لوگ شہر کے مُعززین ہیں، وہ عدمِ ایمان کے سبب عنداللہ ذلیل اور حقیر ہیں اور جن لوگوں کے لیے اُنھوں نے اَذِلّہ یعنی ذلیل اور کمینہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور اِن سے اُن کی مُراد غریب مسلمان ہیں، تو اُن کم فہموں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ لوگ ایمان اور اسلام کے حوالے سے عنداللہ مُعزز ہیں؛ خواہ اُن کی معاشی حالت کتنی ہی ابتر کیوں نہ ہو۔ عزّت و ذلّت کے مفہوم سے متعلّق قرآنِ مجید کی اِس وضاحت کے بعد ان ہردو الفاظ کے مفاہیم کھُل کر سامنے آ گئے ہیں۔ کہ عند اللہ قابلِ عزّت ہونے کا واحد معیار صرف ایمان باللہ والرّسول ہے نہ کہ محض دولت و ثروت اور دنیوی شان و شوکت اور ایمان اللہ تعالیٰ اُس کے رسول اور اُس کی شریعت پر پختہ یقین رکھنے، اقرارٌ باللّسان اور تصدیقٌ بالقلب کا نام ہے۔

خلاصۂ بحث یہ کہ محوّلہ بالا قرآنی مفہومِ عزّت و ذلّت کے تناظر میں جو شخص شریعتِ مطہّرہ کے ہر حکم پر ایمان رکھتا ہے اور اُس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانتا اور دل سے مانتا بھی ہے۔ ایسا شخص مؤمن ہے اور مؤمن بلاشبہ عزّت کے قابل ہے اور جہاں معاملہ اِس کے برعکس ہو تو اُس شخص پر لفظِ مؤمن کا اطلاق شرعاً نادرست ہوگا اور ایسا شخص ہرگز قابلِ عزّت نہیں ہوگا، بلکہ وہ والبغض فی اللہ کے تحت قابلِ تحقیر ہوگا؛ خواہ وہ کوئی ہو، اُس کا کسی زبان اور نسل سے تعلّق ہو اور کسی اُونچے سے اُونچے طبقے کا فرد ہی کیوں نہ ہو۔ گویا ایمان محض زبانی جمع خرچ کا نام نہیں؛ بلکہ صمیمِ قلب سے اُس کی تصدیق کا نام ہے۔ بقولِ اقبالؔ ؎

زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مُسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

تاریخ اقوامِ پونچھ

محمد الدین فوق

ویری ناگ پبلشرز
میرپور ۔ آزاد کشمیر

۱۹۹۱ء
ناشر فاروق سہیل
پریس ، طیب اقبال پرنٹرز لاہور
قیمت ۲۷۵/- روپے

فصل ششم

ڈھونڈ قریشی عباسی

ڈھونڈ پونچھ اور علاقہ کوہ مری کی ایک مشہور قوم ہے۔ یہ قوم اپنے آپ کو قریشی النسل کہتی ہے۔ اس قوم کے ایک قابل فرد نے آئینہ قریش کے نام سے ڈھونڈ قوم کی اصلیت اور اس کے تفصیلی حالات میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ اور اپنے طویل شجرہ اور دیگر واقعات کی بنا پر ڈھونڈ قوم کو قریشی عباسی ظاہر کیا ہے۔ نیز مصنف آئینہ قریش کے پاس ایک قدیم غیر مطبوعہ خاندانی شجرہ بھی ہے۔ جو آج سے قریباً ستر۔ اسی سال پیشتر کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے رُو سے بھی ڈھونڈ قوم قریشی عباسی ظاہر کی جا رہی ہے۔ لیکن سر لیپل گریفن مصنف تاریخ رئیسان پنجاب اور چودھری علی محمد خاں مصنف راجپوت گوتیں اور میجر ویلس ان کو قریشی عباسی تسلیم نہیں کرتے۔

سر لیپل گریفن لکھتے ہیں۔ یہ بات کہ یہ قوم ابتدا میں ہندو تھی۔ یا دوسری اقوام کی طرح باہر سے آئی تھی۔ ہنوز تحقیق طلب ہے۔ یہ اپنا نکاس پیغمبر اسلام کے چچا عباس سے بتاتی ہے۔ مگر دعویٰ ان کا غلط ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے۔ کہ وہ اپنی روایات کے مطابق وسط ایشیا سے آئے ہوں۔

میجر ویلس لکھتے ہیں۔ اس قوم کے لوگ تیس سال ہوئے۔ دین اسلام سے

خفیف واقفیت رکھتے تھے۔ مگر اب ان کو اس مذہب سے بہت کچھ واقفیت ہے اور ان کی سوشل عادات ہندو اقوام سے ملتی ہیں۔

چوہدری علی محمد خاں تو صاف الفاظ میں لکھتے ہیں۔ کہ بسبب جب اور بہت سی دیگر راجپوت اقوام کی طرح ڈھونڈ قوم کی اصل بھی ہندو ہی ہے۔ اور ثبوت یہ دیا ہے کہ ان کے بزرگوں میں ایک کا نام کالو رائے تھا۔ جو ہندو نام ہے۔ پھر لکھا ہے کہ ٹاڈ صاحب نے جن چھوار راجپوت قبائل کو معدوم خیال کیا ہے۔ ڈھونڈ قبیلہ ضرور انہی میں سے ایک ہوگا۔ راقم مؤلف کو بوجوہات ذیل ہر سہ قابل مصنفین کی تحریروں سے اختلاف ہے۔

سر لیپل گریفن نے اس قوم کے اس دعوے کو کہ وہ عباسی النسل نہیں ہے۔ صرف "غلط ہے" لکھ کر اپنی طرف سے "غلط" ثابت کیا ہے۔ لیکن جس طرح اس قوم کے پاس اپنی قومی روایات کا ذخیرہ اور شجرہ موجود ہے۔ سر لیپل گریفن کو بھی اس دعوے کے غلط ثابت کرنے کے لئے ایسی ہی کوئی فیصلہ کن دلیل پیش کرنی چاہئے تھی۔ صرف غلط کہہ دینے سے تو کوئی غلط نہیں ہو سکتا۔ سر گریفن یہ الفاظ لکھ کر کہ "ممکن ہے کہ وہ قلب ایشیا سے آئے ہوں"۔ خود ہی اپنے دعوے کی تردید بھی کرتے ہیں۔ اور کم سے کم امکانی صورت میں یہ تو تسلیم کر لیتے ہیں۔ کہ بعض دوسری اقوام کی طرح یہ قوم بھی باہر سے آئی ہے۔ البتہ وہ بیرونی ممالک کو "قلب ایشیا" تصور کرتے ہیں۔ یعنی ترکستان وغیرہ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ ان کو مغل یا ترک تصور کرتے ہیں لیکن کیا اس زمانہ میں ترکستان میں سادات و قریش موجود نہ تھے۔ یا اب نہیں ہیں۔ اور کیا ترکستان کے بادشاہ کے مظالم سے تنگ آکر سادات و قریش کی ایک کثیر جماعت کشمیر میں آکر پناہ گزیں نہ ہوئی تھی۔ پھر ان کے دعوے قریشیت

کے تسلیم کرنے میں انکار کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ اور اگر بقول سر گریفن ان کا وطن قلب ایشیا ہی تھا۔ تو ان کو مغل یا ترک، کہلانے سے کون مانع ہو سکتا تھا۔ مغل اس زمانہ میں ہندوستان بلکہ دنیا کے کثیر حصہ کے بادشاہ تھے۔ تُرک بھی یورپ کے کئی ممالک میں جلیل القدر شہنشاہ تھے۔ اور اب بھی مصطفٰے کمال پاشا کے نام نے ترکوں کو دُنیا میں سربلند کر رکھا ہے۔ لیکن ڈھونڈ قوم حسباً و نسباً چونکہ نہ مُغل تھی نہ تُرک۔ اس لئے اس عظمت و اقتدار کے باوجود جو دونوں قوموں کو حاصل ہے۔ نہ وہ مُغل کہلائی نہ ترک۔ بلکہ وہ قریشی النسل ہونے ہی کو اپنے لئے باعثِ افتخار سمجھتی رہی۔ میجر ویس کی تحریر کو مصنف راجپوت گوتیں اپنی تائید میں بڑے زور سے پیش کرتا ہے۔ حالانکہ ڈھونڈ قوم کے ہندو ہونے پر میجر ویس کی تحریر کو جس قدر پُر زور بیان کیا گیا ہے۔ اسی قدر وہ بودی اور کمزور ہے۔

میجر موصوف کی رائے میں "چونکہ ڈھونڈ قوم کو صرف تیس سال سے مذہب اسلام سے واقفیت ہوئی ہے۔ اور اس کی رسومات ہندوؤں سے ملتی جلتی ہیں۔ اس لئے اس قوم کا نکاس ہندو قوم سے تعلق رکھتا ہے"

میجر موصوف کو شائد معلوم نہیں ہے۔ کہ تحصیل کوہ مری کے ایک موضع پوٹھہ میں ڈھونڈ قوم کے ایک بزرگ پیر ملک سورج اولیا کی ایک زیارت ہے۔ جو دو سو برس سے وہاں موجود ہے۔ وہاں مہینے میں چار میلے لگتے ہیں۔ اور ہر میلہ میں ہزارہا ہندو مسلمان زائرین جمع ہوتے ہیں۔ اس علاقہ میں ایک بزرگ کے ذریعہ اسلام کی اشاعت بھی ہوئی تھی۔ پھر اس وقت بھی ضلع راولپنڈی کے ایک موضع بڑوہا واقعہ پھوا گراں میں ڈھونڈ قوم کے ایک قاضی صاحب موجود ہیں۔ جن کی عمر سو سال سے بھی زیادہ ہے۔ راولپنڈی گجرات جہلم کے ہزارہا لوگ ان سے بیعت ہیں۔ اسی طرح اور کئی نامی گرامی شیخ طریقت اور صوفیاء

علما ان میں گذر چکے ہیں۔ ان واقعات کو سامنے رکھ کر کیا آپ کا یہ نظریہ درست ہو سکتا ہے ۔ ۲ ۔ آپ کی تحریر سے تیس سال قبل ڈھونڈ اسلام سے خفیف واقفیت رکھتے تھے۔

باقی رہیں سوشل رسومات ۔ صرف ڈھونڈ قوم کی سوشل رسومات ہی ہندو رسومات سے نہیں ملتیں۔ بلکہ ہندوستان میں رہنے کی وجہ سے مغلوں۔ سیدوں اور افغانوں اور دوسری اقوام نے جو بیرون ہند سے یہاں آئی ہیں ہندوؤں کی اکثر رسومات کو اختیار کر لیا ہے ۔ مغل بادشاہ تو ہولیاں مناتے ۔ دسہرہ کے دربار کرتے ۔ دیوالی پر چراغاں کرتے۔ اور رکھڑیاں باندھا اور بندھوایا کرتے تھے۔ ان کے محلات میں ہندو تہواروں پر ہندو رسومات ادا کی جاتی تھیں۔ اس لئے صرف اس خیال سے ڈھونڈ قوم کی اصل کو ہندو قرار دینا کوئی قابل تسلیم اور وزن دار دلیل نہیں ہے ۔

چوہدری علی محمد خاں نے ڈھونڈ قوم کو ہندو اور بالخصوص راجپوت تسلیم کرنے میں اس امر پر زور دیا ہے ۔ کہ ان کے ایک بزرگ کا نام کالو رائے تھا ۔ جو ہندو نام ہے ۔ اور ٹاڈ صاحب نے جن راجپوت قبائل کو معدوم خیال کیا ہے ۔ ڈھونڈ بھی انہی میں سے ایک ہیں۔

کالو رائے کو مسٹر لیپل گریفن نے بھی کھالو را یا کالو را لکھا ہے ۔ صاحب آئینہ قریش نے کالو رائی یا کلورا دو نام لکھے ہیں ۔ لیکن چوہدری علی محمد خاں چونکہ کالو رائے نام لکھ کر اس قوم کو راجپوت ہندو ثابت کرنا چاہتے ہیں ۔ اس لئے انہوں نے کھالو را یا کلورا کے نام کا ذکر ہی نہیں کیا ۔

پونچھ کے نسب ناموں اور شجروں میں ایسے ایسے عجیب نام دیکھے گئے ہیں ۔ کہ حیرانی ہوتی ہے ۔ کہ کیا کوئی مسلمان اس قسم کے مہمل ۔ بے معنے اور مجہول

نام رکھ سکتا ہے۔ معلوم نہیں کھالورا یا کلورا کا کیا مطلب ہے۔ لیکن چوہدری صاحب نے اس کو کالورائے بنا کر کم سے کم اس کے یہ معنے تو بنا دیئے ہیں۔ کہ وہ ایک ہندو تھا۔ آج تو پنڈتوں اور برہمنوں سے شگن لینے اور ان سے رسومات ادا کرانے کا رواج کم ہو رہا ہے۔ لیکن ایک زمانہ تھا۔ کہ مسلمان بھی اپنی رسومات ان کے بغیر ادا نہ کر سکتے تھے۔ خصوصاً اُس علاقہ کے مسلمان جو میدانوں سے بہت دور کوہستانوں میں رہتے اور علم دین سے بالکل بے خبر تھے۔ مثال کے طور پر اس وقت بھی قلمرو جموں کے بعض علاقوں اور کوہستان کانگڑہ و شملہ اور وسط ہند کی ریاستوں کی بعض مسلمان اقوام کے نام پیش کئے جا سکتے ہیں۔

راقم مؤلف اول تو کالورائے کے نام ہی کو تسلیم نہیں کرتا۔ نام کھلورا یا کلورا ہی صحیح ہوگا۔ لیکن بفرض محال اگر کالورائے جس کا جزو اوّل مسلمانوں کے ناموں میں بھی ہوتا ہے ہندو ہے۔ تو آپ عہد اکبری کے میرزا راجہ مان سنگھ اور حیدر آباد دکن کے راجہ عثمان پرشاد اور علی گڑھ کے مسٹر سید راس مسعود اور کپورتھلہ کے سیکرٹری لالہ جرمنی داس اور لاہور کے ایک سکھ محمد سنگھ[1] اور کشمیر کے ٹھاکر سیّد حسین اور ٹھاکر رحمت اللہ خاں اور میرٹھ کے ڈین صاحب (زین العابدین خاں) کو کیا کہیں گے؟

ٹاڈ صاحب کو راجپوت اقوام کی تحقیقات پر بہت ناز ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ انہوں نے ٹاڈ راجستان لکھ کر راجپوتوں کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے لیکن جب پنوار راجپوتوں کے معدوم قبائل کا وہ بھی پتہ نہیں لگا سکے۔ تو آپ نے گھر بیٹھے ہی ان معدوم قبائل میں ڈھونڈ قوم کو شامل کر لیا اور یہ یک جنبش قلم پنوار راجپوت بنا دیا ہے۔

[1] لاہور کے ایک مقدمہ میں ایک سکھ نے اپنا نام محمد سنگھ بتایا تھا۔

غرض ڈھونڈ قوم سر گریفن کے "امکانی معلومات" کے مطابق قلب ایشیا سے آئی ہے۔ اور وہ ترک ہے یا مغل! اور میجر ویس اور چوہدری علی محمد خان کی "تحقیقات" کے مطابق وہ ہندو ہے۔ اور راجپوت قوم سے تعلق رکھتی ہے تینوں مصنف اس قوم کو ترک یا مغل یا راجپوت ظاہر کرتے ہیں۔ اگر یہ قوم فی الحقیقت راجپوت یا ترک یا مغل ہوتی۔ تو یہ راجپوت یا ترک یا مغل ہونے سے کیوں انکار کرتی۔ جبکہ تمام دنیا تسلیم کرتی ہے۔ کہ یہ تینوں قومیں دنیا کی معزز ترین اقوام میں ہیں۔ لیکن صدہا پشت سے ان کی سلسل روایات اور ان کے کرسی نامے اور شجرے اس قوم کو اپنے اصلی مرکز سے جدا ہو کر کسی اور قوم میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ اور نہ اس کو وہ حدیث فراموش ہو سکتی ہے۔ جو "الذ ہیم لا یدخل الجنۃ" کے الفاظ میں محفوظ ہے۔

سر گریفن نے ڈھونڈ قوم کے متعلق لکھا ہے۔ "ڈھونڈ ہمیشہ سے فساد پیشہ اور سرکش ہیں۔ اور ستی اور ڈھونڈ قوم کی آپس میں سخت دشمنی ہے" کرنل ایکرافٹ نے بھی ضلع راولپنڈی کے ڈھونڈوں کو سخت خطرناک ظاہر کیا ہے۔ اور راجپوت گوتیں کے مصنف چوہدری علی محمد خاں بھی اپنی کتاب میں انہی الفاظ کو دہرانے اور ان کی تائید کرتے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ ستی اور ڈھونڈ بہت قریبی رشتہ والے ہیں۔ ان کو سرکش بتایا اور ان پر فساد پیشہ ہونے کا الزام لگایا گیا ہے۔ مگر اس کے جواب میں یہ بیان نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے۔ کہ جب کوئی زبردست غنیم کسی کمزور قوم یا ملک پر حملہ کر دیتا ہے۔ تو کیا وہ وطن پرست اور خوددار قوم حفاظت وطن اور ننگ و ناموس کے لئے زندگی پر موت کو ترجیح نہیں دیتی۔ اس لئے اگر سکھوں کے زمانہ (۱۸۳۲ء) میں مہاراجہ گلاب سنگھ کی

تربیت یافتہ فوج کا اس قوم نے کچھ مقابلہ کیا۔ تو وہ مورد الزام کیوں ہو رہی ہے
اس قوم پر یہ الزام بھی عائد کیا گیا ہے۔ کہ اس نے ستمبر ۱۸۵۷ء میں سرکشی کر کے مری پر حملہ کرنے کا منصوبہ کیا۔ لیکن اس حملہ کی خبر چونکہ پہلے ہی ہو گئی تھی۔ اس لئے وہ ناکام رہے۔

سر لیپل گریفن کی اس تحریر کے جواب میں ڈھونڈ قوم کے بعض سرکردہ لوگوں کا بیان ہے۔ کہ ہم ۱۸۵۷ء کے غدر میں قطعاً شامل نہیں ہوئے۔ بلکہ جس مہینہ (ستمبر) میں ہماری سرکشی بتائی جاتی ہے۔ اس مہینہ میں تو غدر بہت حد تک فرو ہو چکا تھا۔ اصل واقعہ یہ ہے۔ کہ گورنمنٹ نے مری اور اس کی گلیوں اور ملحقات پر چھاؤنی قائم کرنے کے لئے قبضہ کر لیا تھا۔ اور یہ مقامات چونکہ ڈھونڈ، ستی اور کیتوال قوم کی ملکیت تھے۔ اور گرمیوں میں انہی مقامات پر ان اقوام کے مال مویشی اور خود ان کو آرام ملا کرتا تھا۔ اس لئے ان اقوام نے اپنی اراضیات واپس لینے کے لئے قسمت آزمائی کی۔ جس میں وہ ناکام رہیں۔

ڈھونڈ قوم پر جس قدر الزام ان کے سرکش اور ناقابل تربیت قوم ہونے کے لگائے گئے ہیں۔ وہ اسی زمانہ کے ہیں۔ جب ان کے تعلقات گورنمنٹ سے بوجوہات بالا کشیدہ ہو گئے تھے۔ اگر جیمز ولسن کرنل ایکاینٹ اور گریفن اور دوسرے معترضین ڈھونڈ قوم کی موجودہ جنگی خدمات اور ان کے وفادارانہ جذبات سے کسی طرح آگاہ ہو سکتے۔ تو زمانہ عتاب کے ریمارکس ان کو فوراً واپس لینے پڑتے۔

آج وہی ڈھونڈ افواج برطانیہ میں جمعداری اور صوبیداری کے عہدوں تک پہنچے ہوئے ہیں۔ بلکہ خان صاحب اور خان بہادر کے سرکاری خطابات

سے بھی ممتاز ہیں۔ اور گورنمنٹ عالیہ کی نگاہوں میں اس قوم کی وہی عزت ہے جو کسی بہادر شجاع اور وفادار قوم کی ہو سکتی ہے۔

سکھ انگریزی حکومت کے جانی دشمن تھے۔ اور بلا وجہ انگریزی سرحدات پر حملے کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ سکھوں اور انگریزوں کی تین لڑائیاں بھی ہوئیں۔ جن کے نتیجہ میں آخر کار سکھوں کا ملک انگریزی حکومت کا ایک جزو قرار پا گیا۔ لیکن وہی سکھ جن کو سرکش اور فسادی اور خطرناک سمجھا جاتا تھا۔ آج حکومت انگریزی کے بہترین وفادار سپاہی ہیں۔

بات یہ ہے کہ جب غلط فہمیوں کے بادل پھٹ جاتے ہیں۔ اور حقیقت کے چہرے سے بدگمانیوں کا پردہ اٹھ جاتا ہے تو ایک بہادر قوم دوسری بہادر قوم کی خواہ وہ دشمن ہی رہی ہو۔ ضرور قدر کرتی ہے۔ اور پچھلی باتوں کو فراموش کر دیتی ہے چنانچہ پونچھ کی ڈھونڈ قوم کے متعلق ہملٹن صاحب مہتمم بندوبست پونچھ نے جو ریمارکس کئے ہیں۔ اس کے الفاظ ذیل خصوصیت سے قابل مطالعہ ہیں۔

"تحصیل باغ میں قوم ڈھونڈ کے ۹۱ گاؤں ہیں۔ اور ان کی تعداد دیگر اقوام سے زیادہ ہے۔ قوم ڈھونڈ بہادر اور مستعد ہونے کے علاوہ باوقار ہے۔ اور اپنے مضبوط کیریکٹر میں دیگر اقوام پر جو زمانہ قدیم میں آباد تھیں فوقیت رکھتی ہے۔ قوم ڈھونڈ کے مکمل حالات رابرٹسن صاحب کی سیٹلمنٹ رپورٹ متعلقہ ضلع راولپنڈی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ پونچھ کی قوم ڈھونڈ میں سرداران چھپائی کا خاندان بہت مشہور اور ذی عزت ہے۔"

عباسیوں کی سلطنت میں جب زوال آفرین انقلاب آیا ہے۔ اور جب عباسیوں نے بھیس بدل کر اور نام تبدیل کر کے اپنے دشمنوں سے اپنی جان بچانے کے لئے عرب کی پاک سرزمین کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہا ہے وہ دردناک

کیفیت اسلامی تاریخوں میں بہ وضاحت تمام موجود ہے۔ انہی انقلاب انگیز حالات کی بدولت صاحب آئینہ قریش کے قول کے مطابق عادل[1] جو حضرت عباس عم رسول اللہ صلعم کی چھٹی پشت میں بتائے گئے ہیں۔ بغداد سے ہندوستان آئے۔ اور دہلی میں آکر اقامت گزیں ہو گئے۔

پونچھ اور ضلع راولپنڈی کے ان عباسی قریشیوں کا جو ڈھونڈ کہلاتے ہیں نسبی تعلق صاحب آئینہ قریش نے عادل کی ساتویں پشت کے ایک نامور قریش ضراب خان۔ سے ملایا ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ وہ ہرات سے کشمیر آئے۔ وہاں کچھ عرصہ رہ کر علاقہ راولپنڈی کے موضع دراں[2] کوٹ میں پہنچے۔ جہاں ان کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا اور جس کا نام ایک بزرگ درویش نے گاہی خان رکھ کر ضراب خان کو اس بچہ کے کثیر الاولاد ہونے اور پھولنے پھلنے کی دعا دی صاحب آئینہ قریش نے گاہی خان کے حسب ذیل بارہ بیٹے لکھے ہیں۔ کھوندر خان تنولی خان۔ سراڑہ۔ بہس۔ ڈھوس۔ باراں ہزاریا۔ جھجھ کنال۔ سالال۔ کول۔ آگر۔ حاکم۔ مولم۔ صاحب آئینہ نے کھوندر خان کا شجرہ نسب ۱۷ واسطوں سے عبدالمناف اور چودہ واسطوں سے حضرت عباس تک ملایا ہے۔ کھوندر خان کی چھٹی پشت میں ڈھونڈ خان ایک نامور شخص پیدا ہوتا ہے۔ جس کی

---

[1] عادل بن تاخت بن سعید بن عبداللہ بن محمد بن عباس۔

[2] یہ موضع تحصیل کہوٹہ میں آباد ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ ضراب خان اپنے بیٹے گاہی خان کے ہمراہ برائے سیر و شکار اس مقام پر آیا۔ اور اس کو آباد کر کے اس کا نام اس نے ضراب کوٹ رکھا۔ ضراب کوٹ سے رفتہ رفتہ دراب کوٹ بنا۔ آج کل اس کو دراں کوٹ کہتے ہیں۔

اولاد و ذریات اس وقت پونچھ کی تحصیل باغ اور راولپنڈی کے علاقہ مری اور ضلع ہزارہ کے کئی دیہات میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور خوب آباد اور فارغ البال ہے
ڈھونڈ قوم جس نے بڑے بڑے نامور فرزند پیدا کئے ہیں اسی ڈھونڈ خاں کے نام سے موسوم ہے۔ اور باوجودیکہ ڈھونڈ خاں قریشی الہاشمی العباسی تھا لیکن ایک طرف اس کے نام نے اس قدر شہرت و مقبولیت حاصل کی۔ اور دوسری طرف اس کی ذریات نے غریب الوطنی و بے علمی کی وجہ سے حسب و نسب کو ایسا فراموش کیا۔ کہ ڈھونڈ لفظ کی وسعت قبولیت نے ان کی قریشیت کو اپنے دامن میں چھپا لیا۔
تنولی خاں جس کے نام پر ضلع ہزارہ کی تنولی قوم مشہور ہے۔ اور سراڑہ جس کے نام پر اسی ضلع میں سراڑہ قوم کئی دیہات میں پھیلی ہوئی ہے کھاہی خاں کے فرزند بتائے جاتے ہیں۔
ڈھونڈ خاں کی آٹھویں پشت میں تولک خاں نام ایک نامور ڈھونڈ گزرا ہے۔ اس کے دو فرزند تھے۔ رتن خاں و چند خاں۔ ان دونوں کے مزار موضع چمل کوٹ میں زیارت گاہ خاص و عام ہیں۔ دونوں بھائیوں کے نام پر اب دو قومیں آباد ہیں۔ رتن خاں کی اولاد سے ڈھونڈوں کی رتنال شاخ نکلی۔ جس کی آبادی زیادہ تر دریائے جہلم کے قرب و جوار اور پنجاب کے دیگر مقامات اضلاع ہزارہ و راولپنڈی میں ہے۔ چند خاں جو بڑا بھائی تھا۔ اور جس کے نام پر چند کوٹ (بعد میں چملاکوٹ) آباد ہے۔ اس کی اولاد ڈھونڈ چنڈال کے نام سے موسوم ہوئی۔ جو تحصیل باغ کے کئی دیہات میں پھیلی ہوئی ہے۔
اس قوم میں ملک سورج اولیا اور محمد مست خاں دو بزرگ صوفی خاصان خدا گذرے ہیں۔ ملک سورج کی اولاد سورجال ڈھونڈ کے نام سے ضلع راولپنڈی

کی تحصیل مری کے کئی دیہات میں آباد ہے۔ جن میں کئی زیلدار اور جاگیر دار ہیں۔ ڈمٹ خاں کا مزار گھوڑا گلی (مری) میں واقع ہے۔

چند خاں کے تین بیٹے تھے۔ جاگو خاں۔ اوہد خاں۔ کلچند ر خاں۔ جاگو خاں کی اولاد چڑالہ۔ نارڑہ کوٹ۔ ہولڑ حصار۔ سیبسر۔ خنتل۔ ریالہ۔ کلس۔ سوہاوہ شریف وغیرہ کئی گاؤں میں آباد ہے۔ اور سب زراعت پیشہ ہے۔ خان بہادر سردار عطا محمد خاں اسسٹنٹ کمانڈنگ افسر برہما جن کا ذکر اگلی سطور میں آئے گا اور سرداران سیبسر وغیرہ اوہد خاں کی اولاد سے ہیں۔

کلچند ر خان کے تین بیٹے تھے۔ اجو خاں۔ جسو خاں۔ نکودر خاں۔ اجو خاں کی اولاد مواضعات چھپاٹ۔ ہل سرنگ۔ چھلکوٹ۔ ڈھیر۔ سنگڑ۔ بھٹارہ۔ ڈبی مناسہ وغیرہ میں آباد ہے۔ خانصاحب سردار محمد اکرم خاں رئیس اعظم چھپاٹی۔ سردار فضل داد خاں انسپکٹر پولیس خلف سردار علی بہادر خاں رئیس و جاگیردار۔ سردار محمد اکبر خاں سکرٹری پنچایت کمیٹی کا تعلق اسی شاخ سے ہے جسو خاں کی اولاد باڈیار وغیرہ مواضعات میں آباد ہے۔ اور زراعت پیشہ نکودر خاں کے فرزند جھنجو خاں کی اولاد بنگو میں آباد ہے۔ اس کا ذکر علحدہ درج ہے۔

کہوٹہ ضلع راولپنڈی کے وہ قریشی عباسی جو عموماً ڈھونڈ کہلاتے ہیں۔ ۳- پنجاب رجمنٹ میں کثرت سے ملازم ہیں۔ ان کے چند گھر تحصیل سدھنوتی میں بھی آباد ہیں۔ ان کا ذکر علیحدہ ہوگا۔

ڈھونڈ خاں کی اولاد میں بھی بعض ایسے نامور شخص ہوئے ہیں جن کے نام سے موسوم ہو کر ڈھونڈ قوم کئی شاخوں میں منقسم ہو گئی ہے۔ مثلاً چند خاں کے تینوں بیٹوں کے نام پر تین شاخیں ہیں۔ اجو نمان بن کلچند ر خاں کی اولاد

اجوال - اودھ خاں کی اودھال اور جاگو خاں کی جاگوال کہلاتی ہے - اور پھر شاخ در شاخ ہوتی چلی گئی ہے - چنانچہ اجو خاں کی اولاد سے موضع بل سرنگ میں جوگا خاںؒ - منصود خاںؒ اور خضر خاںؒ بن سکندر خاںؒ بھائی تھے - جوگا خاں سے جوگیال منصود سے منصودال اور خضر خاں بن سکندر خاں سے خضرال شاخ نکلی ہے - اسی موضع میں بڈھا خاں (از ذریات اجو خاں) کی اولاد بڈھیال اور کوکا خاں کی اولاد کوکیال کے نام سے مشہور رہے -

اب موضع وار ڈھونڈ قوم کے سابقہ و موجودہ مشاہیر کا ذکر کیا جاتا ہے -

اولاد سردار جاگو خاں ڈھونڈ

موضع سوہاوہ - سردار جاگو خاں کی اولاد سے اس موضع میں سردار معصم خاں ایک قابل قدر ہستی تھے - ان کے ایک فرزند سردار بندو خاں کی آٹھویں پشت میں سردار احمد خاں ایک متمول زمیندار گزرے ہیں - وہ جاگیردار اور نمبردار ہونے کے علاوہ اسیسر بھی تھے - ان کے چار فرزند ہیں سلطان محمد خان محمد خاں - محمد خاںؒ - محمد شریف خاں - ۱ کے فرزند کا نام محمد اشرف خاں ہے - اور وہ نمبردار رہے - ۲ خان محمد خاں سربراہ نمبردار اور پنچایت کمیٹی کا ممبر رہا ہے - اس کے دو فرزند عبدل خان و محمد افضل خان ہیں - محمد خاں ۳ کے فرزند کا نام میر اکبر خان ہے - محمد شریف خاں ان سب میں لکھا پڑھا ہے - سردار بندو خاں کی چھٹی پشت میں سردار فقیر خاں بھی ایک جاگیردار تھے ان کا فرزند محمد ایوب خاں سابقہ فوجی ملازم نمبردار رہے -

سردار معصم خاں کے دوسرے فرزند سردار جہت خاں کی اولاد سے گلو خاں اور زبردست خاں اپنے وقت میں اپنی برادری کے سربرآوردہ رکن تھے - زبردست خاں کے تین فرزند تھے - ماڑا خان - جنگ باز خان و فضل خان -

ماڑا خاں کا فرزند پہلوان خاں پنجوزنہ خوار ہے۔ جنگ باز خان کے تین فرزند ہیں بڑے کا نام میرا خاں اور فرزند شش کا سیاب خاں ہے۔ جو ایک ہونہار نوجوان ہے۔

گلو خاں کی اولاد سے بھی اصحاب ذیل موجود ہیں۔ کالو خاں کا فرزند جہانداد خاں۔ جو ملازم گورمنٹ ہے۔ علی بہادر خاں کے فرزندان شبیر زمان خاں و خان زمان خاں۔ سردار فضل خاں کی اولاد سے نسونکا خاں اور اس کا فرزند عادل خاں سردار فتح خاں اور ان کا فرزند ذخمیر خاں جو خواندہ ہے۔ سردار گلو خاں کے ایک فرزند کا نام شیر دست خان تھا۔ اس کی حسب ذیل اولاد موجود ہے۔ پہلوان خاں تجارت پیشہ۔ فنا خاں اور عبداللہ خاں۔

سردار معصم خاں کی اولاد سے ایک اور بزرگ سردار عزت خاں ہوئے ہیں۔ ان کی اولاد میں حسب ذیل اصحاب قابل تذکرہ ہیں۔ سردار آرمل خان جس کی اولاد میں رحمت خاں نمبردار نے اچھی شہرت حاصل کی۔ رحمت خان کے فرزند کا نام امداد خان ہے۔ روڈا خان سربراہ نمبردار پنچایت کیمیٹی کا ممبر بھی رہا ہے۔ زمان خان جس کی اولاد موجود ہے۔ کالو خاں جس کے فرزند کا نام سجاول خان۔ ہے۔ مہمد علی خاں اس کے پسر کا نام سیدل خاں ہے۔

سردار حسن خاں۔ مندل خاں ٹھیکہ دار اسی حسن خان کا بیٹا ہے۔ مندل خاں کے فرزند کا نام دادن خان ہے۔ پنوں خاں۔ محمد طاہر خاں و محمد امیر خاں آپ کے فرزند ہیں۔ محمد طاہر خان کے دو فرزند ہیں۔ محمد اشرف خاں و عبداللہ خاں۔ محمد امیر خان دوکاندار ہے۔ اور اس کے فرزندوں میں محمد صادق خاں ہونہار ہے۔ ڈوڈا خاں اس کے فرزند کا نام عبدالرحمان خاں ہے۔

سردار علی شیر خاں کی اولاد میں سردار مہرداد خان ایک معروف ہستی

تھے۔ ان کی اولاد سے دوست محمد خان۔ محمد حیات خاں۔ محمد ہاشم خاں ملازم فوج اور گلاب خاں چاروں بھائی اپنی برادری میں بارسوخ ہیں۔

سوات خان ملازم فوج ہے۔ اور سیف علی خاں و محمد عباس خاں ملازمان فوج کی حقیقت موضع بیرو ضلع ہزارہ میں بھی ہے۔ راولپنڈی کا مسلم ہوٹل انہی کی ملکیت ہے۔ اکبر علی خاں کے فرزندان شیر خاں۔ عالم شیر خان۔ فتح خان اور کالا خان باہمی اتفاق کی عمدہ نظیر ہیں۔ بھمان خاں کی اولاد سے محمد عظیم خاں۔ عباس خاں اور عبدل خاں موجود ہیں۔

موضع سماہلیاں ڈھونڈاں موضع ساہلیاں کی اس ڈھونڈ شاخ کے مورث اعلیٰ سردار جانی خاں ایک زبردست رئیس تھے۔ آپ کے فرزندان سردار مکرل خاں و سردار شاداب خاں کی اولاد میں راجہ گلاب سنگھ کی عملداری تک ضلع مظفر آباد کے بعض دیہات سے مالکانہ بھی لیتی رہی ہے

اولاد سردار مکرل خاں ۔ آپ کے فرزند کا نام ملک شیر خاں تھا۔ جن کے دو فرزنداں سردار چنول خاں و سردار نوروز خاں سے ان کی ذریات بہت بڑھی۔ چنول خاں کے تین فرزند حسب ذیل تھے۔ نامدار خاں۔ قمراج خاں۔ نواب خاں۔ نامدار خاں کی ذریات میں شیر احمد خاں۔ نادر خاں۔ علیمرد خاں۔ رحمت خاں۔ سلیمان خاں۔ صورت خاں۔ میر زمان خاں۔ اپنی برادری میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ملازم فوج گورنمنٹ عالیہ ہیں۔

نواب خاں کے دو فرزند ہیں۔ غلام محمد خاں و شاہ محمد خاں۔ غلام محمد خاں (سابق ملازم فوج) تین فرزندوں فیروز خاں۔ امیر احمد خاں و محمد امین خاں کے باپ ہیں۔ فیروز خاں کے بھی دو فرزند ہیں۔ محبوب خاں و کدل حسین خاں۔ سردار امیر احمد خاں حکومت کی طرف سے کرسی نشین اسیسر اور کنزاکٹر گورنمنٹ

ہیں۔ ایام قحط میں آپ نے بارہا غربا اور مستحقین کی اعانت کی ہے۔ محمد حیات خاں و محمد رجب خاں آپ کے دو فرزند ہیں۔ محمد امین خاں بھی گورمنٹ کنٹراکٹر ہے
سردار غلام محمد خاں کا بھائی سردار شاہ محمد خاں فوج کی ملازمت میں بھی رہا ہے۔ اور جاگیردار و نمبردار بھی تھا۔ نمانا خاں اس کے فرزند کا نام ہے۔ اور وہ نمبردار ہے۔ سردار چینوں خاں کے بھائی سردار نوردی خاں کے فرزند کا نام گل مہدی خاں ہے۔ اس کے تین فرزند ہیں۔ میر خاں۔ سید خاں۔ نصر اخاں، ان میں سردار سید خاں ملٹری برہما کی ملازمت کے بعد حوالدی کے عہدہ سے ریٹائر ہو کر واپس آ چکے ہیں۔ پنچایت کمیٹی کے سکریٹری بھی تھے۔ اس معاملہ میں ان کو کئی سندات بھی ملی ہیں۔ آجکل ڈسٹرکٹ سولجر بورڈ کے سکریٹری ہیں۔ ان کے دو فرزند محمد یعقوب خاں و محمد اقبال خاں ہیں۔

حوالدار میجر میر خان پنشنر برہما ملٹری کا فرزند محمد اسماعیل خاں ملٹری پولیس برہما میں بعہدہ نائیک ملازم ہے۔

اولاد سردار شاداب خاں۔ ان کا ایک ہی فرزند تھا۔ سردار فتح خاں فتح خاں کے تین فرزند تھے۔ عطا محمد خاں۔ فضل خاں۔ بہادر خاں۔ سردار عطا محمد خاں کے جو جاگیردار و نمبردار رہتے تین فرزند ہیں حشمت خاں۔ سکندر خاں، میرا محمد خاں۔ سردار حشمت خاں نمبردار اور صلح پسند آدمی ہیں۔ اور ان کے پانچ فرزندوں میں بجاول خاں لکھا پڑھا کارکن ہے۔ سردار سکندر خاں کے بیٹے کا نام محمد عزیز خاں اور سردار میرا محمد خاں کے فرزند کا نام محمد اشرف خاں ہے سردار فتح خاں کے دوسرے فرزند فضل خاں کے تین لڑکے ہیں۔ محمد زمان خان، میر زمان خاں۔ خان محمد خاں۔ محمد زمان خاں کے فرزندوں میں محمد اسلم خاں تعلیم یافتہ ہے۔ اور خان محمد خان فوج میں ملازم ہے۔ سردار فتح خان کے

تیسرے فرزند سردار بہادر خاں نمبردار تھے۔ اور سرکار کی خیر خواہانہ خدمات کے صلہ میں انعامات بھی حاصل کرتے رہے۔ ان کے چار بیٹے ہیں۔ ننھا خاں۔ سجاول خاں۔ نظر محمد خاں انعام خوار۔ محمد اسحاق خاں۔ نظر محمد خاں کے فرزند کا نام محمد رزاق خان ہے۔ سجاول خاں جو لکھا پڑھا ہے پہلے فوج میں تھا۔ پھر پولیس میں آیا۔ اب پنشن پر ہے۔

اولاد سردار نور داد خاں۔ آپ کے تین فرزند تھے۔ ناظر خاں۔ گمانی خان۔ و کرامت خاں۔ سردار ناظر خاں کے چار فرزند حسب ذیل ہیں سید خاں ٹھیکہ دار تعلیم یافتہ۔ علوم انگریزی و اُردو میں ماہر۔ محتاجوں اور غریبوں کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ حسین خان لکھے پڑھے ہیں۔ خیر خواہئے سرکار کے صلہ میں کئی سندات آپ کے پاس موجود ہیں۔ گمانی خاں کے دو فرزند ہیں۔ محمد شریف خاں و محمد روشن خاں اوّل الذکر لکھا پڑھا ہے۔ اور اپنی عادات حسنہ کی وجہ سے ہر دلعزیز ہے۔ کرامت خاں کے تین فرزند ہیں (۱) شادی خاں (۲) مہندا خاں (۳) اسد اللہ خاں ان میں سے فوجی پنشنر ہے۔ اوّل الذکر لکھا پڑھا ہے۔ اور اس کے پاس خیر خواہئے سرکار کی سندات بھی ہیں۔

اولاد سردار سیدا خاں۔ اپنے زمانہ میں اپنے علاقہ کے ایک مشہور شخص تھے۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ سردار سمندر علی خاں جس کی اولاد سے عبد الجبار خان نمبردار ہے۔ سردار سیدا خاں کے دوسرے فرزند کا نام مغل خان ہے۔ سر راجہ بلدیو سنگھ نے ان کی خدمات سے خوش ہو کر ان کی اولاد کو پشت بہ پشت معافی دار قرار دیا ہے۔ ان کی اولاد میں سجاول خاں۔ محمد اسلم خاں (ملازم فوج)، دانو خاں و محمد یاسین خان اپنے باپ کا نام روشن کر رہے ہیں ان کے علاوہ سا ہلیاں میں حسب ذیل اشخاص قابل ذکر ہیں۔ انڈاولاد

سردار بنگی خاں جاگیردار و نمبردار۔ بشیر احمد خاں نمبردار خلف شیر دل خاں۔ جوگی خاں کے تین فرزند ہیں۔ عظیم خاں۔ دفتر خاں۔ ملک شی خاں۔ عظیم خاں صاحب جائداد ہے۔ اس کے تین بیٹے ہیں۔ محمد یوسف خاں۔ خدا بخش خاں۔ عمر خاں۔ دفتر خاں کے بھی تین ہی فرزند ہیں۔ صوبہ خاں پنشنر۔ نظر محمد خاں۔ و لعل محمد خاں ملازمان فوج۔

سردار نور خاں انعام خوار کا فرزند سردار مردانہ خاں برادری اور حکومت کے نزدیک ایک ممتاز شخصیت رکھتا ہے۔ اس کا بیٹا صفدر خاں گورنمنٹ پنشنر ہے۔ اس کے دو فرزند ہیں۔ گل نبی خاں و مصاحب خاں۔ دونوں زیر تعلیم ہیں۔

اولاد سردار اُوہد خان ڈھونڈ

چڑالہ شاخ سردار درویش خاں۔ چڑالہ میں دیگر اقوام کی نسبت ڈھونڈ قوم کی آبادی بہت زیادہ ہے۔ یہاں سردار شاہ خاں اس قوم کے ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں جو سردار اُوہد خاں کی شاخ سردار درویش خاں کی ذریات سے تھے۔ ان کی اولاد میں سردار گل مہدی خاں تلوار بہادر اور سردار فتح خاں اور سردار سمند خاں بہت مشہور تھے۔ ان میں سردار سمند خاں کے صاحبزادہ سردار عطا محمد خاں نے اپنی قابلیت و شجاعت اور اپنے اخلاق حسنہ اور خدمات حکومت انگلشیہ اور اپنے قومی جذبات کی وجہ سے جو لازوال شہرت حاصل کی ہے۔ اس کی مثال سرزمین پونچھ و کشمیر میں چشم فلک کو ڈھونڈنے سے بھی نہ مل سکیگی۔

آپ نے پرائیویٹ طور پر انگریزی۔ فارسی۔ اردو اور پرہی زبان میں جو قابلیت پیدا کی ہے۔ وہ پونچھ کے نوجوانوں کے لئے قابل تقلید ہے۔

خانصاحب سردار محمد اکرم خان نے اپنی کتاب آئینہ قریش (مطبوعہ ۱۹۱۶ء) میں آپ کا ذکر بڑے فخر کے ساتھ کیا ہے۔ اُس زمانہ میں آپ ابھی صرف جمعدار کے عہدہ پر تھے۔ اور ۱۹۱۱ء کی تاج پوشی (شہنشاہ جارج پنجم) کی تقریب پر اپنی خدمات کے عوض گورنمنٹ سے ایک تلوار حاصل کر چکے تھے۔ لیکن اُس وقت آپ خان بہادر اور سردار بہادر کے دو معزز خطابوں سے سرافراز ہیں۔ عہدہ کے لحاظ سے برہما ملٹری پولیس کے نائب کمانڈنگ افسر ہیں۔ اور جمعداری اور صوبیداری کی منازل طے کر کے اس وقت لفٹننٹی کے درجہ میں ہیں۔ علاوہ ازیں آرڈر آف برٹش انڈیا کا معزز تمغہ بھی آپ لے چکے ہیں۔ جس کی تنخواہ علاوہ مقررہ تنخواہ کے ساٹھ روپے ماہوار علیحدہ ملتی ہے۔ اس وقت آپ کی سروس کو ۴۵ سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ سرکار انگلشیہ میں جو آپ کی عزت و حرمت ہے۔ وہ سطور بالا اور آپ کے اعزاز ہی سے ظاہر ہو رہی ہے۔ پبلک اور اپنی برادری میں ان کا وجود خطۂ پونچھ اور مسلمانان پونچھ اور عباسیان ریاست کے لئے باعث فخر سمجھا جاتا ہے۔

آپ اہالیان پونچھ کی ذلت و نکبت کے دُور ہونے کا صرف ایک ہی ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جس کا نام علم ہے۔ اسی بنا پر نہ صرف آپ نے اپنی اولاد کو تعلیم دلائی ہے۔ بلکہ پونچھ کے بعض ہونہار طلبا کو آپ نے کسی معاوضہ کے بغیر تعلیمی وظائف عطا کئے ہیں۔ جن کا سلسلہ کم و بیش اب بھی جاری ہے

اخبارات اور پبلک کی طاقت اور ان کے فوائد سے بھی آپ پورے طور پر آگاہ ہیں۔ اخبار کشمیری جو اہالیان کشمیر کے علاوہ اہالیان پونچھ کا بھی سب سے پہلا اور سب سے بہتر ترجمان تھا۔ جب تک جاری رہا۔ آپ کی اعانت کا مرہون منت رہا۔

آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔ فرزند کلاں کا نام سردار عطا اللہ خاں ہے۔ جنہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے ایف۔ اے تک کی تعلیم حاصل کی ہے وہ ملازمت کو پسند نہیں کرتے۔ گھر کے کاروبار میں مصروف ہیں۔ اخبارات و رسائل اور مفید ملک و ملت کتب کا مطالعہ ان کا شغل ہے۔ افسوس ہزار افسوس کہ یہ نوجوان صاحبزادہ ۲۸ مگھر ۱۹۹۲ب (مطابق دسمبر ۱۹۳۵ء) کو کچھ عرصہ کی علالت کے بعد تصنیف کتاب کے دوران میں ہی انتقال کر گیا۔ اس حادثہ عظیم پر خان بہادر سردار عطا محمد خاں کے ساتھ پونچھ اندر و پونچھ سے باہر جس عالمگیر ہمدردی کا اظہار رہوا ہے۔ وہ خان بہادر موصوف کی ہر دلعزیزی اور ان کی خدمات حسنہ کی قبولیت عامہ کی روشن دلیل ہے۔ آپ کے دوسرے فرزند کا نام سردار عظیم اللہ خاں ہے۔ وہ برہما ملٹری پولیس میں ملازم ہیں۔ ہونہار اور نوجوان ہیں۔ اور توقع ہے۔ کہ والد محترم کے نقش قدم پر چل کر کسی دن ملک و قوم کی نیک نامی و شہرت کا باعث ہونگے۔ تیسرے فرزند ہدایت اللہ خاں پونچھ کے سرکاری ہائی سکول میں زیر تعلیم ہیں۔

سردار شاہ خان کی اسی شاخ سے خان بہادر سردار عطا محمد خان کے تایا زاد بھائی سردار فقیر محمد خاں ولد سردار فتح خاں ایک مشہور و معروف بزرگ نمبردار اور جاگیردار بھی تھے۔ سردار فقیر محمد خان کو بایام بندوبست اسسٹنٹ ریذیڈنٹ پونچھ کی سفارش سے بیس روپے کا ایک انعام بھی ان کی خدمات کے صلہ میں عطا ہوا۔ آپ شکار کے بہت شوقین تھے۔ اور شیر کا شکار تو اس بے خوفی اور جرات کے ساتھ کرتے تھے۔ کہ آپ کا نام ہی شیر مار بہادر مشہور ہو گیا تھا۔ آپ کی اس غیر معمولی شجاعت سے خوش ہو کر صاحب بہادر (یعنی اسسٹنٹ ریذیڈنٹ پونچھ) نے آپ کو ایک ٹوپی دار بندوق بطور

انعام عطا کی تھی۔ آپ ہر سال ایک دو شیر ضرور مارا کرتے تھے۔ شیر کے شکار ہی میں آپ کے فرزند کلاں شیر احمد خان کو ایک دفعہ شیر نے زخمی کر دیا تھا۔ اور اسی صدمہ سے وہ آپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔

اپنی برادری میں سردار فقیر محمد خاں بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں جب پونچھ میں پنچایت کمیٹیوں کا وجود عمل میں آیا۔ تو آپ چڑالہ پنچایت کمیٹی کے پریذیڈنٹ قرار پائے۔ سنہ ۱۹۷۰ء میں پونچھ کا یہ سیر شکاری آخر نہنگ اجل کا شکار ہو گیا۔

سردار محمد یوسف خاں ان کے پوتے اور سردار شیر احمد خان مرحوم کے صاحبزادے ان کی جگہ نمبردار و جاگیردار اور پنچایت کمیٹی کے صدر بنائے گئے۔ جس خوش اسلوبی سے آپ نے اپنے فرائض کو دیانت و مستعدی سے ادا کیا۔ اس کا سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں میں اعتراف کیا گیا۔ حکام نے آپ کو اعلیٰ سارٹیفکٹ عطا کئے۔ اور برادری نے آپ کو سر آنکھوں پر بٹھایا۔ آپ کی سرکاری و غیر سرکاری خدمات کا سلسلہ اب بھی بدستور جاری ہے۔

اولاد سردار علہ خان و جھٹا خان۔ سردار درویش خاں (از ذریات اُدہ خان) کے فرزندان سردار علہ خاں و سردار جھٹا خاں کی اولاد کثیر تعداد میں ہوئی ہے سردار علہ خاں کی ایک شاخ میں محمد خاں جاگیردار و نمبردار رہے۔ ان کا ایک فرزند محمد خان محمد خاں بھی سربراہ نمبردار رہے۔ دوسری شاخ میں شاہ محمد خاں (ملازم گورنمنٹ) اور حاجی گلاب خاں قابل ذکر ہیں۔ حاجی گلاب خاں کا لڑکا محمد یوسف خاں لکھا پڑھا ہے۔

جھٹا خان کی اولاد سے وارث خاں کے حسب ذیل تین فرزند تھے۔

حسن خاں ۔ بیرو خاں ۔ کالا خاں ۔ حسن خاں کی اولاد میں حسب ذیل اصحاب قابل ذکر ہیں ۔ محمد خاں نمبردار مرحوم ۔ برکت اللہ خاں نمبردار ولد عنایت اللہ خاں مرحوم سمندر خاں پنشنر حوالدار ۔ عطا محمد خاں سربراہ نمبردار و سابق اسپیسر معہ نمبردار ان محمد افضل خاں و علی اکبر خاں ملازمان برہما ملٹری پولیس ۔ سید احمد خاں پنشنر پلٹن ہے راجپوت خلف سردار فتح خاں ۔

بیرو خاں کی اولاد میں حسب ذیل اصحاب امتیازی درجہ رکھتے ہیں ۔ عبدالکریم خاں ۔ فضل الٰہی خاں ملازم گورمنٹ ۔ مولوی فتح محمد خان ۔ علوم عربی و فارسی میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں ۔

سردار کالا خاں جو سردار وارث خاں کے تیسرے فرزند تھے ۔ جاگیر دار و نمبردار تھے ۔ ان کا پوتا سردار سکندر خاں اس وقت نمبردار ہے ۔ سرکل کمیٹی کا ممبر ہے ۔

سردار جھٹا خاں کی شاخ میں دو اور نامور ہستیاں گذری ہیں ۔ سردار بیلی خاں اور سردار سالم خاں ۔ بیلی خاں کی بڑی شاخ سے محمد اشرف خاں ملٹری پولیس برہما میں لیس نائیک اور محمد خاں سلوتری اور چھوٹی شاخ سے محمد فیروز خاں فوجی پنشنر ہے ۔ سالم خاں کی اولاد میں جیو خاں کے تین بیٹے تھے ۔ بہرو خاں ۔ نتا جی خان ۔ پھر جو خاں ۔ بہرو خاں کی اولاد میں مغل خاں کے دو قابل فرزند موجود ہیں ۔ محمد شریف خاں ۔ منشی عبدالکریم خاں دونوں تعلیم یافتہ ہیں ۔ لیکن منشی عبدالکریم خاں انگریزی پشتو ۔ تامل کے علاوہ علوم دینیات فقہ وغیرہ میں بھی کافی دستگاہ رکھتے ہیں ۔ انگریزی علاقہ میں ملازم ہیں ۔

نتا جی خاں کے فرزند ملک شیر خاں کی اولاد سے فضل خاں اور اس

کے دونوں فرزندان اکرم خاں و محمد حسین خان قابل ذکر ہیں۔
ساہلم خان ہی کی شاخ سے کریم بخش خاں جنگلات میں ملازم رہا ہے۔
اس کی اولاد آجکل موضع گھمبیر پونچھ میں آباد ہے۔ سردار نادر خاں بھی ایک
مشہور ہستی گذرا ہے۔ اس کے چار فرزند حسب ذیل ہیں۔ منصر علی خاں۔
فضل خاں۔ سلطان محمد خاں۔ گل احمد خاں۔ ان میں سلطان محمد خاں کیپٹن
افسر (جمعدار) ہو کر اب پنشن پر اپنے وطن میں مقیم ہیں۔
نیریالہ اولاد سردار جلو خان ۔ اس موضع میں سردار اودہد خاں کی ذریات
سے سردار جلو خاں ایک نامور شخص گذرے ہیں۔ جو جاگیردار اور نمبردار بھی
تھے۔ ان کے دو فرزندوں میں نواب خاں کا قبل از بندوبست انتقال ہو
چکا ہے۔ محمد خاں اس وقت زندہ وسلامت موجود ہے۔ جس کے چھ فرزندان
حسب ذیل ہیں۔ گل حسین خان۔ محمد امیر خاں۔ رنگی خاں۔ عطر خاں۔ جہانگیر
خان۔ محمد یعقوب خاں۔ ہرشش برادران اپنے باپ محمد خاں کے نقش قدم
پر عمل کر مہمان نوازی اور اخلاق حسنہ میں امتیاز خاص رکھتے ہیں۔ ان
میں سے محمد امیر خاں و رنگی خاں نے صدر راولپنڈی میں قریشی مسلم ہوٹل کے
نام سے ایک ہوٹل بھی کھول رکھا ہے۔ جو خوب کامیابی سے چل رہا ہے۔
موضع سیسر ۔ سردار اودہد خاں کی ذریات سے سردار سید خاں و سردار شاہنواز
خاں دو بھائی سیسر کی موجودہ عباسیہ بستی کے جد امجد سمجھے جاتے ہیں۔
مہاراجہ گلاب سنگھ اور راجہ موتی سنگھ نے ان کو جاگیر۔ نمبرداری و سرداری
کے اعزاز و خطابات کے علاوہ کئی مرتبہ نقد انعامات اور خلعت وغیرہ بھی
عطا کئے۔ اور تحریرات سرکاری میں بارہا خیرخواہ۔ تہور پناہ اور شجاعت دستگاہ
کے عالی قدر الفاظ سے یاد فرمایا۔ ان میں سردار سید خاں کے چار فرزند

تھے۔ سردار محمد سید خاں۔ سردار محمد امیر خاں۔ سردار فتح خاں (لاولد) سردار عبداللہ خاں۔

اولاد سردار سید محمد خان مرحوم۔ سردار محمد سید خاں نے اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر مزید انعامات وغیرہ حاصل کئے۔ آپ کے دو فرزند تھے۔ سردار نصر علی خاں و سردار اقبال خاں۔ جب ناڑ کوٹ اور رجپاٹہ کے اکثر زمیندار مزید لگان کی ادائیگی کے تشدد سے بھاگ کر انگریزی علاقہ میں چلے گئے تھے۔ تو سرکار پونچھ کے ایماء سے سردار نصر علی خاں ہی ان کو واپس لائے تھے۔ نصر علی خاں کے تین فرزند تھے۔ اوّل سردار سکندر خاں جو سرراجہ بلدیو سنگھ کے رسالہ میں ملازم تھے۔ ان کا فرزند سردار عبدالغنی خاں سابق ملازم رسالہ موجود ہے۔ عبدالغنی خاں کا بیٹا میر اکبر خاں محکمہ کسٹم میں ملازم ہے۔

دوم سردار گل احمد خاں نمبردار جن کے پاس کئی سرکاری سندات بصلۂ خدمات موجود ہیں۔ جنگ عظیم یوروپ کی خدمات بلا معاوضہ کے صلہ میں ہز اکسیلینسی کمانڈر انچیف افواج ہند نے آپ کو خوشنودی مزاج کی سند دی ہوئی ہے۔ آپ کا فرزند عبدالعزیز خاں پولیس پونچھ میں ملازم ہے۔

سردار محمد سید خاں کے تیسرے فرزند سردار بشیر احمد خاں عرصہ دراز تک محالدار کسٹم رہ کر اب پنشن پر ہیں۔ آپ نے بھی اپنے بھائی سردار گل احمد خاں کی طرح سرکاری امور میں اعلیٰ وفاداری کا ثبوت دیا۔ اور رنگروٹوں کی بھرتی میں سرکار سے سند حاصل کی ہوئی ہے۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ محمد اسماعیل خاں و ڈاکٹر محمد حیات خاں۔

ڈاکٹر محمد حیات خاں عرصہ تین سال سے بحیثیت میڈیکل افسر انچارج صدر ہسپتال پونچھ تعینات ہیں۔ پتھری اور آنکھوں کے اپریشن موتیا بند وغیرہ

ہیں آپ کو بڑی مہارت ہے۔ پونچھ شہر اور مضافات کے لوگ آپ کے ہمدردانہ سلوک کے مداح اور افسران بالا آپ کی حسن کارکردگی کے معترف ہیں۔ پونچھ کے سابقہ چیف میڈیکل افسر ڈاکٹر بھگت رام نے ایک مرتبہ آپ کے متعلق لکھا تھا۔ کہ ڈاکٹر محمد حیات خاں تمام مذاہب کے لوگوں میں ہر دلعزیز اور اپنے کام میں ماہر ہے۔ موجودہ چیف میڈیکل افسر ڈاکٹر رام سنگھ نے بھی بارہا آپ کے کام کی تعریف کی ہے۔ کئی مرتبہ آپ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لئے انچارج چیف میڈیکل افسر بھی رہ چکے ہیں۔ اس وقت بھی آپ مندرجہ ذیل شعبوں کے انچارج ہیں۔ انچارج صدر ہسپتال انچارج لیبارٹری۔ انچارج سیرا اسائلم۔ اوٹ ڈور۔

آپ پونچھ کے ساڑھے تین لاکھ مسلمانوں میں سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ جنہوں نے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی ہے۔

اولاد سردار محمد امیر خاں۔ آپ سردار سید خاں کے فرزند ثانی تھے۔ جاگیردار اور نمبردار تھے۔ مواضعات کلس کھوئیتل۔ ریالہ۔ وناہ وغیرہ کا مالیہ انہی کے ذریعہ داخل سرکار ہوتا رہا۔ ان کے دو فرزند تھے۔ سردار مندو خاں و عطا محمد خاں۔ اول الذکر کے تین فرزند حسب ذیل موجود ہیں (۱) سردار حسین خاں جاگیردار و کنٹرکٹر گورنمنٹ۔ جن کے پاس خدمات کی سندات بھی ہیں۔ (۲) جہانداد خاں تجارتی کاروبار میں مصروف ہیں۔ قحط سالی اور ادائیگی مالیہ کے ایام میں غربا اور زمینداروں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک سے پیش آتے ہیں (۳) علی اکبر خاں جو مستند اور کارکن ہیں۔ عطا محمد خاں کے فرزندان ہیں سردار سجاول خاں و سردار شباب خاں گورنمنٹ کنٹرکٹر ہیں۔ اور اپنے حلقہ اثر میں کافی رسوخ رکھتے ہیں۔

اولاد سردار عبداللہ خان۔ آپ سردار سید خاں کے تیسرے فرزند تھے۔ آپ نے والد کی وفات کے بعد اپنی خیرخواہانہ خدمات کے صلہ میں جدید جاگیر بھی حاصل کی۔ علاوہ ازیں نمبردار بھی تھے۔ ان کے دو فرزند ہیں۔ سردار جواہر خاں و سردار افراسیاب خان۔ اوّل الذکر نہایت خدا دوست تھے۔ ان کی موت کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے۔ کہ نماز صبح کا فریضہ ادا کرنے کے بعد ان کی رُوح اعلیٰ علیین کو پرواز کر گئی۔ ان کے دو فرزند موجود ہیں۔ محمد اکرم خاں جو ملازم گورمنٹ ہے۔ اور محمد اسماعیل خاں جو ہونہار نوجوان ہے۔ سردار عبداللہ خاں کے دوسرے فرزند سردار افراسیاب خان پولیس پونچھ میں بطور محرر ملازم ہوئے۔ اور سب انسپکٹری یعنی تھانہ داری کے عہدے تک پہنچے۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء میں ۳۲ سال کی طویل سروس کے بعد ریٹائر ہو گئے ہیں۔ آپ کے پاس اپنی اعلیٰ کارکردگی کی کئی ایک سندات ہیں۔ ان کا ایک فرزند محمد مسیح خان نام ہے۔ جس میں تمام خاندانی اوصاف پائے جاتے ہیں۔

موضع کھوئیتل ۔ اس گاؤں میں سردار بھرجو خاں کی شاخ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ان کے تین فرزندوں میں سردار ماڑا خاں ایک معزز ہستی تھے۔ اور اپنے والد کی طرح جاگیردار و نمبردار ہیں۔ آپ کے تین فرزند ہیں۔ سردار گل احمد خاں، سردار جہانداد خاں اور سردار شہداد خاں۔ سردار گل احمد خاں جاگیردار و نمبردار ہونے کے علاوہ ٹھیکہ داری بھی کرتے ہیں اور صاحب استطاعت ہیں۔ اور علاقہ انگریزی میں انکم ٹیکس بھی ادا کرتے ہیں۔ آپ ہمدرد خلائق اور مخیر ہیں جنگ عظیم میں آپ نے جو خدمات انجام دی ہیں اس کے کئی سارٹیفکٹ آپ کے پاس موجود ہیں۔ آپ کے برادران اصغر بھی گورنمنٹ کنٹرکٹر ہیں۔ اور ممتاز پوزیشن رکھتے ہیں۔

اولاد سردار اجو خان ڈھونڈ

چمیاٹی۔ شاخ سردار محمد شیر خان ۔ اس موضع کی ڈھونڈ برادری کے مورث اعلیٰ سردار طالع خاں تھے۔ آپ کو مہاراجہ گلاب سنگھ بانئے حکومت ڈوگرہ و فرمانروائے جموں و کشمیر ہمیشہ "تہور پناہ شجاعت دستگاہ" اور "با وفا خیر خواہ" کے الفاظ سے یاد کیا کرتے تھے۔ آپ کے فرزندان سردار محمد خاں و سردار محمد شیر خاں کے مفصل حالات "آئینہ قریشی" میں درج ہیں۔ سردار محمد شیر خاں "چیف آف ڈھونڈ" تھے۔ ان کی ہستی نے اس گاؤں کو بہت شہرت دی ہے۔ وہ بھی اپنے والد کی طرح تمام اعزاز سے ملقب تھے۔ آپ کے حسب ذیل سات فرزند تھے سردار فضل خاں۔ سردار فتح علی خاں۔ سردار فیض طلب خاں۔ سردار کرم خاں سردار شیر احمد خاں۔ سردار فیروز خاں۔ سردار عطر خاں۔ اب ہر ایک کی اولاد و ذریات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اولاد سردار فضل خاں مرحوم۔ سردار فضل خاں جاگیردار۔ اعلیٰ نمبردار انعام خوار اور رئیس اعظم تھے۔ تنقیہ سرحد کے موقع پر ڈھونڈ قوم نے آپ کو اپنا نمائندہ مقرر کیا تھا۔ انہی خدمات کے صلہ میں مہتمم بندوبست پونچھ کی سفارش سے سر راجہ بلدیو سنگھ نے آپ کو ذیلداری کا اعزاز عطا کیا۔ جو اس وقت تک پونچھ میں رائج نہیں تھا۔ (اور نہ اب تک کسی دوسرے کو یہ اعزاز حاصل ہے) ان کے خلف اکبر سردار محمد افضل خاں اور خلف اصغر سردار محمد زمان خاں تھے سردار محمد افضل خاں پولیس انسپکٹر تھے۔ رشوت اور رشوت خواروں کے سخت دشمن اور بڑے حلیم الطبع تھے۔ اس لئے رعایا میں بڑے ہردلعزیز تھے جنگ عظیم کے دوران میں ..... رنگروٹوں کی بھرتی وغیرہ کے متعلق جو مدد آپ نے سرکار انگریزی کو دی۔ اس کا صلہ گورنمنٹ نے ایک تلوار اور

گھڑی کی صورت میں عطا کیا۔ ان کی ملازمت کے دوران میں ان کی قومی نمبرداری اور نمبرداری کے فرائض ان کے چھوٹے بھائی سردار محمد زمان خاں ادا کرتے رہے۔ سردار محمد افضل خان مرحوم کے دو بیٹے ہیں۔ سردار محمد سعید خاں و سردار محمد اسحاق خاں۔ اوّل الذکر نمبردار و جاگیردار و انعام خوار اور ایف۔ اے تک تعلیمیافتہ اور عہدہ کے لحاظ سے انسپکٹر بنک ہیں۔ محمد اسحاق خاں بھی جاگیردار اور فہمیدہ و ذہین ہے۔

سردار محمد زمان خاں حکومت پونچھ کی طرف سے خطاب یافتہ جاگیردار اور صاحب رسوخ تھے۔ آپ کے حسب ذیل چار فرزند ہیں۔ محمد حمید خاں۔ محمد لطیف خاں۔ محمد الطاف خاں۔ محمد سرور خاں۔ سب بھائی جاگیردار کہلاتے ہیں۔ اول الذکر تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود تجارتی کاروبار میں مصروف ہیں۔ آپ نے ایام ایجی ٹیشن ۱۹۳۱ء میں راعی و رعایا کے تعلقات کو خوشگوار بنانے میں اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں۔ مسلمانوں کو مساوات کا درس دینے اور ان کو ایک سٹیج پر لانے اور غریب مسلمانوں کو اچھوت نہ سمجھنے کا جو خیال آپ کے دل میں چٹکیاں لیتا رہتا ہے۔ کاش پونچھ کے دیگر متمول و بارسوخ مسلم خاندانوں کے وہ بزرگ بھی ان کی تقلید کریں۔ جو اہل صنعت و حرفت مسلمانوں کے ساتھ اچھوتوں کا سا سلوک کرتے رہتے ہیں۔

آپ کے دوسرے بھائیوں میں سردار محمد لطیف خاں پلندری میں افسر چوکی پولیس ہیں۔ اور اپنے فرائض تندہی سے ادا کر رہے ہیں۔

اولاد سردار فتح علی خاں مرحوم۔ آپ جاگیردار تھے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ والئے جموں و کشمیر کی فوج میں اپنی خاندانی وجاہت اور اپنی ذاتی وفاداریوں کی بدولت صوبیدار بھرتی ہو کر عرصہ تک فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔

اپنے خاندان میں سب سے پہلے آپ ہی نے ملازمت کی ابتدا کی۔ مقامی حکومت اور گورنمنٹ برطانیہ کے اعلیٰ افسروں کی طرف سے آپ کو حسن خدمات کے صلہ میں کئی سندات ملی ہوئی ہیں۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ سردار محمد صادق خاں جاگیردار جو پولیس میں بطور مدد محرر بھرتی ہو کر آجکل کورٹ انسپکٹری کے معزز عہدہ پر فائز ہیں۔ اور ایک قابل پولیس افسر ہیں۔ آپ کے دوسرے بھائی سردار محمد صیاد خاں جاگیردار تعلیم یافتہ اور انجمن اصلاح المسلمین باغ کے جائنٹ سکرٹری ہیں۔

اولاد سردار فیض طلب خاں ۔ آپ جاگیردار اور خطاب یافتہ سردار ہیں۔ ان کے چار فرزند حسب ذیل ہیں۔ سردار سیف علی خاں۔ سردار محمد روشن خاں پہلوان خاں۔ محمد امین خاں۔ ان میں اول الذکر دونوں اصحاب اور سردار محمد امین خاں سرکاری ملازمت سے بے نیاز ہیں۔ سردار پہلوان خاں محکمہ پولیس میں ملازم ہیں۔ اور پنچایتوں کے زمانہ میں پنچایت کمیٹی کے ممبر رہے ہیں۔ آپ کے متعلق وزیر صاحب پونچھ کا نوٹ ہے۔ کہ یہ شخص پبلک معاملات میں دلچسپی لینے والا ہے۔ سردار محمد امین خاں کے دو فرزند محمد لطیف خاں و محمد عزیز خاں موجود ہیں۔

اولاد سردار کرم خاں ۔ آپ جاگیردار ہیں۔ اور سرداری کے لقب سے ملقب ہیں۔ ان کے حسب ذیل چار فرزند ہیں۔ جہانداد خاں۔ عمرداد خاں شاہداد خاں۔ صحبت خاں۔ ان میں سردار جہانداد خاں تعلیم یافتہ صاحب رسوخ اور حالات زمانہ سے خوب واقف ہے۔

اولاد سردار شبیر احمد خان ۔ آپ سردار شیر محمد خاں کے پانچویں فرزند تھے علوم فارسی عربی میں کافی دستگاہ رکھتے اور نمبردار اور جاگیردار تھے۔

آپ کے فرزندوں میں سب سے بڑے سردار سجاول خاں نمبردار و جاگیردار ہیں باقی فرزندوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ سید اکبر خاں۔ میر افضل خاں۔ بشیر افضل خاں۔ گل روشن خاں۔ کالا خاں۔

سردار فیروز خاں مرحوم۔ جاگیردار تھے۔ اور محکمہ جنگلات میں ایک اچھی اسامی پر رہے ہیں۔

سردار عطر خاں مرحوم۔ جاگیردار اور تعلیم یافتہ تھے۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ محمد رفیق خاں و نثیر خاں۔ دونوں جاگیردار و تعلیمیافتہ ہیں۔

چھیاٹی۔ شاخ سردار علی بہادر خاں۔ سردار علی بہادر خان عباسی جو سردار طالع خاں کے پوتے۔ سردار محمد خاں کے فرزند اور سردار دوست محمد خاں کے بھائی تھے۔ نمبرداری اور انعام خواری کے علاوہ جاگیرداری کا اعزاز بھی رکھتے تھے۔ کیپٹن ہملٹن، مہتمم بندوبست پونچھ سرکاری خط و کتابت میں آپ کو ہمیشہ "عالی جاہ سردار علی بہادر خاں" کے الفاظ سے خطاب کیا کرتے تھے۔ موضع بمبیرہ لوٹھ کے آدانوں اور ملدیالوں کا دیرینہ جھگڑا آپ ہی کے تدبر سے فرو ہوا تھا۔ حالانکہ حکام اس معاملہ میں ناکام رہ چکے تھے۔

راجہ موتی سنگھ نے موضع ارجہ میں آپ کو ایک وسیع آبی رقبہ اور ان کے فرزند سر راجہ بلدیو سنگھ نے سرداری کا اعزاز عطا کیا۔ بحیثیت آنریری مجسٹریٹ کمیٹی سرکل چھیاٹی میں عرصہ تک کام کرتے رہے۔ جنگ عظیم یورپ کی خدمات کے صلہ میں آپ کو ایک تلوار معہ سند عطا ہوئی۔ بندوبست کے کام میں آپ نے حکومت کو جو مدد دی۔ اس کا اعتراف کرتے ہوئے کیپٹن ہملٹن مہتمم بندوبست نے بمنظوری سر راجہ بلدیو سنگھ ۱۳ر دسمبر ۱۹۰۷ء کے ایک پروانہ کے مطابق بندوبستی انعام پچاس روپیہ سالانہ تا میعاد بندوبست

عطا کیا۔

چھپائی کا یہ مجسمۂ وجود اسی نوّے سال کی عمر پاکر ۱۹۵۰ء میں آخر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گیا۔

آپ کے سات فرزندوں میں سے سردار سلطان محمد خاں، سردار عبداللہ خاں، سردار محمد یعقوب خاں لاولد اور سردار سلیمان خاں سب انسپکٹر پولیس دو فرزند چھوڑ کر آپ کی زندگی ہی میں وفات پا چکے تھے۔ اس وقت آپ کے تین فرزند صاحب حیات ہیں۔ جن میں سردار محمد اکبر خاں جن کو اعزاز کرسی نشینی بھی حاصل ہے۔ اور جو پہلے محکمہ جنگلات پونچھ میں ملازم تھے۔ اپنے بھائی سردار نواب خاں کے ساتھ اضلاع راولپنڈی و ہزارہ میں لکڑی کے ٹھیکہ وغیرہ کا کام کرتے ہیں۔

سردار محمد اکبر خاں نے ۱۹۸۹ء کے خط میں تین ہزار روپیہ تحصیل باغ کے غربی علاقہ میں بطور تقاوی تقسیم کیا۔ اور تین سال کے بعد بغیر کسی منافع کے واپس لیا۔ آپ سرکل کمیٹی چھپائی کے سکرٹری رہے ہیں۔ اور ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں آپ نے جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ ان کے صلہ میں آپ کو سرکار برطانیہ نے سندات کے علاوہ دو لنگیاں اور ایک گھڑی انعام میں دی ہے۔ آپ کے بھائی سردار نواب خاں جاگیردار و گورنمنٹ کنٹریکٹر اسیسر ہیں۔ اور اپنی مرنجان مرنج پالیسی سے ہر دلعزیز ہیں۔ سردار محمد اکبر خاں کے بڑا صاحبزادہ خان محمد خاں اے۔ وی۔ ... مڈل سکول دھیرکوٹ اور سردار نواب خاں کا صاحبزادہ محمد یونس خاں گورنمنٹ ہائی سکول مظفرآباد میں زیر تعلیم ہے۔

سردار فضل داد خاں یکم جیٹھ ۱۹۶۱ء ب میں مدد محرر پولیس کی حیثیت سے

بھرتی ہوئے۔ اور ایک طویل ملازمت کے بعد کتک ۱۹۹۲ب مطابق اکتوبر ۱۹۳۵ء میں پنشن پر اپنے وطن آگئے۔ مہاراجہ بلدیو سنگھ اور وزراء ریاست اور اعلیٰ حکام پولیس سب نے آپ کے کارکن افسر ہونے کا اعتراف کیا ہے شورش ۱۹۸۸ب میں آپ تحصیل سدہنوتی کے صدر مقام پلندری میں تعینات تھے، جہاں آپ کے حسن تدبر سے بالکل امن رہا۔

سردار محمد اعظم خاں محرر سارجنٹ پولیس اور بابو غلام نبی خاں متعلم بی اے کلاس پرنس آف ویلز کالج جموں۔ سردار سلیمان خاں مرحوم کے فرزند اور سردار فضل داد خاں کے برادر زادے ہیں۔ سردار محمد اعظم خاں ملازم سرکار رہنے کے علاوہ اپنے علاقہ میں جاگیردار نمبردار اور انعام خوار بھی ہیں۔

بابو غلام نبی خاں جو آپ کے برادر خوردہ ہیں۔ اپنی برادری میں دوسرے نوجوان ہیں جو امسال بی۔ اے کی ڈگری کے لئے امتحان میں شامل ہونے والے ہیں۔

چھباٹی۔ شاخ سردار دوست محمد خاں۔ آپ مد تہور پناہ شجاعت دستگاہ" سردار منائع خاں کے فرزند سردار محمد خاں (برادر سردار محمد شیر خاں) کے صاحبزادے تھے۔ آپ کے والد معہ چچا سردار محمد شیر خاں کو پانچ سو روپیہ سالانہ کی جاگیر کے علاوہ حکومت نے سرداری کا اعزاز بھی بخشا۔ جو اس خاندان کے لئے بطور احترام یوں تو مدت سے استعمال ہو رہا تھا۔ لیکن حکومت نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر کے سرکاری خط کتابت میں بھی اس کا اجرا کر دیا۔

سردار دوست محمد خاں کو خاندانی اعزاز و مناصب بھی حاصل تھے۔ اور اپنی ذاتی خدمات سے انہوں نے ایک سو روپیہ کی مزید جاگیر بھی سرکار سے حاصل کی۔ آپ کے تین فرزند ہیں۔ سردار محمد اکرم خاں سردار محمد یوسف خاں

جاگیردار - سردار بہرام خاں -

سردار محمد اکرم خاں پولیس میں ملازم ہو کر اپنی اعلیٰ قابلیت کی بدولت سپرنٹنڈنٹی کے درجہ تک پہنچے - کچھ عرصہ تک پونچھ میں ایک جج کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے - جنگ عظیم کے دوران میں آپ نے گورنمنٹ برطانیہ کی جو خدمات ادا کیں - ان کے صلہ میں آپ کو خانصاحب کا خطاب عطا ہوا -

سر راجہ بلدیو سنگھ نے نہ صرف سرکاری خط و کتابت میں آپ کے لئے "خیر خواہ با صفا عالی جاہ" کے بیش قیمت الفاظ ہی کا اضافہ فرمایا - بلکہ بزمانہ بندوبست آپ کو ماہوار روپیہ بطور انعام اور تجبین گھماؤں اراضی بطور جاگیر مرحمت کی -

راجہ سکھدیو سنگھ کے زمانہ میں آپ آنریری مجسٹریٹ بھی رہے ہیں جب انجمن اسلامیہ پونچھ کے ابتدائی ایام تھے - اور راجہ بلدیو سنگھ اور ان کے وزرا و نجیب وہ انجمن کے سالانہ جلسوں میں شامل ہوا کرتے تھے - تو آپ اس انجمن کے صدر اعظم تھے -

آپ کے چند اشعار نظر سے گذرے ہیں - جن سے معلوم ہوتا ہے - کہ طبع موزوں رکھتے ہیں - ایک فارسی نعت کے چار شعر ذیل میں درج کئے جاتے ہیں -

من بامید شفاعت بردیت افتادہ ام — زانکہ ہستید یا امت چون توئی روز جزا
ایں ہمہ جرم و بدکاری و بیکاری گذشت — یک نظر برحال ما محمد مصطفٰے
نامۂ اعمال من و زشت کاری شد خراب — یا نبی دارو نیست آنرا جز نگاہ کیمیا
از کرامت کن مکرم اکرم مسکین را — تا بیفتد در تیغ کشمیر او اندر بلا!

علم تاریخ کے علاوہ آپ کو نباتات اور فن طبابت سے بھی خاص دلچسپی

ہے۔ علم حکمت سے آپ کو جو دل بستگی ہے۔ اس کا کچھ اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے۔ کہ آپ نے پنشن حاصل کرنے کے کئی سال بعد ۱۹۳۲ء میں میرٹھ کے پرنس ہومیوپیتھی کالج سے حکیم حاذق کا امتحان ایک تمغہ اور ڈپلومہ لے کر پاس کیا۔

آئینہ قریش آپ کی ایک مطبوعہ تصنیف ہے۔ جو آپ کے اپنے خاندانی اور پونچھ کی چند دیگر اقوام کے حالات میں سب سے پہلی کتاب ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی اور کئی تصانیف حرمت سماع۔ صراط الموحدین۔ برہان القرآن۔ مجموعہ نظمیات عباسی وغیرہ زیر طبع ہیں۔

سردار محمد ایوب خاں بی۔ اے آپ کے اکلوتے صاحبزادے ہیں۔ جو اس وقت پونچھ میں سینئر جج ہیں۔ خانصاحب سردار محمد اکرم خاں صاحب نان تحصیل باغ کی واحد اسلامی انجمن اصلاح المسلمین کے پریذیڈنٹ ہیں۔

ٹہیالی۔ شاخ سردار علی گوہر خاں۔ آپ سردار محمد خاں برادر سردار محمد شیر خان کے [illegible] فرزند تھے۔ جاگیردار اور رتبہ دار بھی تھے۔ رسالہ میں عرصہ تک ملازم رہے۔ آپ کے تین فرزند موجود ہیں۔ دو لاولد فوت ہو چکے ہیں۔ آپ کے نام کی جاگیر آپ کے فرزنداں کے نام واگذار ہو چکی ہے۔ تینوں فرزندوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ (۱) سردار عبدل خان آپ جاگیردار ہیں۔ رسالہ میں ملازم بھی رہے ہیں آپ اخلاق فاضلہ رکھتے ہیں۔ ان کا بڑا لڑکا محمد رزاق خاں پولیس میں ملازم ہے اور چھوٹا لڑکا محمد اسحاق خاں مڈل سکول دھیرکوٹ میں زیر تعلیم ہے (۲) سردار امیر اکبر خان جاگیردار ہیں۔ پولیس کے محکمہ میں سب انسپکٹر ہیں۔ اور آجکل تھانہ [illegible] میں تعینات ہیں۔ افسران محکمہ و پبلک و ماتحت عملہ آپ کی کارکردگی اور آپ کے حسن سلوک کا معترف ہے۔ آپ کا فرزند کلاں محمد سلیم خاں مڈل سکول دیرکوٹ میں زیر تعلیم ہے۔ چھوٹے لڑکے کا نام محمد سرور خاں ہے۔ سردار امیر اکبر خاں نے

پولیس کی ۱۲ سالہ سروس میں حکام اعلیٰ سے کئی مرتبہ سندات حاصل کی ہیں۔ اپنی برادری میں بھی آپ کا اچھا اعتماد و رسوخ ہے۔ (۳) سردار مقدل خاں۔ جاگیردار زمانہ کے نشیب و فراز سے آگاہ اور خلیق ہیں۔ ان کے فرزند کا نام شریف احمد خان ہے۔

اولاد سردار اجو خاں ڈھونڈ

موضع ہل شرنگ ۔ اس گاؤں میں سردار جوگا خاں۔ مقصود خاں اور خضر خاں اور بڈھا خاں کی اولاد کی ونڈیں اور نمبرداریاں ہیں۔ ان کے علاوہ کوکا خان کی اولاد بھی یہاں آباد ہے۔

سردار جوگا خان کی پانچویں پشت سے سردار جمدار خاں ایک نامور شخص ہوا ہے۔ ڈوگرہ حکومت سے قبل ایک لڑائی میں بمقام ہڑنابیرا آپ شہید ہو گئے۔ آپ کا مزار بھی اپنے گاؤں کے رنبہ ہل میں بمقام ٹوپہ واقع ہے۔ آپ کے حسب ذیل چار فرزند تھے۔ مغل خاں۔ آدم خاں۔ بھوپہ خاں۔ بہولو خاں۔

اولاد سردار مغل خاں مرحوم ۔ بڑے بارعب اور قوی الجثہ تھے۔ سرکار سے جاگیر۔ نمبرداری اور سرداری کے اعزاز حاصل کئے۔ ان کے حسب ذیل چار فرزند تھے۔ عبداللہ خاں۔ سہبال خاں۔ نادر خاں۔ علی بہادر خاں۔

سردار عبداللہ خاں اپنے والد کی طرح جاگیردار اور نمبردار تھے۔ بدوران بند و بست کئی غیر موروثی اسامیوں کو دیرینہ حق دار قرار دے کر موروثی بنوا دیا۔ سردار جواہر خاں، محمد اکبر خاں، آپ کے دو فرزند تھے۔ جواہر خاں نہایت دلیر شجاع۔ شکار کے شوقین اور لکڑی کے کرتب میں شہرہ آفاق ہیں۔ ان کے فرزند ہیں زبردست خاں، سربراہ نمبردار نہایت وجیہہ جوان ہے۔ مڈل تک تعلیم یافتہ ہے۔ جواہر خاں کا بھائی محمد اکبر خاں بھی بڑا وجیہہ جوان تھا۔ مگر لاولد انتقال کر گیا۔

سردار مغل خاں کے دوسرے فرزند سردار سہبال خان نمبرداروں کے بڑے

ہمدرد تھے۔ محمد زمان خاں و محمد روشن خاں ان کے دو فرزند ہیں۔ محمد زمان خاں۔ گورنمنٹ انگلشیہ کی فوج میں ملازم رہا ہے۔ اس کا ایک ہی فرزند محمد روشن خان ہے۔

سردار نادر خاں جو سردار مغل خاں کے تیسرے فرزند تھے۔ لاولد انتقال کر گئے۔

آپ کے چوتھے فرزند سردار علی بہادر خاں کو بچپن ہی سے حصول علم اور مجلس مشائخ میں حصہ لینے کا شوق تھا۔ علوم عربی و فارسی میں خوب ماہر تھے۔ حضرت میاں فقیر اللہ قادری بکوٹی رح سے بیعت تھی۔ ان کے متعلق یہ عام واقعہ مشہور ہے۔ کہ جوانی ہی میں ان کی داڑھی دائیں طرف سے سفید ہو گئی۔ آپ کے پیر صاحب کی دعا برکت نے اس کو از سر نو سیاہ کر دیا۔ بڑے نیک بخت اور صالح بزرگ تھے۔ ان کے دو فرزند ہیں۔ منشی علی اکبر خاں و محمد یعقوب خاں۔ ان میں منشی علی اکبر خاں عرصہ اٹھارہ سال سے محکمہ تعلیم میں ملازم ہیں۔ درس تدریس آپ کا شغل ہے۔ آپ کے کئی شاگرد اس وقت انگریزی تعلیم پا کر ملک کا نام روشن کر رہے ہیں۔ اپنی قوم کے ماضی۔ حال اور مستقبل پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ بل مرنگ کے ان بچوں کے لئے جو یقیناً "تھوڑے دنوں کے بعد" آج کے بچے کل کے باپ" کا مصداق ثابت ہونگے۔ آپ کی ذات درحقیقت چشمۂ فیض ہے۔ آپ کا بڑا لڑکا عبد القیوم خاں مڈل سکول دھیر کوٹ میں زیر تعلیم ہے۔ آپ کا چھوٹا بھائی محمد یعقوب خاں شجیع و دجیہہ جوان ہے۔ اور گتکہ کے فن میں خوب ماہر ہے
سردار بہو لو خاں کا فرزند سمندر علی خاں لاولد فوت ہو گیا ہے۔

سردار جوگا خاں کی ساتویں پشت میں سردار باز خاں پنجوتہ خوار رہے ہیں۔ ان کے تین فرزندان زبردست خاں۔ جمال خاں و فضلداد خان ہیں۔ زبردست

کنٹرکٹر ہے۔ اور لکھا پڑھا تواریخی معاملات سے دلچسپی رکھتا ہے۔

سردار منصور خاں کی ساتویں پشت میں سردار سکندر خاں کے چار فرزندان میں سے رنگ خاں ہنجو ترہ خوار۔ اور بوستان خاں ملازم گورنمنٹ رہا ہے۔ لکھا پڑھا اور شائستہ آدمی ہے۔

سردار خضر خاں بن سکندر خاں کی اولاد سے کھیوا خاں کے چار فرزندوں میں متولی خاں و ہیبت خاں مشہور رہتے۔ نجت خاں بن متولی خاں کے دو فرزند کلا خاں و سمندر خاں ہیں۔ ہیبت خاں کا فرزند نصر اخاں ہے۔ اور اس کا فرزند سکندر خاں ہے۔ اسی شاخ سے سردار نور خاں کے دو فرزند گوہر علی خاں و سید باز خاں ہوئے ہیں۔ گوہر علی خاں کے دو فرزند محمد زمان خاں و علی خاں ہیں سید باز خاں کا فرزند سلیمان خاں ہے۔

سردار شاہولی خاں ڈوگرہ حکومت کے تسلط کے وقت اپنی برادری اور علاقہ میں خاص اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ ہل سرنگ کا چوتھا حصہ آپ ہی کی ملکیت میں تھا۔ آپ کے فرزندوں میں عبداللہ خاں علوم عربی و فارسی پر خاص دسترس رکھتے تھے۔ آپ کے چار فرزند حسب ذیل ہیں۔ (۱) منشی تہور خاں انسپکٹر کسٹم کشمیر افسوس ہے۔ حال ہی میں آپ کا اکلوتا فرزند اکبر حسین جو میٹرک میں تعلیم پاتا تھا۔ انتقال کر گیا ہے۔ (۲) منشی منور خاں۔ نئی روشنی اور فلسفیانہ خیالات کے آدمی ہیں۔ اسلامی تعلیم کے علاوہ ہندو مذہب کی تعلیم سے بھی اچھی واقفیت رکھتے ہیں۔ آپ کے چار فرزند حسب ذیل ہیں۔ منشی ظفر حسین۔ محمد اشرف۔ صابر حسین۔ محمد کبیر۔ آخر الذکر تینوں زیر تعلیم ہیں۔ (۳) منشی سلیمان خاں۔ صوبہ برار دکن میں ٹھیکہ واری کا کام کرتے ہیں۔ مولوی عبداللہ خاں کے چوتھے فرزند کا نام علی اکبر خاں ہے۔

موضع سنگرہ - سردار فضل خاں سنگرہ کی ڈھونڈ قوم کے مورث اعلیٰ ہیں - ان کی ابتدائی سکونت بھٹارہ میں تھی - وہاں سے سنگرہ آئے - اور اس کو آباد کر کے بڑی رونق دی - ان کے چار فرزندوں میں سردار الٰہ یار خاں صاحب اولاد تھے سردار قمرو خاں انہی کا چوتھا فرزند تھا -

اولاد سردار قمرو خاں مرحوم - ان کے چار فرزند تھے - سردار زمان خاں - مدا خاں - احمد خاں - مجتبا خاں - ان میں سردار زمان خاں کے چار فرزندوں میں دو لاولد گذر گئے - باقی دو سردار زبردست خاں و سردار ہیبت خاں صاحب اولاد تھے - یہ دونوں اپنے والد کی طرح جاگیردار و نمبردار تھے - سردار زبردست خاں کے فرزند کا نام سردار فضل خاں ہے - وہ نمبردار ہیں - اور ان کے پاس اعلیٰ کارکردگی کی سندات بھی ہیں - پنچایت کمیٹی کے ممبر بھی رہے ہیں - آپ کے فرزند کا نام محمد عارف خاں ہے - سردار ہیبت خاں بھی اپنے زمانہ میں مشہور شخصیت کے مالک تھے - ان کے فرزندان سردار داتو خاں و نواب خاں دونوں لکھے پڑھے اور پنجوتزہ خوار ہیں -

سردار مدا خاں کے دو فرزند تھے - حبیب خاں و سکندر خاں - سردار حبیب خاں کے چار فرزند حسب ذیل ہیں - فیروزالدین خاں - محمد ایوب خاں - محمد امین خان - محمد حیات خاں - سب بھائی اپنی ونڈ کی برادری میں باعزت اور با رسوخ ہیں - آخر الذکر تینوں تعلیم یافتہ ہیں - اور دوران جنگ میں سرکار کو ہر قسم کی مدد دیتے رہے ہیں - جن کی سندات بھی ان کے پاس ہیں - سردار محمد امین خاں کے دو فرزند حسب ذیل ہیں - محمد عارف خاں و وحید خاں -

سردار سکندر خاں کے فرزند کا نام محمد عجب خاں ہے - جو اعلیٰ ونڈ دار ہیں - سردار مجتبا خاں کے فرزند کا نام حیدر خاں اور پوتے کا نام محمد اسلم خاں ہے

سردار احمد خاں کے تین فرزندوں میں منصر علی خاں لاولد فوت ہو چکا ہے۔ سردار صاحب خاں و سردار دادن خاں صاحب اولاد ہیں۔ اول الذکر کے فرزند کا نام جلال خاں اور ثانی الذکر کے فرزند کا نام محمد امیر خاں ہے۔

اولاد سردار شنر فو خاں مرحوم۔ آپ کے دو فرزند تھے۔ شاہ محمد خاں و بیرو خاں۔ ان میں شاہ محمد خاں کے پانچ فرزندوں میں سردار عطا محمد خاں بڑا خوش قسمت گذرا ہے۔ جس کے ایک فرزند بنام منشی بہادر خاں محکمہ کسٹم پونچھ میں انسپکٹری کے معزز عہدے پر ہیں۔ اور اپنی برادی میں قابل قدر ہستی تصور کئے جا رہے ہیں۔

سردار شاہ محمد خاں کے بھائی بیرو خاں کے فرزند کا نام محمد باز خاں ہے۔ اس کے دو فرزند بنام عنایت اللہ خاں و دانو خاں ہیں۔

اولاد سردار فتح شیر خاں۔ آپ کے پانچ فرزندوں میں محمد علی خاں برادری میں ایک سرکردہ شخص گذرا ہے۔ اس کے تیسرے فرزند شیر دل خاں کے دو فرزند ہیں۔ نواب خاں و علیمان خاں۔ دونوں بھائی نیک مزاج اور محنتی ہیں۔ علیمان خاں تعلیم یافتہ ہے

مشاہیر ڈھونڈ عباسی قریشی موضع بنگوئیں۔ نکو در خاں کا فرزند جنجو خاں چھپائی سے بنگوئیں چلا آیا۔ بنگوئیں کے ڈھونڈ خاندانوں میں یہ روایت مشہور چلی آتی ہے۔ کہ جنڈ کی لکڑی کا ایک ستون جو جنجو خاں کے مکان میں تھا اب تک سردار محمد شیر خاں مرحوم کے محفل خانہ واقعہ چھپائی میں موجود ہے۔ جنجو خاں کے چار بیٹے تھے۔ مانک خاں۔ مرزا خاں۔ حسن خاں۔ جیدا خاں۔ مرزا خاں کی دسویں پشت میں سردار فتح شیر خاں ابتدائے بندوبست میں جاگیردار و نمبردار تھے۔ ان کے فرزندان سردار نور عالم خاں پنشنر و سردار

علی گوہر خاں پنشنر اب تک موجود ہیں۔ اور سردار نواب علی خاں و سردار صحبت خاں بھی فوجی ملازم تھے۔ فوت ہو چکے ہیں۔ ان میں نواب علی خاں کا بیٹا لیس نائیک سلیمان خاں پنشن پر ہے۔ سردار نور عالم خاں ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں شامل تھے۔ بصرہ۔ کرنا۔ ناصریہ وغیرہ کئی مقامات پر شریک جنگ رہے۔ کوت العمارہ کے محاصرہ میں زخمی ہو گئے تین زخم بائیں ران پر اور ایک شدید زخم داہنی کلائی میں لگا۔ جس سے ہڈی ٹوٹ گئی۔ لیکن آپ نے رائفل کو پھر بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ بلکہ اُسے بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ آپ کی ان بہادرانہ خدمات کے صلہ میں آپ کو پانچ سروس میڈل اور بہادری کے کئی انعامات کے علاوہ اڑھائی سو روپیہ جنگی انعام بھی ملا۔ اس وقت آپ گیارہ روپے پنشن لے رہے ہیں
منشی محمد عالم خاں بعمر ۲۳ سال آپ کے نوجوان تعلیم یافتہ صاحبزادہ ہیں آپ پولیس میں براہ راست سارجنٹ منظور ہو چکے تھے۔ لیکن تقرری کے انتظار کی تکالیف سے بچنے کے لئے آپ نے محکمہ تعلیم کی ملازمت کر لی۔ مگر اس میں دل نہ لگا۔ جب آپ کے والد کی فوجی خدمات کے صلہ میں گورنمنٹ برطانیہ نے آپ کو پندرہ روپے ماہوار کا فوجی وظیفہ عطا کیا۔ تو آپ ۲۴، نومبر ۱۹۳۲ء کو فوج میں بھرتی ہو گئے۔ دس ماہ کے کورس کے بعد آپ کی خدمات بٹالین ۳/۲ پنجاب رجمنٹ لکھنؤ میں منتقل کر دی گئیں۔ جو آجکل بمبئی میں ہے۔ اور جہاں آپ کے باپ اور چچا سردار علی گوہر خاں[1] سولہ سال تک خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ آپ نے اپنے وطن میں ایک جمعیت بھی رسومات قبیحہ کے

[1] آپ بھی میدان جنگ میں زخمی ہونے کی وجہ سے پنشن یاب ہوئے تھے۔ آپ کو بھی انعام وغیرہ ملے تھے۔

انسداد کے لئے قائم کی تھی۔ جو آپ کی ملازمت کی وجہ سے اب مفقود ہے آپ اپنی قوم کی ایک تاریخ بھی بنام سراج القبائل لکھ رہے ہیں نیز آپ نہایت اچھے مقرر ہیں۔ اور جو امور قوموں کی تباہی و ویرانی اور سرسبزی و ترقی کا باعث ہوتے ہیں۔ ان کا آپ کو پورا احساس ہے۔ آپ کے دو بھائی فتح عالم خاں و فیض عالم خاں بنگوئیں میں اپنے زرعی کاروبار میں مصروف ہیں۔

مرزا خاں بن پنجو خاں کی اولاد سے سردار فتح خان بن بارو خاں ایک نامور شخص گذرا ہے۔ سردار جیون علی خاں پنشنر انہی کی اولاد سے ہیں۔ ان کے دو بیٹے سرکاری ملازمت کے دوران ہی میں انتقال کر گئے۔ اور امیر علی خاں۔ محمد زمان خاں۔ محمد افضل خاں۔ علی شیر خاں اور محمد خاں بھی فوج ہی کی ملازمت کرتے رہے ہیں۔

حسن خاں کی اولاد سے سردار سلطان محمد خاں بن کوڑا خاں اور ان کے بعد سردار محمد شیر خاں صاحب اثر ہستی گذرے ہیں۔ اسی شاخ میں سردار فضل خاں بن وزیر محمد خاں کے فرزندان شیر عالم خاں۔ مختار خاں۔ بشیر احمد خاں اور سکندر خاں اب تک فوج میں ملازم ہیں۔

اسی شاخ سے گلاب محمد خاں بن جمعہ خاں کی اولاد سے کیموں خاں المعروف فیروز خاں فوجی پنشنر اور ان کے برادران گل حسین خاں و ضیاء دم خاں اور عبد الرحمان خاں و عبد الکریم خاں پسران ہاشم علی خاں بھی فوج میں ملازم ہیں

جیوا خاں کی اولاد سے سردار امام دین خاں ایک بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ ہندو مسلمان اب تک ان کے نام کا احترام کرتے ہیں۔ اسی شاخ سے نور دین خاں کے فرزند علی شیر خاں فوج میں ملازم ہیں۔

بنگوئیں کے ڈھونڈ خاندان ہی سے ایک شاخ لشکری خاں بن ابس خاں

بن خوشحال خاں بن موریٹی خاں پکھلی ضلع ہزارہ میں گئی ہے۔ اس شاخ کے فقیر محمد خاں و منگا خاں کی اولاد وہاں موجود ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بنگوئیں کے ڈہونڈ خاندانوں میں ساٹھ فی صدی سے زیادہ فوجی ملازم ہیں۔ اور بالعموم سب کے سب خواندہ ہیں میجر ولسن اپنی تحریر میں فرماتے ہیں۔ کہ قوم ڈہونڈ کھیتی باڑی زیادہ کرتی ہے۔ اس لئے کثرت ورزش کے باعث مضبوط اور جنگجو ہے۔

بگوئیں میں ڈہونڈ خاندان کے قریباً ساٹھ گھر آباد ہیں۔ جن کے نفوس کی تعداد اڑھائی سو کے قریب ہے۔ سب زراعت پیشہ اور خوشحال ہیں۔ اپنی حکومت کے ہمدرد اور فوجی ملازمت کے شائق ہیں۔

خاندان ڈہونڈ عباسی قریشی چمنکوٹ ۔ سرزمین چمنکوٹ کو قوم ڈہونڈ کے مورث اعلیٰ حضرت چند خاں و رتن خاں کے مزارات کے باعث خاص وقعت و مرکزیت حاصل ہے۔ انہی دونوں بھائیوں کی اولاد سے علاقہ انگریزی پونچھ اور کشمیر وغیرہ میں ہزاروں کی تعداد میں افراد قوم موجود ہیں۔

چمنکوٹ چند خاں کے نام پر ہی آباد ہے اصل نام چند کوٹ تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ چند کوٹ سے چمن کوٹ مشہور ہوگیا۔ آپ کی چودھویں پشت میں بزمانہ راجہ موتی سنگھ سردار منگی خاں ایک نامور اور معروف ہستی گزری ہے۔ جن کو حکومت کی طرف سے عزت اشار اور سردار وغیرہ معزز القاب سے مخاطب کیا جاتا تھا۔

حکومت کی خیرخواہی اور وفاداری کے صلہ میں آپ کو ایک جاگیر ۱۹۱۷ء سنہ ب اور دوسری ۱۹۲۶ء سنہ ب میں ملی۔ اور ۱۹۴۵ء سنہ ب میں سرکار نے آپ کو سردار کا خطاب عطا کر کے مزید اعزاز بخشا۔ آپ اپنے علاقہ کے رئیس اعلےٰ زمیندار

اور چار مواضعات کے نمبردار تھے۔ ۱۹۶۲ء میں آپ بعمر یک صد سال رحلت فرما گئے۔ چار فرزند آپ کی یادگار ہیں۔ سردار دوست محمد خاں۔ سردار سکندر خاں سردار عبدل خاں۔ مولوی عطا اللہ خاں۔

سردار دوست محمد خاں کے فرزند سردار حبیب اللہ خاں عابد و زاہد ہونے کے علاوہ جاگیردار نمبردار اور ممبر پنچایت کمیٹی تھے۔ ان کے حسب ذیل پانچ فرزند ہیں۔ محمد اکبر خاں جو نمبردار رہے۔ ہدایت اللہ خاں۔ جواہر خاں۔ عبداللہ خاں میر اکبر خاں۔

سردار سکندر خاں جاگیردار اور نمبردار ہونے کی وجہ ہی سے نہیں۔ بلکہ اپنے اعلےٰ اخلاق کی وجہ سے بھی ایک بارسوخ ہستی ہیں جنگ عظیم یوروپ کی خدمات کے صلہ میں صاحب سپیشل اسسٹنٹ ریذیڈنٹ اور راجہ صاحب پونچھ نے خوشنودیٔ مزاج کے سرٹیفکٹ عطا کئے۔ سردار کا خطاب ملا۔ آپ کے چار فرزند حسب ذیل ہیں۔ محمد حیات خاں۔ محمد فیاض خاں۔ محمد صادق خاں۔ محمد حیات خاں نے جنگ عظیم کے دوران میں گورمنٹ انگلشیہ کی ملازمت بھی کی ہے۔ اور منشی محمد فیاض خاں کنٹریکٹر ہیں۔

سردار منگی خاں کے تیسرے صاحبزادے سردار عبدل خاں رئیس جاگیردار۔ نمبردار اور اعلیٰ زمیندار ہیں۔ سرداری کا خطاب آپ کو بھی حاصل ہے۔ عدالت سشن کے اسیسر بھی ہیں۔ جنگ عظیم یوروپ کی بہترین خدمات کے صلہ میں سپیشل اسسٹنٹ ریذیڈنٹ اور سر راجہ بلدیو سنگھ نے سندات عطا کیں۔ تحریک کشمیر کے دوران میں جبکہ حکومت کشمیر اور رعایائے پونچھ کے تعلقات پر ناخوشگوار اثر پڑنے کا قوی اندیشہ تھا۔ آپ نے انتہائی افہام رسوخ اور تدبر سے کام لے کر والی اور رعایا کے درمیان خوشگوار فضا قائم کر کے

اپنی قدیم خاندانی روایات کو قائم رکھا۔ آپ کے چار فرزندوں میں محمد سعید خاں ہونہار ذہین اور زیر تعلیم ہے۔

سردار منگی خاں کے چوتھے صاحبزادے مولوی عطا اللہ خاں علوم عربی و فارسی میں کامل دستگاہ رکھنے کے علاوہ جاگیردار اور اعلیٰ زمیندار ہیں۔ اصلاح معاشرت اور مسئلہ تعلیم سے آپ کو بے حد دلچسپی ہے۔ آپ نے اپنے اجداد چندخاں و رتن خاں کے مزارات بلکہ ان کے وسیع رقبہ قبرستان کے گرد حضرت چند خاں کی اولاد کی معاونت سے ایک پختہ چار دیواری تعمیر کرائی ہے۔ سردار منگی خاں کی اولاد بالخصوص مولوی عطا اللہ خاں اپنے مورث اعلیٰ کی اس مبارک یادگار اور سجاوگی پر جس قدر فخر کریں بجا ہے۔ مولوی عطا اللہ خاں چھنکوٹ جیسے مرکزی مقام پر جو تمام ڈھونڈ عباسیوں کے نزدیک بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اپنے بزرگوں کی ایک معنوی یادگار مسجد جامع اور تعلیمی درس گاہ کی تجدید و تعمیر کی صورت میں قائم کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں۔ آپ کے دو فرزند محمد معظم خاں و محمد مجید خاں زیر تعلیم ہیں۔

چھنکوٹ کی ڈھونڈ برادری میں سے حیات اللہ خاں۔ علیا خاں و نذیر احمد خاں پسران بہادر خاں کشمیر کے موضع راج پٹھ میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ ان کی اولاد اب وہیں موجود ہے۔

اولاد حیات بخش خاں مرحوم۔ آپ جمعہ خاں کی آٹھویں پشت میں تھے ان کے چار فرزندوں میں سے محمد اکبر خاں کے حسب ذیل تین فرزند ہیں۔ رحیم داد خاں۔ عبد العزیز خاں و محمد امین خاں۔ عبد العزیز خاں اپنے نام کے لحاظ سے ہر دلعزیز اور لکھا پڑھا ہے۔

اولاد نور باز خاں مرحوم۔ آپ کے پانچ فرزندوں میں شیر باز خاں

پابند صوم وصلوٰۃ اور صاحب حیثیت آدمی ہے۔ اس کے دو فرزند ہیں۔ سلیمان خاں و محمد ریاض خاں۔ سلیمان خاں خواندہ ہے اور شائستہ طبیعت رکھتا ہے۔

اولاد سمندر علی خان ڈھونڈ موضع جنگلڑی۔ ڈوگرہ حکومت کے اوائل عہد میں ببر خاں ڈھونڈ موضع تاڑاکوٹ سے جنگ لڑی آکر آباد ہو گیا۔ اس کا فرزند ناظر علی خاں اور ناظر علی خاں کا سمندر علی خاں تھا۔ سمندر علی خاں کے دو فرزند موجود ہیں۔ محمد اکبر خاں و فیروز خاں۔ آخر الذکر جزائر انڈمان میں اپنا کاروبار کرتا ہے۔

جسکمب ڈھونڈ

آئینہ قریش کے حوالہ سے قبل ازیں لکھا جا چکا ہے۔ کہ ڈھونڈ خاں حضرت عباس عم رسول کریم صلعم کی اولاد سے تھا۔ آنحضرت صلعم کے والد سیدنا عبد اللہ اور حضرت عباس اور حضرت حمزہ اور ابو طالب (حضرت علی) کے والد سب آپس میں بھائی اور عبد المطلب بن ہاشم کے فرزند تھے۔ حضرت عباس اٹھاسی سال کی عمر میں ۳۲ھ میں وفات پا گئے۔

ڈھونڈ خاں کے فرزند کا نام جسکمب خاں تھا۔ جو زبانوں پر نہ چڑھنے اور الفاظ کے تغیر و تبدل کی وجہ سے جسن خاں یا جسکم خاں مشہور ہو گیا۔ جو عباس خاں سے دسویں اور حضرت عباس سے بائیسویں پشت ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے۔ ڈھونڈ خاں کے اقتدار کی وجہ سے اس کی تمام قوم ڈھونڈ ہی کے نام سے موسوم ہے۔ لیکن اس کا بیٹا جسکمب خاں بھی باپ سے کچھ کم مشہور نہ تھا۔ اس کے چار فرزند تھے۔ گلاب خاں۔ نکو خاں۔ ببر خاں۔ سہو خاں۔ گلاب خاں کی اولاد کہوٹہ سے جو اس زمانہ میں اس قوم کا مسکن تھا۔ پونچھ (تحصیل باغ) اور

کوہ مری کے علاقہ میں چلی گئی۔ اور اپنے بزرگ ڈھونڈ ہی کے نام سے مشہور رہی۔ سرداران چھیالی وچھن کوٹ وغیرہ سب گلاب خاں ہی کی نسل سے ہیں۔ ڈھونڈ قوم کا ایک حصہ جسکمب کے نام سے کس طرح مشہور ہوگیا۔ اس کی کچھ کیفیت سطور ذیل سے معلوم ہو سکیگی۔ ۱۸۳۷ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے ڈھونڈ قوم کے اتفاق و اتحاد کو توڑنے کے لئے ان کے بعض رئیسوں سے کچھ وعدے وعید کئے اور کئی ایک کو نقدر قومات دے کر اپنی طرف کرلیا۔ اور اس طریق سے جب ڈھونڈ قوم کے رئیسوں کو ایک دوسرے پر اعتبار نہ رہا۔ بلکہ باہم ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے۔ تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے ان کی تباہی و بربادی کے لئے جو تجاویز سوچ رکھی تھیں۔ ان کو جامۂ عمل پہنانا شروع کیا۔ چنانچہ ان کی زراعتیں تباہ کر دیں۔ ان کے دیہات پھونک دیئے۔ ان کے مردوں عورتوں اور بچوں کو لقمۂ اجل بنا دیا۔ سر لیپل گریفن اپنی کتاب پنجاب چیفس (ترجمہ) کے صفحہ ۶۰۹ و ۶۱۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ گو ممکن ہے کسی قدر مبالغہ ہی ہو۔ تاہم مشہور یہ ہے۔ کہ اس کوہستانی مہم میں بارہ ہزار ڈھونڈ جان سے مارے گئے تھے۔ جو لوگ اس تشدد سے بچ رہے۔ ان میں سے کچھ قحط کی نذر ہو گئے۔ کچھ بھاگ گئے۔ لیکن ایک کثیر تعداد تباہ ہونے کے باوجود کہوٹہ کی سکونت ترک نہ کر سکی۔ کوہ مری کی شورش بزمانہ عہد انگلشیہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی ناراضگی کی وجہ سے ڈھونڈ قوم اس زمانہ میں معتوب سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے ڈھونڈ قوم کے کہوٹہ والے قبائل نے ڈھونڈ کا نام ترک کر کے اس کے بیٹے جس خاں کے نام پر اپنے آپ کو جسکمب یا جسکم کہنا شروع کیا چنانچہ اس سے اب تک وہ اسی نام سے مشہور ہیں۔

جس خاں یا جسکمب چونکہ ڈھونڈ ہی کا بیٹا تھا۔ جس کے نام پر کہوٹہ کی ڈھونڈ قوم کے بچے کھچے حصہ نے پناہ لی تھی۔ اس لئے دراصل ڈھونڈ اور جسکمب

ایک ہی قوم کا نام ہے۔ اور سرداران چھپائی[1] تحصیل باغ نے بھی ایک تحریر کی رو سے جو راقم کی نظر سے گزر چکی ہے۔ اس بات کی تصدیق کی ہے۔ کہ جس خان المعروف جسکمب خاں ہمارے اجداد سے تھے۔ اور جسکم یا جسکمب ہمارے عباسی بھائی ہیں۔ اور ان کا شجرہ ہمارے ساتھ ملتا ہے۔ سرداران چھپائی کے ان الفاظ کی تصدیق آئینہ قریش کے مندرجہ شجرہ سے بھی ہوتی ہے۔ جہاں گلاب خاں بن جس خاں بن ڈھونڈ خاں کا ذکر آتا ہے۔

گلاب خاں کے باقی تینوں بھائیوں کی اولاد سے کچھ لوگ انقلاب زمانہ کی بدولت کہوٹہ کے مواضعات نڑ اور سرکھا سے نکل کر اور جہلم کے رستے دریا عبور کر کے سدھنوتی کی تحصیل میں چلے آئے۔ اس وقت یہ لوگ جو جسکم یا جسکمب ڈھونڈ کہلاتے ہیں۔ گل کوٹ اور رچھلاڑ میں آباد ہیں۔ البتہ حوالدار سید محمد خاں کے گھرانے کے علاوہ باقی تمام جسکمب گلاب خاں کے بیٹے بھنڈو خاں کی اولاد سے ہیں۔

جسکم ڈھونڈ قوم کے لوگوں کی تعداد پچاس گھر سے زیادہ نہیں ہے۔ سب زراعت پیشہ ہیں۔ اور ان میں پنشنر جمعدار دین محمد خاں و سجاول خاں نمبردار ہیں۔ فوج میں ان کی کافی تعداد ہے۔ عام سپاہیوں کے علاوہ اس وقت ۶ حوالدار ہیں اور ایک جمعدار ہے۔ تعلیم اس قوم میں بہت کم ہے۔ اس وقت

---

[1] نام حسب ذیل ہیں۔ خان صاحب سردار محمد اکرم خاں رئیس چھپائی وپریذیڈنٹ انجمن اصلاح المسلمین۔ سردار محمد اکبر خاں جاگیردار و سیکرٹری اصلاح المسلمین سردار محمد یوسف خان جاگیردار۔ سردار محمد خاں جاگیردار۔ پہلوان خاں ولد سردار فیض طلب خاں جاگیردار نمبردار۔

تک ان میں ایک بھی انٹرنس پاس نہیں ہے۔ اپنی برادری کے علاوہ سُدھن اور ستی اقوام سے ان کی رشتہ داریاں ہوتی ہیں۔ جمعدار دین محمد خاں حوالدار سید محمد خاں اور حوالدار شیر محمد خاں ان میں قابل ذکر ہستیاں ہیں۔ جمعدار دین محمد خاں ۱۹۰۶ء میں پلٹن ۹۴ میں بھرتی ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں جب جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ تو پلٹن ۱۰۲ گرینڈرس میں تبدیل ہو کر جنگ میں شامل ہو گئے۔ اور اپنی غیر معمولی شجاعت کی بدولت لیس نائیک ہو کر وائسرائے کا سرٹیفکٹ اور جمعداری کا منصب حاصل کیا۔ اب پلٹن ۱۸ سے پنشن پر آ گئے ہیں۔ حکومت پونچھ نے باعث فوجی خدمات نمبردار بنا دیا ہے حوالدار سید محمد خاں کی ملازمت ۱۹۱۴ء میں ۷۶ پلٹن سے شروع ہوتی ہے۔ جنگ میں دو دفعہ زخمی ہوئے اور ایک رفل سلینڈر کے علاوہ سات تمغے آپ نے حاصل کئے۔ حوالدار ہونے کے بعد ۱۹۳۲ء میں پنشن پر آ گئے۔ حوالدار محمد شیر خاں ساکنہ گل کوٹ ۱۹۲۰ء میں ۱۰۲ گرینڈیئر میں بھرتی ہوئے۔ مہم وزیرستان (۱۹۲۱ء تا ۱۹۲۳ء) کی خدمات کے صلہ میں ایک تمغہ معہ کلڑی حاصل کیا۔ ۱۹۲۴ء میں لیس نائیک ہوئے ۱۹۲۷ء میں ایجوکیشنل اور ۱۹۳۲ء میں انڈین ملٹری سروس کلاس کا سرٹیفکٹ حاصل کیا۔ اسی سال نائیک اور ۱۹۳۴ء میں حوالدار ہو گئے اس وقت آپ ۱۰ بٹالین ۱۴ رجمنٹ میں ہیں۔ جمعدار دین محمد خاں پنشنر آپ کے چچا ہیں۔

موضع پھلاڑ میں لعل خاں و بوستان خاں ولد ملیا خاں جسکپ ڈھونڈ قوم کے قابل ذکر افراد بتائے جاتے ہیں۔ تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی کے جسکم ڈھونڈ برطانوی فوج میں بھرتی ہو کر اپنی قوم کا نام خوب روشن کر رہے ہیں۔ ان میں صوبیدار میجر فقیر خاں ساکنہ سلا مبر۔ صوبیدار کریم داد خاں ساکنہ کھوئیں۔ رسالدار الہ دتہ خاں ساکنہ سر نیمہ۔ صوبیدار حشمت علیخاں آنریری مجسٹریٹ مرحوم ساکنہ بانڈہ۔ انعام خوار جلال خاں خلف صوبیدار حشمت علی خاں مرحوم۔ جمعدار نتھا خاں ساکنہ بتھا جمعدار کرم خاں ساکنہ سوڑ تھامس خاص طور پر مشہور ہیں۔

ملنے کے پتے

اسلامی کُتب خانہ

مرکزی جامع مسجد روڈ راولپنڈی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

گنج بخش روڈ۔ لاہور

ادارۂ نشر و اشاعت اخوان المؤمنین پاکستان

۱۵۰۔ راوی روڈ نزد پیر مکی لاہور ۲

عارف بُک ڈپو

گلی نمبر ۳۔ ریل بازار سرگودھا

عِلمی کتاب گھر

اُردو بازار۔ کراچی

اسلامک بُک شاپ

فیصل مسجد اسلام آباد

ملنے کے پتے

اسلامی کُتب خانہ

مرکزی جامع مسجد روڈ راولپنڈی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

گنج بخش روڈ۔ لاہور

ادارۂ نشر واشاعت اخوان المؤمنین پاکستان

۱۵۰۔ راوی روڈ نزد پیر مکی لاہور ۲

عارف بُک ڈپو

گلی نمبر ۳۔ ریل بازار سرگودھا

عِلمی کتاب گھر

اُردو بازار۔ کراچی

اسلامک بُک شاپ

فیصل مسجد اِسلام آباد